

الہاماتِ غالبؔ



مشمول بر :

- 1- دیوانِ غالب
- 2- شرح دیوانِ غالب
- 3- حالاتِ غالب
- 4- تنقیدِ کلامِ غالب

از : پروفیسر ملک عنایت اللہ
ایم اے۔ لاہور



شیخ ظفر محمد ریڑھ و سیلشنز نے مرکٹنل پریس لاہور میں چھپوا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

اِس مے از قحط خریداری کہن خواہد شدن
شہرت شہرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن
(حضرت غالب رحمۃ اللہ علیہ)

تا زویوانم کہ سرمست سخن خواہد شدن
کو کہم را در علم لوح قبوے پورہ است

سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل
گوئیم مشکل و گرنہ گوئیم مشکل
(حضرت غالب رحمۃ اللہ علیہ)

مشکل ہے زبں کلام میرا سے دل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش

ہے پر مرغِ تصور کی رسانی تا کجا
گلشنِ ویر میں تیرا ہنوا خواہید ہے
(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

فکرِ انسانِ تری ہستی سے یہ روشن ہوا
آہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرا میدہ

طالبِ عرفی و آسیرِ کلیہ
ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے
لوگ جو چاہیں اُن کو بھڑائیں
ہے ادب بشرطِ مَن نہ کھلائیں
غالبِ نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

(حالی رحمۃ اللہ علیہ)

”ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ وید مقدس
اور دیوان غالب“

ڈاکٹر عبدالرحمن بھنڈری مرحوم

”قرآن کے کلام کی خوبیاں تو نہ معلوم کیا کیا ہیں اور کتنی ہیں۔
مگر بے بڑی خوبی میری نگاہ میں یہی ہے کہ ہندوستان
کا کوئی شاعر ان کے مقابلہ پر نہیں بھڑتا۔ گویا ان کا کلام
ایک تیز شراب ہے جس کے بعد کوئی نشہ نہیں چڑھ سکتا
اور ان کا رنگ جھنے کے بعد کوئی رنگ نہیں جم سکتا“
حضرت امجد علی دہلوی

توطیہ

۱۹۳۱ء میں جبکہ میں "فادرین کریمپن کالج" لاہور میں پروفیسر تھا میں نے دیوان ذوق کی شرح لکھی جس کا پہلا ایڈیشن اکتوبر ۱۹۳۱ء میں دہرائی کی تعداد میں اور دوسرا ایڈیشن ستمبر ۱۹۳۲ء میں تین ہزار کی تعداد میں شائع ہوا اسی زمانے میں کالج کے بعض دانش اس طلبہ نے مجھے دیوان غالب کی شرح لکھنے کی تحریک کی۔ لیکن میں سمجھتا تھا کہ دیوان غالب کی کافی شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور اس میدان میں مزید طبع آزمائی کی ضرورت نہیں مگر احباب نے باوجود میری معذرت کے اپنے پیہم اصرار اور مسلسل تقاضہ سے مجھے کچھ اس طرح مجبور کر دیا کہ میں اس شکل کام کے انجام دینے کا وعدہ کر لیا اور خدا کا نام لیکر اپنے لمحات فرصت میں اپنی بساط فکر کے مطابق لکھتا رہا۔ ستمبر ۱۹۳۲ء کے خاتمہ پر نہ صرف شرح بلکہ کتابت کی بھی تکمیل ہو گئی تھی۔ باقی طباعت کے مرحلہ کو طے کرنا میرے لئے کچھ دشوار نہ تھا کیونکہ میں اندون لاہور کے دوشوہر اور عظیم الشان مطابع "طبع کریمی" مطبع مجتہبائی کا مالک تھا لیکن ۱۹۳۵ء میں تحریک مسجد شہید گنج شروع ہو گئی اور میں اپنے کاروباری مشاغل کی وجہ سے کالج کی ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر کے سیاسیات میں حصہ لینے لگا تھا۔

اس زمانہ میں تحریک مسجد شہید کے سلسلہ میں پنجاب کے اکثر مقتدر سیاسی کارکن حکومت پنجاب کے حکم سے مختلف مقامات پر نظر بند کئے جا چکے تھے اور صوبہ کے ہر حصہ میں تحریک اگداری مسجد شہید گنج پوری شدت کے ساتھ جاری تھی۔ تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے آل انڈیا مجلس اتحاد ملت کی بنیادیں پڑ چکی تھیں اور مجھے اس کا صدر منتخب کیا گیا تھا۔

حالات اور روایات کی رفتار نے مسلمانوں کو بول ناقرمانی پر مجبور کر دیا تھا۔ مجلس اتحاد

ملت نے جو صوبہ میں تحریک کی قیادت کر رہی تھی مجھے تحریک سول نافرمانی کا ڈکٹیٹر ڈاٹر مقرر کیا میں نے شاہی مسجد لاہور کو مرکز قرار دیکر سول نافرمانی کی مہم شروع کر دی۔ حکومت نے میری گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے اور تحریکات ہند کی کسی دفعہ کے ماتحت میری تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ ضبط کر لی اور یہ دونوں مطالب بھی اسی ضبط شدہ جائیداد میں شامل تھے۔

انہی دنوں میں سرخیاں ولایت سے ہندوستان مراجعت فرما گئے تھے انہوں نے دہلی پہنچ کر میرے نام ایک پیغام بھیجا اور مسلمانان پنجاب اور حکومت پنجاب کے درمیان سمجھوتہ کرانہ کی خواہش ظاہر فرمائی۔ میں نے قائد تحریک کی حیثیت سے اپنے مطالبات کی فہرست دہلی آنکی خدمت میں بھیج دی۔ وہ میری دعوت پر لاہور تشریف لائے مسلمانان لاہور نے میرے اعلان کے مطابق ریلوے اسٹیشن پر ان کا شاہانہ استقبال کیا وہ اسٹیشن سے سیدھے شاہی مسجد لاہور میں تشریف لائے جہاں لاکھوں مسلمانان کا پیغام سننے کے لئے جمع تھے۔ میں نے اس دن ان کے ارشاد کے مطابق تحریک سول نافرمانی کے ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا اور انہوں نے ہمارے مطالبات ہنر کی کمیٹی گورنر پنجاب کی خدمت میں پیش کر دیئے اور قریباً ایک ماہ تک لاہور میں قیام فرمایا۔ آخر قائد اعظم کی کوششوں سے حکومت نے واکزادی مسجد کے علاوہ تمام مطالبات منظور کر لئے اور تحریک کے سلسلے میں جتنے نظر بند اور قیدی تھے سب کو رہا کر دیا۔ اخبارات اور مطالب کی ضمانتیں منسوخ کر دیں۔ عدالتوں میں جس قدر مقدمات زیر سماعت تھے وہ سب واپس لے لئے۔ میرے وارنٹ گرفتاری و ضبطی بھی منسوخ ہو گئے۔

میں جب مسجد سے باہر نکلا اور اپنے کاروبار کا جائزہ لیا تو شرع ہذا کی اکثر کتابت شدہ کاپیاں میری عدم موجودگی میں ضائع اور خراب ہو چکی تھیں اور اصل مسودہ بھی نہیں ملتا تھا۔ اور میرے لئے ناممکن تھا کہ میں نئے برسرے سے شرح لکھنے میں مصروف ہوتا لہذا کتاب کی شاعت معرض ہوا میں پڑ گئی مسلم لیگ کی تحریک ملک میں شروع ہو چکی تھی اور میں بھی اب سیاسیات ملکی میں کافی حصہ لے رہا تھا اسلئے اسکی ترتیب

تدوین کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔

ٹھیک چالیس برس بعد یعنی ۱۹۳۱ء میں پُرانے کاغذات میں سے شرح ہذا کا اصل مسودہ اتفاقاً دستیاب ہو گیا اور میرے عزیز بھائی شیخ ظفر محمد صاحب تاجرت لاہور نے اس کی طباعت کی خواہش ظاہر کی اور آج انہیں کی کوششوں سے میری یہ ناچیز ذہنی کاوش کتابی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔

میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے جو معافی بیان کئے ہیں وہ صحیح اور حتمی ہیں بلکہ جہاں تک مجھ سے ہو سکا ہے میں نے تحقیق و تلاش کے دامن کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ مولانا حالی نے اپنی بے نظیر تصنیف "یادگار غالب" میں جن اشعار کی شرح فرمائی ہے انہیں بھنبہ نقل کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کی معلومات تمام شارحین سے زیادہ ہیں۔ اس لئے کہ یہ مرزا غالب کے شاگردوں میں سے تھے اور انہوں نے خود مرزا غالب کی زبان سے بعض اشعار کے معنی سنے تھے۔ ان کی تحقیق نے کلام غالب میں بعض ایسے بیش بہا مطالب کا اضافہ کیا ہے جو اس سے پہلے عوام کی نظروں سے مخفی اور پوشیدہ تھے۔

میں نے اس شرح میں جس مقام پر دوسرے شارحین غالب سے اختلاف کیا ہے اور ان پر تنقید کی ہے وہاں اپنی رائے ظاہر کرنے سے گریز نہیں کیا۔ نیز اگر کسی شعر کی شرح کو میں نے بہتر خیال کیا ہے تو اسے شارح کے نام کے ساتھ نقل کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔

یہ میری انتہائی ناشکر گزاری ہوگی اگر میں ان شارحین غالب کا ذکر نہ کروں جن کی شرحیں اس شرح کی تکمیل کیلئے میرے زیر مطالعہ رہیں اور میں اس بات میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ میں نے دیوان غالب کے بعض مشکل اور پیچیدہ اشعار کے سمجھنے کے لئے یادگار غالب حالی، اور شرح مولانا آسی و مولانا حسرت موہانی، وحضرت بنخود دہلوی و مولانا حیدر علی طباطبائی سے

استفادہ کیا۔

اگرچہ میں نے اس مشرع کے لکھنے میں انتہائی کوشش اور احتیاط سے کام لیا ہے لیکن آخر انسان ہوں اور سہو و خطا لازمہ انسانیت ہے لہذا مجھے خود اعتراف ہے کہ اس میں کئی ایک اغلاط اور لغزشوں کا احتمال ممکن ہے اس لئے ادب و دوست حضرات سے استدعا ہے کہ وہ ہر جائز اصلاح اور مناسب ترمیم کے مشورہ سے دریغ نہ فرمائیں۔ تاکہ اشاعت ثانی میں اغلاط کی گنجائش نہ رہے۔

مجھے اُمید ہے کہ میری یہ ناچیز ذہنی کاوش قبولیت عامہ کا امتیاز حاصل کرے گی اور درحقیقت یہی میری محنت کا اصلی جملہ ہوگا۔

ناچیز

پروفیسر ملک محمد عنایہ الشذائیہ اے

لاہور

تعارف

ولادت و حسب نسب

مرزا اسد اللہ خاں غالب تخلص المعروف بہ میرزا ذیشان المصطفیٰ بہ نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ کبھی اسد بھی تخلص کرتے تھے۔ مرزا کے آبا و اجداد ایک قوم کے ترک تھے۔ چنانچہ ایک قح پر خود فرستے ہیں

ایکم از جماعتِ اتراک در تمامی زمانہ دو چناریم
فن آبا ئے من کشا و زریست مرزباں زادہ سحر قندیم

ان کے دادا وہ پہلے بزرگ تھے جو مرزا کی پیدائش سے پچاس سالہ برس پہلے سحر قند چھڑ کر منہ و جان آئے اور اسے اپنا وطن بنایا اور شاہ عالم کی فوج میں ملازمت اختیار کی۔ مرزا کے والد عبداللہ بیگ خاں عرف مرزا دولہ پہلے لکھنؤ میں قواب آصف الدولہ کے یہاں نوکروں کے اور اسکے بعد حیدر آباد دکن میں کئی برس تک ملازم رہے۔ آخر اور پیچھے اور وہاں ایک محرابہ میں گولی لگنے سے انتقال کیا۔ میرزا عبداللہ بیگ خاں مرزا غالب کے والد کی شادی خواجہ غلام حسین خاں کیدان رئیس آگرہ کی بیٹی سے ہوئی تھی چنانچہ مرزا شب ہشتم ماہ رجب ۱۲۱۱ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۱۷۹۷ء کو بھر آگرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش اور تعلیم پائی۔

مرزا کے والد کا جب انتقال ہوا تھا تو مرزا کی عمر اس وقت پانچ برس کی تھی۔ والد کی وفات کے بعد مرزا کے چچا نصر اللہ بیگ نے انکو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا اسکے چار پانچ برس بعد ۱۲۱۸ھ میں جب

چچا کا بھی انتقال ہو گیا تو مرزا کو ان کا وارث ہونے کی حیثیت سے ساڑھے سات سو روپیہ لانا پیش ملتی رہی لیکن مرزا کے خطوط اور معاصرین کے تذکرہ نگاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کا قیام آگرہ میں ان کے نانا کی یاد میں تھا۔

تعلیم

مرزا کی تعلیم سے بے پردائی نہیں برتی گئی۔ مرزا کی والدہ خود ایک خواندہ عورت تھیں سوائے انہوں نے مرزا کی تعلیم کا خاص خیال رکھا۔ بعض تذکرہ نگاروں کی تصنیف سے اس خیال کی تائید ہے کہ مرزا کے ایک استاد نظیر اکبر آبادی بھی تھے۔ لیکن مرزا نے ابتدائی تعلیم آگرہ کے مشہور فاضل معلم شیخ معظم سے حاصل کی تھی۔ مرزا کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں علوم مروجہ سے کافی واقفیت تھی منطق، فلسفہ، ہیئت کی علمی مصطلحات ان کے ابتدائی کلام میں پائی جاتی ہیں۔ نیز وہ طب کی مشہور کتب سے بھی بخوبی واقف تھے۔ عربی صرف و نحو پر انہیں کامل عبور تھا۔ مولانا حالی فرماتے ہیں کہ جن ٹیڑھی ردیفوں میں انہوں نے غزلیں لکھی ہیں ان میں علم عروض کے جاننے کے بغیر غزل گوئی ناممکن تھی۔

لیکن جو چیز مرزا کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ زبان فارسی اور ادب و واقفیت اور اس زبان میں قدرت اظہار خیال ہے۔ مرزا گیارہ برس کی عمر میں فارسی شعر کہا کرتے تھے اور اس خود سالی میں انہوں نے کلام اور دوسری فارسی کتب بھی زیر مطالعہ لیں۔

فارسی ادب کو چھپی شیخ معظم کی شاگردی ہی کے زمانہ سے ہو گئی تھی لیکن اس سلسلہ میں ملا عبد الصمد ہر مزد کے احسانات مرزا پر سب سے زیادہ ہیں۔ ہر مزد ستائیس برس آگرہ میں بطور سید وارد ہوا تھا اور دو برس تک مرزا کے ساتھ رہا اور جب مرزا آگرہ سے دہلی آئے تو وہ بھی ساتھ تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرزا کا اتالیق مقرر ہو گیا تھا۔ اسکی وفات سے مرزا کو فارسی زبان میں وہ ملکہ حاصل ہو گیا تھا جو اہل زبان کا خاصہ ہے جس طرح عام ایرانی ہندوستانیوں کی فارسی کو خاطر میں نہیں لاتے مرزا بھی شروع ہی سے ہندی

زبان ان ٹاری نوں کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اسکے علاوہ ہر مزدکیو جہ سے وہ پارسیوں کے عقائد سے بھی پرستے طور سے واقف ہو گئے تھے۔ ہر مزد کے عقائد کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن فحوب نہیں کہ وہ شیعہ ہوا اور اپنے خاندانی طریقہ کو چھوڑ کر مرزا کا شیعہ ہوتا شاید اسی کی صحبت کا نتیجہ ہے۔

شادی

مرزا کی شادی ۱۲۲۵ء میں نواب الہی بخش خاں معروف کی لڑکی سے ہو گئی اور اسی بنا پر مرزا نے اگر وہ کو چھوڑ کر دہلی کی سکونت اختیار کر لی۔ اور پھر آخر عمر تک یہی رہے۔ نواب الہی بخش خاں معروف ایک خاندانی رئیس اور دربار شاہی کے نہایت مقرب و رباری تھے اور بڑے مشہور اور کمنہ مشق شاعر تھے۔ اپنی عمر کی درازی کی وجہ سے سات شاعروں کی نظر سے اپنا کلام گزار چکے تھے۔

مرزا کی آنا دہشتی اور وارستہ مزاجی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ کرایہ کے مکان میں رہے اپنے لئے کبھی کوئی مکان نہیں خریدا اسی طرح مطالعہ کیلئے بھی باوجودیکہ ساری زندگی تصنیف کے شغل میں گزری کبھی کوئی کتاب نہیں خریدی ہمیشہ کرایہ پر کتابیں منگوا کر پڑھتے رہتے تھے۔

صحاش

مرزا کو اپنے چچا نصر اللہ بیگ کی وفات کے بعد جو ساڑھے سات سو روپیہ لاندہ پنشن ملتی تھی وہ غدار تک تو ملتی رہی لیکن جب انگریزوں نے دوبارہ دہلی کو فتح کیا تو یہ پنشن مرزا کے قلعہ سے تعلقات کی بنا پر تین برس تک بند رہی۔ علاوہ بریں بہادر شاہ کی طرف سے جو پچاس روپیہ ہوا اور خاندان تیموری کی تاریخ نویسی کے عوض میں ملتے تھے ان کا ملنا بھی سو قوت ہو گیا۔ غرضیکہ دو سال کا زمانہ مرزا نے نہایت عسرت کی حالت میں بسر کیا مگر دو سال کے بعد نواب یوسف علی خاں مرحوم رئیس مام پور نے سو روپیہ ہانہ ہمیشہ

کے لئے مقرر کر دیا جو نواب کلب علی خاں مرحوم نے بھی مرزا کے آخر دم تک جلدی رکھا اور غدر سے تین برس بعد جب مرزا ہر ایک الزام سے بری ثابت ہوئے تو سرکاری کمیشن بھی جاری ہو گئی تاہم ان کو وہ فائدہ الباقی نصیب نہ ہوئی جو ان کے خاندان اور کمال کے نمایاں بھتیجے مرزا کبھی اس کیلئے دل تنگ نہیں ہوئے۔

اولاد و شاگرد

مرزا کے یہاں سات بچے پیدا ہوئے مگر کوئی زندہ نہیں رہا۔ غدر سے چند سال پہلے جب مرزا کی بیوی کے بھانجے زین العابدین خاں عارف کا انتقال ہو گیا تو مرزا نے ان کے دو بیٹوں کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ وہ ان کو حقیقی اولاد سے بھی بڑھ کر عزیز رکھتے تھے مگر مرزا کی وفات کے بعد دونوں عین جوانی کے عالم میں وفات پا گئے۔ عارف سے مرزا صاحب کو غایت درجہ کی محبت تھی۔ قرابت کے علاوہ وہ مرزا کے نہایت خوش فکر شاگرد تھے اور باوجود پُرگوئی کے نہایت خوشگویہ تھے۔ انہیں کے مرنے پر مرزا نے وہ درد انگیز اور مشہور غزل لکھی ہے جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ہاں اسے نلک پیر جواں تھا ابھی عارف

کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

عارف کے علاوہ مرزا کے اور بھی کئی مشہور و معروف شاگرد ہیں۔ مثلاً

۱۔ نواب ضیاء الدین خاں جو اردو میں رشتاں اور فارسی میں تیر تخلص کرتے تھے۔

۲۔ مرزا قربان علی بیگ سانگ جن کا کلیات طبع ہو گیا ہے اور مطالعہ کے قابل ہے۔

۳۔ منشی ہرگوپال تفتہ اکبر آبادی جنہوں نے فارسی کے چار ضخیم دیوان یادگار چھپوٹے

(۱) میر جلدی جیمین مجروح جن کا دیوان چھپ چکا ہے اور جن کے نام اکثر خطوط مرزا

کے عود ہندی میں درج ہیں۔

۵۔ نئیس العلما خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی جن کی تصنیفات مشہور و مقبول ہیں اور جنہوں نے مرزا کی مفصل سوانح عمری "یادگار غالب" لکھی ہے جن کا انتقال ۱۹۱۲ء میں ہوا۔

۶۔ نواب علاؤ الدین خاں علانی ۷۔ محمد زکریا خاں زکی۔

۸۔ مولوی محمد اسماعیل میرٹھی ۹۔ حافظ محمد خاں شہید۔

۱۰۔ عاشق حسین خاں عاشق ۱۱۔ میاں داد خاں سیاح۔

۱۲۔ نواب شہاب الدین خاں ثاقب ۱۳۔ قمر الدین خاں راقم۔

۱۴۔ عزیز ۱۵۔ آگاہ ۱۶۔ ادیب ۱۷۔ مقصود ۱۸۔ سخن ۱۹۔ شائق ۲۰۔ طالب

تصنیفات

مرزا کی تصانیف تقریباً تمام طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ مثلاً

- ۱۔ دیوان غالب ۲۔ کلیات نظم و نثر فارسی ۳۔ عود ہندی ۴۔ اردوئے معلیٰ ۵۔ قاطع برہان ۶۔ تیغ تیز ۷۔ نامہ غالب ۸۔ پنج آہنگ ۹۔ مہر نیمروز ۱۰۔ دستبنو ۱۱۔ گل رعنا ۱۲۔ لطائف غیبی ۱۳۔ سید حسین۔ وغیرہ متفرق رسالے۔

حلیہ

مرزا جوانی میں شہر کے نہایت حسین و خوش رو جوانوں میں شمار ہوتے تھے اور بڑھاپے میں بھی ان کی شبہت سے حسن و خوبصورتی کے آثار نمایاں طور پر معلوم ہوتے تھے اور اس حالت میں ہی وہ ایک نووارد و توراتی معلوم ہوتے تھے۔

اخلاق و عادات

مرزا اپنے اخلاق و عادات کے لحاظ سے اگلے زمانے کے شرفا کی وضع و صفات کا ایک بہترین نمونہ تھے۔ یہ ایسے بیع الاخلاق تھے کہ ان کے حلقہ احباب میں ہر مذہب و ملت کے بیشمار دوست تھے اور حالت بیماری میں بھی وہ اپنے دوستوں کے خطوط کا جواب برابر دیا کرتے تھے اور غزلوں کی اصداغ سے بھی باز نہ آتے تھے۔ فراخوصلگی اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ سائل ان کے دروازے سے بہت کم خالی ہاتھ جاتا تھا۔ یہ غریبوں اور محتاجوں کی امداد اپنی وسعت سے زیادہ کرتے تھے اسلئے غورنگ کہتے تھے۔

خود داری کی یہ کیفیت تھی کہ بازار میں بغیر پاکی یا ہوادار کے نہیں نکلتے تھے اور عکائیں شہر سے جو لوگ ان کے ہاں نہیں آتے تھے وہ بھی ابھی ان کے مکان پر نہیں جاتے تھے اور یہ تھوہ تو عام طور پر مشہور ہے کہ جب ہلی کالج کی پروفیسری کے لئے بلائے گئے تو مرزا صرف اتنی بات پر واپس آ گئے کہ مسٹر ماسن جو مالک مغربی و شمالی کے لٹنٹ گورنر بھی رہ چکے تھے مرزا کے استقبال کو نہیں آئے۔

ان صفات کے علاوہ مرزا حد درجہ کے حق پسند۔ راست گفتار۔ مر سجاں مر سنج اور غیر متعصب و نڈنگ تھے چنانچہ کوئی شخص ان کے عقائد سے پورے طور پر واقف نہ ہو سکا۔ سوائے اسکے کہ ان کو اہلیت سالن سے بچد عشق اور عقیدت تھی۔ غالباً مرزا تفصیلی شیعہ تھے لیکن مولانا فخر الدین قدس اللہ سرہ کے خاندان کے مرید بھی تھے اور انتقال کے بعد نواب ضیاء الدین خاں نے تجنیز و تکفین کے تمام مراسم عقائد اہل سنت والجماعت کے مطابق ادا کئے تھے۔

با و صف ان تمام خوبیوں اور صفات کے برعکس آزادہ روی و زندانہ مزاجی مرزا کے شغل شراب و اس کے متعلق بہت سی حکایات اور لطیفوں کا ذکر اب حیات مولانا آزاد اور یادگار غالب حالی میں موجود ہے علاوہ بریں مرزا کو شطرنج اور چو سر کھیلنے کا بہت شوق تھا اور جب کبھی چو سر کھیلدا کرتے تھے تو برائے نام کچھ بدکر کھیلدا کرتے تھے اسی چو سر کی وجہ سے ۱۲۶۱ھ میں کونوال شہر کی دشمنی سے مرزا کو کچھ دنوں قید کی سختی بھی برداشت کرنی پڑی۔

مرزا ایک تو اس زمانے میں بیمار اور کمزور تھے دوسرے ایک معزنا اور خاندانی آدمی کیلئے اس طرح جیل میں جانا انتہائی نوہین اور بے آبروئی تھی ان پر اس واقعہ کا بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ مولوی کریم الدین تذکرۃ الشعراء میں لکھتے ہیں۔

”ان دنوں سرکار کی طرف سے ان پر ایک بڑا حادثہ گذرا ہے جس کے سبب انہیں رنج لاحق ہے۔“ اور قصیدہ کے نام بھی انہوں نے ایک خط میں لکھا ہے کہ یہ بہت بڑا دھبہ رہ گیا۔ قید کے زمانے میں انہوں نے ایک ترکیب بند لکھا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مصیبت کی وقت تو اب مصطفیٰ خاں شیفہ نے ان کی بڑی مدد کی اور مرزا نے اب مصطفیٰ خاں کی تعریف میں جو زبردست فارسی قصیدہ لکھا ہے اس میں بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

بشنید بے آنکہ باداں را برد نالہ گر در گنج زنداں سے زغم
مولانا حاکمی فرماتے ہیں کہ مرزا کو قید کی پوری مبعود بھگتنی نہیں پڑی اور قریباً تین مہینے کے بعد ہی رہا ہو گئے۔ رہائی کے بعد وہ بہادر شاہ کے مرشد کائے خاں صاحب کے مکان پر مقیم تھے اور انہیں کی سفارش سے دربار میں باریاب ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ باریابی سے پہلے وہ بہت سے قصیدے کسی کی معرفت دربار میں پیش کر چکے تھے اور وہاں سے انہیں تحفے تحائف بھی جاتے تھے لیکن ابھی باریابی کی نوبت نہ آئی تھی چنانچہ ایک فارسی قصیدہ میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تو ہمیں قرب شاہ و لیکن دریں مراد عبرت زنا مراد ٹی سنج گرفتہ ایم
بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوق اور اسکے معاونین مرزا کی کوششوں میں روئے اٹکاتے تھے چنانچہ مرزا کا وہ فارسی نطوہ جس کا ذیل کا شعر بہت مشہور ہے اور جس میں سوائے ذوق کے اور کوئی مخاطب نہیں اسی زمانے کی یادگار ہے۔

فارسی میں تا بہ مبنی نقشہائے دگدگ بگذر از مجموعہ اردو کہ سبز نگین است

دربار میں مرزا کے باریاب ہونے کی صحیح تاریخ لکھنا مشکل ہے لیکن اتنا یقینی ہے کہ یہ ریائی بہادر شاہ کے مرشد شاہ نصیر الدین عرفا کے شاہ کی دستا سے ہوئی چنانچہ مرزا میرزا کے آغاز میں لکھتے ہیں:-

”پس از پنجاہ سالہ آوارگی کہ تیزی رفتار من از بسجہ دیت خانہ گروانگخت خانقاہ و
میکند بہ یک دگر و دیفر و غ ازاں فرہ اتندی کہ فریدوں را بقرب تاب و ادگری ل
افروخت و مرا فرہنگ سخن گستری آموخت۔ ہذاں در فرودم آمد کہ تو نیز چوں
حلقہ چشمے ہذاں در داری و نئیوانی کہ دیدہ برداری۔ دیوار کاخ والا پایہ ہما سایہ
بیدار دل دیدہ و رفتی سرشت گرجادہ شناس راہ سیر و سلوک راہ نمائے
جادہ فقر و فنا مشاہدہ شہور و شاہدیتین مولانا محمد نصیر الدین رانا زام کہ ہر کہ مسایہ
آں دیوار ہمایوں آثار گام زندہ شگفت کہ در سایہ خویش در فردوس افگند
نخست آئیہ رحمت کہ برین از بالا فرود آمد و روان تجستگی زمین بوس گہاں خدیو
خدا و ال بد دولت روئے آورد بخت از خواب جست۔“

شہادہ میں مرزا بادشاہ کے درباری مورخ کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اسکے کچھ عرصہ بعد ولیعہد
شہزادہ فتح الملک نے انہیں اپنا استاد منتخب کیا اور چار سو روپیہ لائے مشاہرہ مقرر کر دیا۔ ولیعہد
نے غالب کے قدیمی دشمن نواب شمس الدین کی بیوہ سے نکاح کیا تھا اور ظاہر ہے کہ مرزا کی ادبی شہرت
بہت مستحکم ہو گئی ہوگی جو ولیعہد بہادر نے تمام کچھلے واقعات سے چشم پوشی کر کے مرزا کو اپنا
استاد منتخب کیا۔

ولیعہد کی تعریف میں مرزا نے چند قطعات اور تین بلند پایہ فارسی قصائد لکھے ہیں ان میں
سے ایک کی تشبیب میں ”روز نازل“ کی دلچسپ روئداد لکھی ہے۔ دوسرا قصیدہ رودکی کے قصیدہ کی

بحر میں ہے۔ مرزا کا یہ اعزاز اور خوش نصیبی عارضی ثابت ہوئی کیونکہ دو سال بعد ولیعہد کا انتقال ہو گیا۔ ویسے مرزا کی زندگی اب نسبتاً آرام سے گزرتی تھی۔ مالی حالت قدرے بہتر تھی۔ قلعہ سے بھی تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ شاہزادوں میں کوئی نہ کوئی ہر ہفتے مشاعرہ منعقد کراتا۔ وہ اس میں اردو و غزلیں پڑھتے اور چونکہ ان کا موجودہ رنگ مستقبل عام تھا تعریفیں ہوتیں۔ ذوق سے بھی اب ان کے تعلقاً نسبتاً خوشگوار تھے۔ آہستہ آہستہ یہ مجلس بھی برہم ہوتی گئی۔

۱۸۵۲ء میں مرزا خاں کا انتقال ہو گیا اور اس کے دو سال بعد ۱۸۵۴ء اکتوبر میں فوق بھی چل بسے۔ مشہور شعراء میں صرف غالب زندہ تھے۔ چنانچہ بادشاہ کے اشعار کی اصلاح ان کے سپرد ہوئی۔ بادشاہ کے اشعار کی اصلاح مرزا نے دو تین برس کی ہو گئی۔ اس سلسلہ میں انہیں ملک الشعراء اس طرح کا کوئی اور خطاب نہیں ملا۔ مرزا بادشاہ کے استاد نہ ہو گئے تھے۔ لیکن اب سلطنت کا شیرازہ ہی بکھر رہا تھا مرزا حکام رس تھے اور ان باتوں سے بے خبر یا غافل نہ تھے ۱۸۵۲ء میں جب بادشاہ بیمار تھے تو وہ اپنے مستقبل کی طرف سے متردد تھے چنانچہ اس زمانہ میں نئی ہیرا ستم کو لکھا: از شب عبد خاقان رخوراست۔ حال دیگر چہ رونماید و مین کہ در سایہ دیوارش غنودہ ام چہ رود۔

وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ بہادر شاہ کے بعد شاہی سلسلہ تو ختم ہو جائے گا اپنا مستقبل انگریزی حکام سے وابستہ کرنا چاہیئے چنانچہ انہوں نے فرمانروائے انگلستان ملکہ وکٹوریہ کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھ کر انڈیننگ کی معرفت و متبع بھیج دیا اور اس کے ساتھ ایک عرضداشت بھی کہ روم و ایران کے بادشاہ شعراء پر بڑی بڑی عنایتیں کرتے تھے۔ اگر شاہ انگلستان مجھے خطاب، خلعت اور پینشن سے سرفراز کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ مرزا کو اس عرضداشت کا جواب اخیر جنوری ۱۸۵۴ء میں مسٹر رسل برک کی طرف سے ملا کہ درخواست پر تحقیق کے بعد خطاب اور خلعت وغیرہ کے متعلق

حکم صادر ہو گا۔ مرزا کے لئے یہ جواب نہایت حوصلہ افزا تھا اور وہ معلوم نہیں امیدوں کے کیسے کیسے تھے یا بندھ رہے تھے۔ کہ ارٹھی ڈھائی کو غدر ہو گیا۔ مرزا نے اپنے ارد گرد قعات میں اپنے اور اپنے دوستوں پر جو اس پر آشوب دور میں گزری اس کی داستانِ قدسے تفصیل سے لکھی ہے۔

شعرو سخن کے باب میں مرزا کو اپنے کمال فن پر بہت ناز تھا اور وہ خسرو اور فیض کے سوا ہندی شعرا میں سے کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے چنانچہ جس زمانہ میں مرزا اپنی فیشن کے سلسلے میں کلکتہ گئے ہیں اور وہاں کے بعض لوگوں نے انکے اشعار پر اعتراض کر کے مرزا قلیل کا قول سنا پیش کیا تو آپ نے طنزوی بار مخالف لکھی جس کے کچھ اشعار یہ ہیں :-

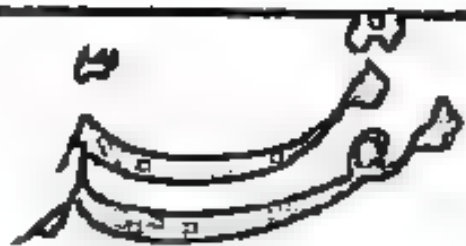
اے تہ شایانِ ثروت نگاہ	ہاں بگوسید حسبہ اللہ
دامن از کف کنم چہ گو نہ رہا	طالب و عرقی و نظیری را
خاصہ روحِ رودانِ مصنی را	آں ظہوری جہانِ معنی را
فتنہ گفتگوئے امین نام	ست لائے بیوئے ابرام
آں کہ طے کردہ ایں موافق را	چہ شناسد قاتل و واقف را

وفات

مرزا نے تہتر برس چار مہینے کی عمر پائی اور ۱۲۵۵ھ مطابق ۱۸۶۹ء فروری کو انتقال کیا۔ تجزیہ و تکفین نواب ضیاء الدین احمد خاں کی طرف سے ہوئی اور دہگاہ حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ میں فرما دیئے۔ اما اللہ وانا الیہ راجعون۔ مرزا کا مزار اپنے خسر نواب الملو بخش خاں معروف کے پائین مزار واقع ہے۔

ع۔ حق مغفرت کرے عجب ناز و مرد کھڑا!

پروفیسر محمد اعجاز الدین ایم۔ اے



غالب کی شاعری

غالب کی شاعری کی عظمت کا اندازہ کچھ وہی لوگ پوسے طور پر لگا سکتے ہیں جنہیں مبداء فیاض نے فوق سیرم وجدان صحیح کا معتد بہ حصہ عطا کیا ہے۔ ایسے یا رکت نفوس میں فطرتی طور پر وہ تمام قوتیں موجود ہوتی ہیں جنکی ادرا سے وہ اپنی کوششوں کو کار آمد اور عین ضرورت کے مطابق بنا سکتے ہیں۔ غالب کے زمانہ تک شاعری ایک ہی طریق پر چلی آ رہی تھی اور اس میں جدت کا ایک پہلو تقریباً مفقود ہو چکا تھا اور جو رنگ ایک نئے آہ پا جا رہا تھا اسے سن سنا کر صاحبین کی بے لطفی بیزاری کی حد تک پہنچ چکی تھی ایک ہی قلم تھا جو ہزاروں میں چھپایا جا چکا تھا اس میں ذائقہ مطلق نہ رہتا جس کے دماغ اور صحت صحت حاصل کر کے۔ غالب کی دور میں نظروں کے شاید اس نقص کو پہلے ہی دریافت کر لیا تھا اور انہیں غامضانہ طرز سخن کی تقلید کی زنجیر توڑ ڈالنے کی ضرورت ابتدائی میں محسوس ہو چکی تھی اسلئے اپنے واسطے انہیں ایک نیا اور بالکل جدا گانہ رستہ تلاش کرنا پڑا۔ پرانی لیمک کا چھوڑنا کوئی معمولی بات نہ تھی اس کام میں انہیں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بایں ہمہ ان کی معنی آفریں طبیعت نے ان کے لئے بالآخر ایک ایسی شاہراہ پیدا کر دی جسے ہم صراط مستقیم خیال کر سکتے ہیں۔

ہم غالب کو اردو شاعری کا موجد تسلیم نہیں کرتے لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ وہ اردو شاعری کے مصالح اعظم تھے انہوں نے اردو شاعری کی قدیم خصوصیات قائم رکھنے کے ساتھ ہی اس میں نئے تزیینات پیدا کر دیئے جو کسی شے کی درستی اور اصلاح میں ظہور پذیر ہونا لازمی ہیں۔

بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق یہ معلوم ہوتا ہے کہ محافل انہوں نے کس طریق سے غالب کی چلتی گاڑی میں سوار ہونے لگائے

کی فکر کی ہیں لیکن ہیر کا خاصہ طبیعت بھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی چیز کو اپنے ارادہ میں سدا رہ نہیں سکتے۔ غالب بھی دھن کے پکے تھے ورنہ انکی کوششیں عام مذاق کی خرابی کا اندازہ نہ کر سکتیں۔ بہر کیف غالب کا میاں ہے وہ عزم و استقلال کے ہاتھوں انہوں نے تاریخِ اردو میں عظمت و شہرت کے وہ پائدار نقوش چھوڑے ہیں جو ہمیشہ اپنی صوفشانی سے ان کا نام چمکاتے رہیں گے۔

جب ہم غالب کی ابتدائی اور بے اصول تعلیم کا خیال کرتے ہیں اور پھر انکی طبع رساکی جوتہ اور ذرا غاں کی رفعت کا اندازہ کرتے ہیں تو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ بے شبہ وہ ان کے پیٹ سے ایک غلیظ شاعر پیدا ہوئے تھے۔ غالب کی فارسی زبان کی دیانت ایک جتہادی رتبہ کی تھی اور ہندستان میں فارسی زبان کا ماہر لسان امیر خسرو اور فیضی کے بعد غالب کے پایہ کا شاید ہی نظر آئے۔ انہیں فارسی زبان پر جو عبور و قدرت حاصل تھی اس کا ایک کرشمہ انکے فارسی کلام سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ الفاظ کا استعمال، محاورات کی محبت، زبانہ انی وغیرہ امور کے لحاظ سے وہ فارسی کے بہترین ادیب اور مستند ماہر کے جاسکتے ہیں اور سی سنگاہ کی جھلک انکے اردو کلام میں موجود ہے اور یہی وجہ تھی کہ بعض نا سمجھ اور کم علم لوگ انکے ابتدائی کلام کو دیکھ کر حملہ کر دیا کرتے تھے۔

غالب کے سوانح حیات اور انکے کلام پر تنقید کے سلسلے میں نین مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یادگار غالب نے حالی محاسن کلام غالب از ڈاکٹر عبد الرحمن بجنوری اور ڈاکٹر لطیف کی کتاب۔ اب تھی کتاب لانا غلام مول احمد بجنوری "انتقاد" نے لکھی ہے جہاں تک سوانحی حالات کا تعلق ہے مولانا حالی سے کوئی آگے نہیں بڑھا اور تنقید کا نقطہ نظر سے بھی غالب کی اردو نثر اور فارسی نظم و نثر پر کوئی تبصرہ یادگار غالب کے بہترین ابدی مرزا کے اردو کلام کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے یادگار کے بعد بقول قاضی مصنف نے ڈاکٹر عبد الرحمن بجنوری کا مقدمہ ہے اور یہ بھی ایک قابل ذکر تصنیف ہے ایک طرزِ تحویر اور زورِ عبارات کے نقطہ نظر سے اردو کلام غالب کے کئی پہلوؤں پر جو تبصرہ لکھ کر دیا، وہ انکے وسیع مطالعہ پر مبنی معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر لطیف کی کتاب مدح و تحقیر محاسن کلام غالب جواب ہے تاہم انہوں نے یہ کتاب لکھ کر اردو ادب پر بہت احسان کیا ہے۔

چوتھی کتاب غالب مولانا غلام سہیل سہیل کی تالیف ہے یہ کتاب بھی دورِ حاضر کی بہترین کتابوں میں سے ہے اور مرزا غالب کی ایک مستند سوانح عمری ہے جو فاضل مؤلف نے خود مرزا سے ممدوح کے کلام نظم و نثر سے اخذ کی ہے اور میرزا کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

مولانا حالی نے کلام غالب کی چار خصوصیتیں بیان فرمائی ہیں ایک جہدِ مضامین اور طرغی خیالات اور دوسری تشبیہات کا استعمال جو نہ صرف نئی تھیں بلکہ اظہارِ مطالب کیلئے بھی مؤثر و نئے تھیں۔ دوسری استعارہ گنہ گار استعمال تیسری شوخی و ظرافت چوتھی خصوصیت جسے ڈاکٹر عبد الرحمن بجنوری نے بہت پسند کیا ہے معنی ایسے اشعار جنکے سمجھنے کیلئے ختم پر زور دینا پڑے۔ مولانا حالی نے ان تمام خصوصیتوں کو مثالوں سے واضح کیا ہے ڈاکٹر بجنوری نے ان مثالوں میں اضافہ کیا ہے اور اپنی کتاب بابِ ہفتم میں ان تشبیہات کی مثالیں دی ہیں جو غالب کے مشاہدہ فطرت پر مبنی ہیں۔ مرزا غالب درحقیقت تشبیہ و استعارہ کے بادشاہ تھے اور دنیا کے شاید ہی کسی شاعر کے کلام میں نئی اور مزید تشبیہات اور استعارات کی وہ افراط ہو جو ان کے کلام میں ہے۔

غالب نامہ مصنف نے مرزا غالب کی شاعری کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے اور اسی تقسیم کیطابق غالب نامہ میں دیوان غالب کو ترتیب دیا ہے۔ دورِ اول میں وہ اشعار ہیں جو مرزا نے پچیس برس کی عمر سے پہلے لکھے اور وہ قلمی نسخہ بھوپال کے متن میں موجود ہیں۔ دورِ دوم میں وہ اشعار ہیں جو قلمی نسخہ بھوپال کے متن میں موجود ہیں لیکن دیوان غالب کے پہلے طببعہ ایڈیشن میں موجود ہیں۔ دورِ سوم میں اس زمانہ کے اشعار ہیں جب مرزا کی توجہ بیشتر فارسی شعروں کی طرف تھی ان اشعار کی تدوین کیلئے جب مفید دیوان غالب کا وہ قلمی نسخہ ہے جو بڑے پھل کے ہاتھ کا لکھا ہوا یا کسی پیر لائبریری میں ہے۔ دورِ چہارم مرزا کی شاعری کا درباری دور ہے اور دورِ پنجم میں وہ اشعار ہیں جو غدر کے بعد لکھے گئے ہیں۔

دورِ اول کی خصوصیت یہ ہے کہ فارسی الفاظ اور ترکیب کی کثرت سے زبان زیادہ ثقیل ہے مضامین بھی عجیب و غریب ہیں جو عام مشاہدہ و دنیا سے شاعری سے دور معلوم ہوتے ہیں اور جنکے سمجھنا آسان کام نہیں دورِ دوم کی خصوصیت یہ ہے کہ دوسرے دور میں مرزا سبیل کی تقلید ترک کر چکے تھے اور زبان خیال کے لحاظ سے انکے کلام میں خصوصیت پیدا ہو گئی تھیں جو دوسرے دور کیلئے بالامتیاز ہیں اس دور میں سائنہ طبیعت بہت

تجلی معلوم ہوتا ہے فارسی ترکیب بہت کم استعمال کی گئی ہیں اور خیالات بھی عداوت اور خوشگوار میں کلام میں پیدا
اور صائب کی بجائے عرفی اور نظیری کا رنگ غالب ہے تشبیہات نیچرل اور موزوں ہیں اور اس دہائی کے سب سے
اہم خصوصیت نئیات انسانی کے متعلق شاعر کی معلومات ہیں۔

دور سوم کی خصوصیت تیسرے دور میں مرزا نے پناہ اور دیوان منتخب کیا اور اشعار کی کمی بیشی کے علاوہ
الفاظ اور ترکیب میں ترمیم کی یہ حالت اضافہ مرزا کی شاعری کے مطالعہ کے لئے بہت دلچسپ ہے۔ ان میں سے بیشتر
اصول میں زبان کو سادہ بنانے کے لئے کی گئی ہیں۔ اور دقیق فارسی الفاظ یا ترکیب کی جگہ سادہ الفاظ رکھ
دیئے ہیں یا جن الفاظ میں خود شاعر کے اپنے خیال کے مطابق کچھ سقم تھا انہیں بدل دیا ہے۔

دور چہارم کی خصوصیت چوتھا دور مرزا کی شاعری کا درباری دور ہے اس زمانے میں مرزا نے
کئی فارسی قصائد لکھے اور ایک آدھ فارسی غزل بھی اس زمانہ کی یادگار ہے لیکن دربار سے تعلق استوار کرنے کیلئے
انہیں درباری زبان کو اپنی زبان بنانا پڑا اور اس زمانہ کے اکثر اشعار اردو میں بیشتر غزلیں ہیں جو مرزا نے
بادشاہ کو خوش کرنے یا قتلہ کے مشاعروں میں پڑھنے کیلئے لکھیں ان کے علاوہ بادشاہ کی تعریف میں کئی قصائد اور
نقطہ بھی ہیں لیکن ان دور کی صحیح یادگار اردو غزلیں ہیں جہاں تک بان کا تعلق ہے یہ وہ مرزا کی پختگی کا دور ہے
دور پنجم کی خصوصیت۔ پانچواں دور مرزا کی شاعری کا آخری دور ہے جو ۱۸۵۷ء کے غدار کے بعد
شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں مرزا نے جو اشعار لکھے ہیں وہ طرز نگارش اور خیالات کے لحاظ سے ان کے
درباری دور کے اشعار سے مشابہ ہیں۔ کلام میں سادگی اور شوق ہے۔ دور آخر کا تشبیہات کی بھرمار نہیں۔
مرزا نے اس زمانہ کی جن اردو فارسی غزلیات کو اپنے خطوط میں درج کیا ہے وہ شاعرانہ نقطہ نظر سے مرزا
کے بہترین کام کے ہم پایہ ہیں۔

غالب کی مقبولیت کے اسباب

زنگنه

غالب کی غیر معمولی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ اس کا حیرت انگیز تنوع ہے جسے ڈاکٹر عبدالحق نے غایت نفیس
طریقہ سے بیان کیا ہے۔ "لوح سے تمت تک مشکل سے سو صفحات میں لیکن کیا ہے جو یہاں موجود نہیں" کلام غالب کی

باتوں کا بیان نہیں بلکہ غالب کے دلی جذبات کا اظہار ہے جو کچھ وہ خود محسوس کرتا ہے اسے خاصا بیان کر دیتا ہے اسی لئے
 اس کے کام میں خاص جوش و اثر پایا جاتا ہے جو کسی مستعار شخص کے بیان میں ہونا چاہیے۔ غالب سمجھتے ہیں جو کچھ قابلِ ملاحظہ
 ہوتا ہے اس کے عقیدے میں حقیقی وجود ضرور ایک بات یا ہستی کا تھا جس کے برتو و منظر اس کے مجموعہ کا نام ظالم ہے اسی بناء پر
 دنیا کا شہرت و عزت و دو جاہ کی مطلق وقعت اس کے ذہن میں نہ تھی چنانچہ اپنے ایک عزیز شاگرد منشی گہر وال فقیر نے ایک خط لکھا ہے
 "تم مشق سخن کر رہے ہو اند میں مشق فنایاں مستغرق ہوں بوطی سینا کے علم اور نظیری کے شعر کو ضائع
 اور بیفائدہ و مہر موم جانتا ہوں ریت بسر کر نیک تھوڑی سی راز دہکار ہے اور باقی ہمت سلطنت
 شاعری اور سحری سب خراشاں ہندوؤں میں اگر کوئی اوتار ہوا تو کیا اور مسلمانوں میں ہی بنا تو کیا
 دنیا میں ظالم و ستم تو کیل کچھ معاش ہو و صحت جسمانی باقی سب ہم بے یار جانی۔ ہر چند کہ وہ
 بھی ہم ہے مگر میں بھی اس پایہ پر ہوں شاید آگے بڑھ کر یہ پودہ بھی اٹھ جائے اور درجہ معیت اور
 محنت رست گند جاؤں ظالم بیڑی میں گزریاؤں جس شے میں ہاں تمام بلکہ دونوں ظالم کا پتہ نہیں
 ہر کسی جو مطابق سوال کے دیتے جاتا ہوں یہ ریا نہیں ہے، اس پر ہستی نہیں ہے پندار ہے ہم تم
 دونوں اچھے خاصے شاعر ہیں تاکہ حافظ و سعدی کے برابر مشہور رہے گو شہرت کیا حاصل ہو کہ ہلکے ہو گا۔" لے
 ایک اور دست کو جنہوں نے کسی رئیس کے متعلق لکھا تھا کہ وہ حکیمانہ اصول کی مطابق رہتا ہے غالب یوں مخاطب کیا ہے
 "ایک گنتی فلاںے دوش حکیمانہ دارلہ نیار کار کا پانہ میگزند ابدیایں ہمہ اندوہنا کی خندہ آمد و گرفت
 و عنان ضبط خویش از کفر بد رفت ندانی بر اسپاں با درفتار نشستن و گروہا گروہ مردم اپشامیش
 دہ اندن۔ تن البیاس نکادنگ بر راستن و معده را بہ لوان خود دینی محتسبی گروہ اندن شہر ملانہ
 اندانہ بیروں راندن غبار عصیت بر فرق انشانان از حکمانیاید و پز شکان را شاید کاد انشور
 چیست حد افتادی در بن کو ہے نشستن و از شش جہت در برے خلایق بستن تن رہیاضت
 فرمودن و جاں را بخردی بالودن ہر کہ حکیم خرد گزین است کار و بادش اس است۔"
 ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی نود و فنائی، دنیا کی بے ثباتی موجودہ عالم کی بے حقیقی یہ اسے
 خصوصیتاً ایک نچمہ یقین یک قلبی اذعان ایک مستحکم عقیدہ کی طرح غالب کی عملی زندگی کے جزو نانہک بننے سے بے حد

محاکب بیباختہ کی خاموشی خاص تحریر میں بھی نظر آ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ غالب کے یہاں مفہم میں سے کلام کے چہرہ برحق ولادت کے قدرتی خط و خاں بن کر چلکے ہیں لیکن انہیں مضامین کو جب دوسرے بانٹتے ہیں تو ان کی مین ساریاں نکل کر ہر سونے لگتی ہیں مزید برآں جو آئندہ بیباختہ اور تاثیر غالب کے کلام میں ہے وہ اولاً و کویب نہیں سٹھے کہ یہ فطرت نفسانی کا قانون ہے کہ جو باتیں دل سے نکلتی ہیں وہ دل ہی میں جا کر بیٹھتی ہیں۔

غالب جس شریعت کا راہبر ہے اسکی تلقین یہ ہے کہ عالم بذات خود کوئی مستقل سستی نہیں رکھتا اس کا نہ جھج جو کچھ ہے وہ محض ذہنی یا خیالی ہے وہ لکھتا ہے کہ جس طرح عشق کا وجود ہم نے خواہ مخواہ فرض کر رکھا ہے اسی طرح کائنات کا وجود مودوم ہے۔

ز و ہم نقش خیالی کشیدہ ورنہ وجود خق جو عنقا بدہر نایاب است

اسی طرح ایک غزل کے مسلسل اشعار میں کائنات کی مختلف موثر چیزوں مثلاً آسمان، سمندر، بیابان، خزاں بہار، وغیرہ کو لگ بھگ گنوا کر بتایا ہے کہ جو کچھ ہمیں نظر رہا ہے سب ہم کی کرشمہ سازیاں ہیں ہم نے انکو پر شک ڈال دی ہے بیباکتے لگے ایک قطرہ یا ایک صورت میں بہ اس کا نام ہم نے سمندر رکھ لیا اور خراج میں ان چیزوں کا کچھ بچہ خود

رو و سیدائے تنق بست آسماں نامید مشن دیدہ بر خواب بریشاں و جہاں نامید مشن

و ہم خاکے رنجیت در چشم بیباں و یاد مشن قطرہ بگداخت بحر سبکراں نامید مشن

یہ دامن دیر آتش نو بہاراں خواند مشن در غشت آں شہاد ز مستی خزاں نامید مشن

ایک جگہ ایک لطیف تشبیہ کے ساتھ اس خیال کو ادا کیا ہے کہ عالم کے وجود بھی غیر حقیقی کو کتنا حقیقی تصور کیا جائے۔

عالم غبار وحشت بجنوں ہے سرسبز سب تک خیال خرقہ لیلیٰ کرے کوئی

اشعار ذیل میں مختلف اسلوب کے عالم کے وجود بھی درمافی الوافہ کی بے حقیقی کو کس قدر نشیں پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

باز بچہ اطفال سے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب برونما شاہ مرے آگے

اک کھیل ہے اور نگ سیاہاں مے نزدیک اک بات ہے عجیب و میسما مرے آگے

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور جز وہم نہیں صورت اشیا مرے آگے

ذیل کا شعر قدرتی ہے اور اس کے پڑھنے سے شریکی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اسکی نظیر خود غالب کے کلام میں نہیں ملتی۔

ہستی کے مت فریب میں آجاؤ اسد عالم تمام حلقہ درہم خیال ہے
 عالم تمام حلقہ درہم خیال ہے اس مصرعہ کو معانی مختلفہ کے لحاظ سے بار بار پڑھاؤ و مفصلہ کرو کہ کیا برکے
 کے نتیجہ کو اس پر ایک نقطہ کے اضافہ کی بھی گنجائش ہے یا کیا حکمائے مشکین اپنے سائے ادب میں کوئی بات اس سے زیادہ
 جامع اور اس سے زیادہ باوزن دکھا سکتے ہیں؟ اس مفہوم کو کئی جگہ پڑس سے بھی زیادہ صاف کر دیا ہے مثلاً
 یاں کھائیو مت فریب ہستی ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے
 ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے
 علامہ دین غالب ایک نہایت ہی موثر انداز میں حیات انسانی کے وسیع الزوال سونے پر اس طرح توجہ دلاتے ہیں کہ
 ایک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غالب مگر مٹی بزم ہے بس دھن بشر رہنے تک
 متر صدی عیسوی میں یکا نگر تیر ندا سفر برکے نے یہ فریب قائم کیا تھا کہ عالم مادی کوئی قائم بالذات شے نہیں
 مستقل ہستی صرف ذہن کی بے سحر و برباد و حیرت آسمان زمین جتنی اشیاء محسوس کئے ہیں یہ سب ہیں آفرید ہستیاں ہیں
 یعنی ان سب کا وجود ذہن کے ساتھ وابستہ و مشروط ہے اور اگر ذہن فنا ہو جائے تو یہ تمام چیزیں بھی بیاں
 وجود سے محروم ہو جائیں۔ غالب کے کلام کا جو نمونہ اوپر پیش کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حیثیت سے ثابت کر کے
 کا ہمنوا ہے لیکن اس امر کا قائل نہیں کہ مستقل قائم بالذات ہستی ذہن کی بے اس کے عقیدہ میں جو واحد شے قائم
 بالذات ہے نہ نہ رُخ ہے نہ مادہ نہ جسم ہے نہ ذہن بلکہ ان تمام قیود سے محروم ایک ہستی مطلق ہے جو خلق و فنا
 قوانین سے مستثنیٰ ہے جو ازلی و ابدی ہے اور اشیائے عالم تمام تر اس کے منظر ہر میں جیس طرح آفتاب کی شعاعیں کوئی
 عرصہ ہستی نہیں رکھتیں نہ آفتاب سے خلق ہوئی ہیں بلکہ محض آفتاب کی ایک حالت ظہور کا نام میں اسی طرح یہ کائنات
 بھی ہستی مطلق کی ایک طرح کی جلوہ طرزی اور ایک حالت ظہور آرائی ہے یہی عقیدہ ہے جسے صوفیہ کی اصطلاح میں
 وحدت وجود کہتے ہیں حکمائے یورپ میں اسپینوزا اس کا ایک سربراہ اور دہریہ ہو گذر رہے غالب کے کلام میں اس عقیدہ
 کی حیثیات مختلف پیرایوں میں موجود ہے ایک فارسی رباعی میں فرماتے ہیں کہ

اسے کروہ بارائشش گفتار پیچ در زلف سخن کشودہ راہ خم وزیچ

نالہ کہ تو چیز سے دیگرش میدانی نامے ست بسیط و منبسط دیگر وسیع

ایک جگہ بطور تفصیل نصیحت کرتے ہیں کہ جس طرح قطرہ موج، حباب فی نفسہ کوئی شے نہیں بلکہ سمندر یا دریا کے مختلف مظاہر ہیں اسی طرح اس عالم کی اس سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں کہ یہ بھی ذات بسیطہ کے مختلف مظاہر جو وہ ہے

ہے مشتمل نمود صور پر وجود بحر یاں کیا دھرا ہے قطرہ موج و حباب میں

وحدت میں کثرت نظر آنا عین وہم پرستی ہے اور حقیقت شناسی کے مذہب میں یہ کفر ہے

کثرت آرائی وحدت ہے پرست تار پی وہم کر دیا کافر اس اصرام پرستی نے مجھے

بحر موجودات کا ایک قطرہ بزبان حال پکار دیا ہے کہ ہم اس بحر بیکریں (ہستی مطلق) کے ایک جزو ہیں

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر ہم اسکے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

جس طرح ذرہ کی چمک کا صرف نور آفتاب پر منحصر ہے اسی طرح ہمارا وجود ہستی مطلق کے وجود پر مبنی ہے

ہے تجسسی ترمی سامان وجود ذرہ بے پرتو نور شدید نہیں

اگر انسان نگاہِ نکتہ رس کھنا ہو تو ممکن کہ اپنی بے حقیقتی اور وجود ہستی مطلق پر مبنی ہونے کا اسے علم نہ ہو

قطرہ میں جاہ دکھائی دے اور جزو میں کل کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بیٹا نہ ہوا

چونکہ بحر ایک ذات بسیطہ کے اور کوئی شے موجود نہیں ہے اسلئے انسان دنیا کی دیگر مستقل ہستیوں میں

جس قدر کھنچ کر تار بے انتہائی اصل حقیقت سے بیگانہ ہوا جاتا ہے

انت ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بند ہے جتنا کہ وہم غیر سے ہواں بیچ و تاب میں

غائب کو، پیر حیرت ہے کہ جب سارے عالم میں ایک ہی ذات موجود ہے اور تماشا اور تماشا کی دونوں

ایک ہیں تو مشاہدہ کے کیا معنی ہیں کیونکہ مشاہدہ دو چیزیں (مشاہد و مشہود) چاہتا ہے

اصل مشہود و مشاہد ایک ہے حیران ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

ایک و مروج پر شا عراندہ بالغہ کے ساتھ اس عقیدہ میں اس قدر غلو سے کام لیا ہے کہ وجود عالم سے تعلق انکار

کر بیٹھے ہیں غلط ہے کہ لوگ عالم کو معشوق حقیقی (مشاہد ہستی) مطلق کی مکر قرار دیتے ہیں در معشوق کی مکر چونکہ

مردم ہوتی ہے اسلئے یہ بھی محذور ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ طرز تبصرہ بھی درست نہیں اسلئے کہ یہ کہتے ہیں کہ

”عالم مردم ہے ہم اس سبب لفظ ہے استعمال کرتے ہیں جو پھر بھی ایک کلمہ اسباب ہے۔ حالانکہ ایک

معدوم محض شے کے متعلق اس حد تک بھی ایجابی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

شاید ہستی مطابق کی کمر ہے عالم لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں
نفس الامر کے لحاظ سے ہر شخص "انا الحق" کہہ سکتا ہے لیکن اس راز کو برسر عام کہنا تنک ظرفی ہے
ظہر انیا بھی حقیقت میں ہے دیا میسک ہم کو تقاید تنک ظرفی منظور نہیں
اگر ہم کو دنیا میں کسی شے سے وابستگی نہ ہو تو کسی چیز کے ترک کا غم بھی نہ ہوگا مرزا فرماتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے
ہیں کہ خزاں کا منہ نہ اٹھائیں تو بہار کی خوشی بھی چھوڑ دیں۔

شادی سے گذر کہ غم نہ ہو دے ^{الذی} جو نہ ہو تو دے ^{موسم بہار} نہ ہو دے
اس خیال کی تصدیق روزمرہ کے تجربات سے بھی ہوتی ہے ایک کام جو آغاز عمل میں نہایت تکلیف دہ ناگوار معدوم ہوتا
ہے عادیانے کے عادتہ رفتہ خوشگوار محسوس ہونے لگتا ہے مرزا چٹائی نے اس کام تجربہ کو پیٹھ سادھے طور پر نقل کیا کہ دیا ہے
رنج سے خوگر پڑا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج شکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں
اس کے ہم معنی یہ مہر عہ ہے عذرد کا حد سے گزرنا ہے واپس جانا اور ہماری زباں میں بطور ضرب المثل مستعمل ہے
اس محول کی بنیاد پر ایک دانشمند کا ترک لذت و خواہشات ہونا چاہیے تاکہ ان کے بہم نہ پہنچنے کا رنج اسے کبھی
نہ برداشت کرنا پڑے۔ مرزا اس طرز زندگی کو حقیقی جنت سے تعبیر کرتے ہیں۔

غائب روشن مردم آزاد و جدا است رقتار اسیران رہ و زوا جدا است
ترک مراد دارم سے دایم و ان باغچہ قسطنطنیہ شہاد جدا است
ترک لذت کا پہلا مقدمہ ترک تعلقات ہے شان حبس وقت تک اہل و عیال کی پابندیوں میں گرفتار ہے جسے نہیں کہ
سابقہ دنیوی سے آزاد ہو سکے غالب نزدیک انسان اپنے پاؤں سے انہی بیڑوں کا ٹٹنا حاصل منشاء عبادت ہے یہ
راخا کہ دلم بر ہم در بند نہ بود باہیچہ علاقہ سخت پیوند نہ بود
مقصود من از کعبہ و آہنگ صفر جز ترک دیار و زن و فرزند نہ بود
رنج و راحت دوست و اندام و نواں جنیریں سب یکساں طور پر بغیر حقیقی ثابت ہو چکیں تو امر کی سخت اور
مفسوں کی حسرت مساوی درجہ کی غلطیاں ہیں غالب کو ان دونوں کی حماقت پر ہنسی آتی ہے

آں چرا در طرب و این زچہ رود در توب است خندہ بر غفلت در ویش و تو نگر در دم
 ہر دولت وغیرہ کی بنا پر تو غرور کرنا نہایت ہی کم طرفی ہے لیکن اس کے اونچے درجہ کی چیز نہایت مذہب کی باتیں
 اچھے اچھے عیسیم یافتہ و یا اخلاق افراد مناقشات میں مصروف رہتے ہیں اور بجائے خود یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ صفت
 انہیں حیات حق میں ہو، لیکن غالب کے اعلیٰ نقطہ خیال سے کفر یا دین کی پابندی بھی محض ایک عصبیت کا ثمرہ
 ہے جس سے آزاد ہونا ہی عین حقیقت ہے۔

کفر و دین چلتی جڑ آلاش پنہ اور وجود پاک شو پاک کہ ہم کفر تو دین تو سوز
 غالب کو اگرچہ دنیا کی بے ثباتی اور اشیائے عالم کے اضافی ہونے کا انتہائی یقین ہے تاہم وہ ترک دنیا کی تعلیم نہیں دیتا
 یہ سچ ہے کہ اس کے کلام میں کہیں کہیں بڑے بڑے خیالات لگتی ہیں لیکن ایسے شعرا انسانی طور پر اس کے کلام میں گئے ہیں وہ انکی
 تعلیم یہ ہے کہ دنیا ہی میں ہے کہ عدالت دنیوی سے آزاد ہونا چاہیے دنیا میں جو لذتیں اور نعمتیں ہیں ان کے لطف اٹھاؤ
 مگر انکے ہی ہرگز نہ رہ جاؤ۔ شکر پر بیٹھنے والی مکھی کا سطر نقیر کھو کہ جب تک چاہتی ہے شکر کھاتی رہتی ہے اور
 جب چاہتی ہے اڑ جاتی ہے لیکن شہر پر بیٹھنے والی مکھی نہ ہو جسکے بال دپرس میں پھنس جاتے ہیں اور اڑ نہیں سکتی۔
 درد ہر فرد و رفتہ لذت تہواں باد برقت نہ بر شہد نشیند نفس ما

انسانی سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ ہوا اور ہوس کا ایسے ہونے سے اس کے نفس میں یا کسی کیفیت مستقل پیدا ہو جاتی
 ہے جو ہمیشہ اسے لذت کے اعادہ کی خواہش کرتی رہتی ہے اور انسان ہمیشہ انہی خیالات میں مستغرق رہتا ہے کہ کسی نہ
 کسی طرح اس لذت پر اور لذت کا اضافہ ہو جائے اور یہی وہ شے ہے جو سکون خاطر کیلئے رہنمائی کا حکم رکھتی ہے۔
 اس سے انسان رفتہ رفتہ نفس پرست اور نفس پرور ہو جاتا ہے مگر اس شخص کی زندگی قابلِ رخصت ہے کہ جسے اپنے
 نفس پر متاع و محال ہو کہ وہ جب چاہے لطیف لذت سے بہرہ مند ہو اور اپنے آپ کو اس کا علوی بنائے اور نہ ہی اس لذت
 کا ترک کرنا اس کے لئے ناگوار خاطر ہو اس قسم کا شخص جو چاہے کہ یہاں ہے مگر اس کے خیال میں بے تعلق زندگی کا تقدیر مشرور ہے
 اگر بہ دل خنساں ہر چہ از نظر گذرد زہے روئی عمر کے کہ در سفر گذرد

جو لوگ تعلق دنیوی سے تنگ کر خلوت نشین ہو جاتے ہیں غالب انہیں نصیحت کرتے ہیں کہ اگر تمہیں وحشت و بیگانگی ہی
 اختیار کرنا ہے تو اپنے نفس سے کیجئے اور گر بھاگنا ہی مد نظر ہے تو خود اپنی ذات سے بھاگئے۔

وارستگی ہسانہ بیگانگی نہیں اپنے سے کرنے غیر سے وحشت ہی کیوں نہ
 غالب فلسفہ گرچہ بادی النظر میں تہایت آسان نظر آتا ہے لیکن اپر عمل کرنا نہایت مشکل ہے غالب خود اس کا
 قرار کرتے ہیں اور ایک جگہ یہ قبیل استعارہ فرماتے ہیں کہ میں نے جس وقت سے دنیا کی بے حیثیتی کو دیکھ پایا ہے اس وقت
 سے براہ ترک تعلقات میں مصروف ہوں لیکن صفائی باطن کی نظر سے لکھا جائے تو ابھی ابتدائی منزل میں ہوں سے
 یک الفت بیش نہیں صفتل آئینہ ہنوز چاک کزنا ہوں میں جب سے کہ گریباں اپنا
 عادی اصلی فلسفہ غم و مسرت اگرچہ یہی ہے جو بعض مثالوں سے واضح کیا جا چکا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی وہ اس بات کا
 متفق ہے کہ انسان کیلئے یہ عمل بالکل ناممکن ہے کہ وہ اس عالم میں رہتے ہوئے غم و الم سے نجات حاصل کرے اور یہ قصیدہ
 حوادث عالم کا نہیں بلکہ خود حضرت انسا کا ہے جو اپنے لئے خود بخود ایسے بنا ہوا ہے جو اس کیلئے رنج و غم
 کا سبب نہیں ہے

نقص و دام را گناہ ہے نیست ریختن در نہاد یال و پورا است
 جس طرح کہ شمع کی روشنی اور اس کا جلنا لازم و ملزوم ہے اسی طرح علی حیثیت سے حیات انسان اور غم بھی مترادف
 ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ انسان زندہ ہوئے لیکن رنج و غم میں مبتلا نہ ہو غالب اس معنوی کو یوں رد کرتے ہیں کہ
 فیہ حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟
 اگرچہ انسان کی موجودہ زندگی گونا گون مصائب کا مجموعہ ہے اور طرح طرح کی انقباضات کی حامل ہے تاہم غالب مطمئن
 ہیں کہ خرد و معرفت ان اشیاء کے چہرے سے نقاب اٹھ کر دیکھیں اور فنا کے کثرت سے عدت کا ظہور ہو گا اس لئے
 حیات موجودہ پر مسرور ہونا چاہیئے اور اسے غم سے خوشی گزار دینا ہی بہتر ہے۔

شاد باش ایسے دل دریں محفل کہ ہر جہ نغمات شیون رنج و فراق جان و تن خواہ شدن
 ہم فروغ شمع ہستی تیرگی خوابد گرید ہم بساط بزم مستی پر لیکن خواب شدن
 گرد بند روح و خود از رنگد خوابد نشست سحر قہر عیانی موجزن خوابد شدن
 ان تمام امور مسلم ہو چکے کے بعد کہ عارف ایک ہستی کو مہموم ہے۔ فانی ہے۔ غیر حقیقی ہے ایک ہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے
 کہ پھر نہ ہب کی کیا حقیقت ہے لیکن یہ یہ سوال زمین یہ شجر و حجر انتاب و تہمت کے سب ہستی وجود رکھتے ہو لیکن

حشر و نشر، خوش و خشت، میزان و صراط جتنے خارج میں موجود سمجھنے پر مذہب کی تہذیب نے نہیں کس طرح ذہنی بنیاد
کیا ہو سکتا ہے غائب میں ال کا جواب نہایت بنیاد پر ہے یا ہے اور حد درجہ کی جرأت آزادی کو کام میں لانے میں اور بھی
ایک سچے فلسفی شاعر سے قطع کیا ممکن تھی نہایت بیباکی اور پامردی کہتے ہیں کہ خوش و خشت سے یہ مراد نہیں کہ واقعی خارج میں
اس کا کوئی وجود نہیں جس میں گندگاروں کو دھکیلا جائیگا بلکہ اس جو غرض ہے وہ یہ کہ لوگوں میں تہذیب نفس پیدا کی جائے ایچ
لوگ معتقدات مذہبی کے لحاظ سے مانیں وہ اسکے دوسرے اخلاق کی حد سے متجاوز نہ ہوں گے

اسے زیادہ بر باد عمر درہم و نفوس زہن ساز شود زہنت حق مایوس

ہشدار کز آتش جہنم حق را تہذیب غرض بود نہ تہذیب نفوس

وہی تہذیب بہشت کی ہے کہ اس کا اعتقاد رکھنے سے سکون قلب حاصل ہوتا ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت غائب دیکھنے کو لیکن یہ خیال چاہے

معبود حقیقی کا وجود سرحد عقل سے نہایت دور و بعید ہے اور جو اس ادراک کی پرواز سے بہت ہی بلند و بالا

ہے یہاں کعبہ غیرہ جس کی پرستش کو عام لوگوں نے مقصود بالذات خیال کر رکھا ہے عقلمندوں کی نظر میں محض سیلاب آفات کی

جہنت دیکھنے میں جکی معرفت انسان عرفاں حقیقت کی منزلوں کو طے کرتا ہے

ہے یہ سرحد ادراک سے اشد مستحکم تباہ کو اہل نظر قدیمہ کہتے ہیں

بہشت و خشت کا عقیدہ اگر عوام کو پائیدار عقیدہ بنائے کیلئے ایک بہتر میں محکم ہے تاہم غائب لفظ خیال سے اس میں نقص ہے

کہ اس غائب کی بنیاد بر غائب و غائب پر رکھی گئی ہے اور غائب یہ ہے کہ یہ عیار اخلاق نہایت کمزور ہے غائب کی رائے میں

آخرت کا عقیدہ دفن ہو جائے تو ہم ہمیز گا۔ لوگوں کی نیت میں زیادہ خدا میں اور سچائی پیدا ہو جائے اور ہوس جو رہتا

غلط اور غائب جام کو تراوے اور زوئے عیش بالکل فنا ہو جائے

لذت میں تباہی نہ کے و جہنم کی لاگ زور غائب ڈال دو کوئی۔ یہ کہ بہشت

غائب کا کام میں خود داری استغناء کی تعلیم بھی نہما بطور پر موجود ہے، حریف تباہ اور طمع ملاؤں کہ بہشت

جنت خیال سے خوش نہیں ہوتے ان کے فلسفیانہ نکتہ خیال نے بہشت کی جو تصویر پیش کی ہے وہ کئی طور پر

کے برعکس ہے جو خشک و باطن فریب زدانہ عوام کی ذہنیت میں بٹھا رکھی ہے

سناش گرہے ابد مقدر جس باغ رضواں کا :۔ اک گلہ سہ ہے ہم بخودوں کے طاق نسیاں !
 غائبان لوگوں سے سخت نفرت اظہار کرتے ہیں بنوں نے عبادات و طاعات کو عیش و دام کا ذریعہ ٹھہرا رکھا،
 غائب کی حقیقت شناس نفروں میں تنہم کے تمام لوگ حادرجہ نفس پرست اور لالچی واقع ہوئے ہیں غالب نظر یہ ہے
 کہ تمام عبادات و طاعات محض تعمیل احکام ربانی کے خیال سے ہوتی چاہئیں جزا کی توقع رکھنا اور صورت اس
 خیال سے عبادت کرنا سرسر کم فہمی اور جہالت ہے بلکہ سب سے بڑی معیشت جو نفس انسانی کے لئے ہو سکتی ہے
 وہ یہی توقع جزا ہے ۔

کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ ربانی یاداش عمل کی طبع خام بیت ہے
 اسی دشمنوں پر حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :۔
 حافظہ وظیفہ تو دعا گفتن است و بس در بند اس میاش کہ تشنہ یا نشید
 علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اس حقیقت کو یوں ادا فرمایا ہے ۔

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے اسے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑے

متصوفین کے نزدیک اپنی ہستی کا اقرار اور اپنے وجود کا موجد و ہونا سمجھنا صانع حقیقی کی معرفت
 کے راستے میں سداً مسدود ہے جب تک کہ وہ حجب اکبر و دور نہ ہو حقیقی واسرار کا ظہور ناممکن ہے ۔ ان
 کے نزدیک سب سے بڑا بات یہی ہے جس کا نور ظاہر ساکات و کیلئے لابدی و ضروری ہے غالب نے اس حقیقہ
 کی انیسوں الفاظ سے کی ہے ۔

ہر چند پاک ست ہے بت شکنی میں ہم میں تو ابھی راہ میں ہے خاک گاہ اند
 حضرت مولانا ارم رحمۃ اللہ علیہ اس خیال کو یوں ادا فرماتے ہیں ۔

یہے بوا سدا رہی تو در خیانت مہ شو دست تو تایت موباشد از تویش چشم در خیانت گوہر بامد چشم
 چشم را آنکہ شناسی از گھر کز خیال رخد گئی کلی گند

دنیا کی بے ثباتی اور جہان کی زود رفتاری کے متعلق بڑے بڑے شعرا نے نہایت مؤثر و عبرت خیز
 مضامین باندھے ہیں لیکن غالب نے اس قطع میں جس کا مطلع یہ ہے ۔

لے تازہ واروان بساط ہوائے دل زہر اگر تمہیں ہو بس ناؤ نوش ہے
جس ترور دروانگیر طریق سے اس جہان کو ن فساد کی رو و فساد اور اسکے عیش و عشرت سے بے ثبات ہونے
کو بیان کیا ہے وہ آپ اپنی نظر ہے ایک ایک شعر پڑھتے جائیے اگر آپ وقیہ سلیم درو جان صحر سے بے بہرہ
ہیں تو ان کے اثرات اپنے قلب دماغ میں ملاحظہ فرمائیے۔

غالب کے عقیدہ کے مطابق انسان کا دل کبھی آرزو سے خالی نہ ہونا چاہیے کیونکہ آرزو ہی ایک ایسی
کیفیت ہے جس کے ذریعہ سے انسان اپنے تمام مقاصد کو چاہے وہ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ حاصل کر سکتا ہے اور
آرزو ہی سے انسان کی طبیعت میں جو ہر شجاعت و استقلال پیدا ہوتا ہے اور عدم آرزو کی صورت میں
بزدلی و کم ہمتی۔ اور اگر سچ پوچھو تو تمام انسانی زندگی کا سرمایہ ہی آرزو ہے۔
نفس نہ بخشن آرزو سے باہر کھینچ اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ

اشعار بالا کے علاوہ اور بہت سے اشعار ایسے ہیں جن کے مفہوم پر جس قدر غور کیجئے گا۔ اسی
قدراں کی خوبیاں دریافت ہوتی جائیں گی اس کے علاوہ مرزا کا کلام شاعری کے عام محاسن کے اعتبار
سے بھی ممتاز نظر آتا ہے عاصیہ مذاق اور متنبہ لہجہ اور فی الفاظ نیز فحش و ریحو سے مرزا کا کلام
بالکل پاک ہے مرزا کی شاعری جہاں فلسفیانہ ہے وہاں عاشقانہ بھی ہے لیکن ان کے نزدیک عشق کا
مضمون بالہو ہی نہیں اس لئے ان کے خیالات میں وراثت اور طبیعت کے بجائے ممانعت اور شائستگی
کی ایسی شان موجود ہے جس کی مثال مولانا حسرت سے نزدیک شعرائے لکھنؤ کے کلام میں ناپیدا در
متاخرین شعرائے دہلی کے کلام میں گمیا ہے بقول ڈاکٹر عبدالرحمن: "اس رباب پر دست قدرت
نے سارے شہر ایک ایک کو کے بجالائے ہیں اور دیوان غالب انہیں شہروں کی ہڈیاں بازگشت ہے"
زخم بر تار رگ جاں سے زخم کس چہرہ اندتا چہرہ دستان سے زخم

پروفیسر محمد عنایت اللہ ایم۔ اے

لاہور

الحمد لله رب العالمین

نور

۱۔ نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا ۱ کا غدی ہے پیر من ہر سیکر تصویر کا
 کا وکھا و سخت جانی ہائے تنہائی نہ بوجھ ۲ صبح گزنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
 جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہئے ۳ سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
 آگنی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھاٹے ۴ مدعا عتقا ہے اپنے عالم تقصیر کا
 بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا
 میرے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

شرف مصنفین عام طور پر آغاز کتاب میں خدا کی تعریف کرتے ہیں لیکن اردو شاعری کے مجدد اعظم
 میرزا غالب نے اس دستور قدیم میں ایک خاص جدت پیدا کی ہے اور حمد و ثناء میں ایک عجیب
 شاعرانہ انداز اختیار کیا ہے اور ذات باری کے لئے لفظ نقاش کا استعمال کیا ہے اور خالق و
 مخلوق کے رشتہ کو نہایت صفائی، خوبی اور فلسفیانہ طریق استدلال سے واضح کیا ہے معلوم ہوتا
 ہے حق تعالیٰ کی تعریف کیا یہ انداز میرزا غالب نے حضرت میرانا ماروم علیہ الرحمۃ کے تتبع میں
 اختیار کیا ہے۔ تصویر ایک ہی ہے صرت رنگ و روغن مختلف ہیں۔

”بشنواز کے چوں حکایت می کن: وز جہانی ہاشکایت می کند
 کز نیتاں تا مرا بمبید ۱۵: از نفیرم مرو وزن تالیب دنا

شعر (۱) میرزا غالب ایک خط میں خود اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایران میں رسم ہے کہ داغ و گداز کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جانا ہے جیسے عقل دن کو جانا یا خون آلودہ کپڑا بانس پر شکا کر کے جانا۔ اس شعر خیال کرتا ہے کہ نقش کس کی شوخی تھوہر کا فریادی ہے جو صورت تصویر ہے اس کا پیر میں کاغذی ہے یعنی ہستی اگرچہ شکل تصاویر کا عیاں محض ہو موجب رنج و ملال اولاً آزار ہے ۲: دعوہ ہندی ۱

حاصل شعر کا یہ ہے کہ ہستی خواہ وہ کسی شے کی ہو باعث رنج و ملال ہے۔ حتیٰ کہ تھوہر تک جو صورت ایک ہستی محض ہے اپنے صانع کی زبان حال شریکیت کرتی ہے کہ مجھ کو ہیئت کر کے کیوں بتلائے رنج ہستی کیا۔

شعر (۲) کا بکا دراز کا ریدن۔ کھوڑنا نقص تجسّس مراد تکلیف و محنت، یعنی خیمائے جدائی کا کاٹنا دیباہی شکل ہے جیسکہ فراد کیلئے جوئے شیر کالانا تھا۔ صبح کی سفیدی اور جوئے شیر میں مشابہت ظاہر ہے۔

شعر (۳) جذبہ کشش۔ شوق۔ شوقِ قتل۔ دمِ شمیر۔ تلوار کی دھار مطلب یہ ہے کہ عاشق کے شوقِ شہادت کی کشش کا اثر یہ ہے کہ دمِ شمیر پیدا نہ شمیر سے باہر نکلا پڑتا ہے۔

شعر (۴) انگلی، عقل، سمجھ، جستجو، مطلب یہ ہے کہ ہماری تقریر ایسی ہے کہ اس کے مفہوم تک عقل و فہم کا پہنچنا و شہار ہے اور عقل ہمارے مفہوم کے احاطہ سے قاصر ہے۔

شعر (۵) آتش زیر پا، محاورہ ناہی میں بیقرار ہونے کو کہتے ہیں، بولے آتش دیدہ۔ ۱: بال بواگ کی گرمی سے حلقہ دور اور کمزور ہو گیا ہوا اور اس میں حلقہ زنجیر کی مشابہت پیدا ہو گئی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں اسیری کی حالت میں بیقرار ہوں اس واسطے میرا حلقہ زنجیر بولے آتش دیدہ کی مانند کمزور ہو گیا ہے۔ یعنی حلقہ ہائے زنجیر کی مضبوطی کی بھی کچھ ہستی نہیں ۲

۱۲۱ جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار ۱ صحرا مگر بہ تسنگی چشم سودوتا

تسنگی نے نقش سودید کیا درست ۲ ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دُر تھا

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ ۳ جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سودوتا

لیتا ہوں مکتب غم دل میں سبق ہنوز ۴ لیکن یہی کہ رفت گیا اور بوجھ تھا
 ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی ۵ میں ورنہ ہر لباس میں ننگ بیہود تھا
 نیشہ بغیر مر نہ سکا کوہن اسد
 سرگشتہ خسار رسوم و قیود تھا

شعر (۱) تیس، ایلی کا عاشق جو مجذوب کے لقب سے مشہور ہے۔ بروئے کار آنا۔ ظاہر حوتا، نمایاں ہونا۔
 تہنگ چشم حور۔ حور کی آنکھ کے مانند ننگ چشم حور کی تہنگ مشہور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شاید محراب بھی چشم حور
 کی مانند ننگ تھا۔ کہ سوائے مجذوب کے محراب و رومی عشق کا کوئی مرد مہمان نہ نکلا۔
 شعر (۲) اشغل۔ پریشانی۔ سویدا۔ دل پر ایک سیاہ داغ۔ سویدا کو داغ سے اور اشغل کو درد و غم سے
 تشبیہ دی ہے۔ مقصود شاعر یہ ہے کہ جس طرح دھوئیں سے داغ پیدا ہوتا ہے اسی طرح پریشانی کے دھواں
 سے دل میں داغ سویدا کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

شعر (۳) شاعر کہتا ہے میرا خیال عالم خواب میں تجھ سے کچھ معاملہ کر رہا تھا لیکن آنکھ کھلتے
 ہوئے تمام طلسم ٹوٹ گیا نہ نقصان باقی رہا نہ خائندہ۔
 شعر (۴) غم دل یعنی غم عشق۔ مطلب یہ ہے کہ مکتب غم میں میرا سبق یہ ہے کہ رفت گیا اور
 بوجھ تھا یعنی زمانہ عیش کبھی تھا اور اب جاتا ہوا۔ (طباطبائی)

مولانا حسرت اس شعر کے معنی یوں بیان فرماتے ہیں: "یعنی ہنوز مبتدی ہوں جس طرح لڑکے پہلے
 آٹا نامہ پڑھتے ہیں کہ رفت کے معنی گیا اور بوجھ کے معنی تھا وغیرہ۔ لطف یہ ہے کہ رفت و بوجھ دونوں
 ماضی کے صیغے ہیں جس سے مطلب یہ ہے کہ دل عیش و فراغت سے بالکل محروم ہے۔"
 شعر (۵) یعنی موت ہی نے عیب برہنگی کو مٹایا ورنہ میں ہر لباس میں ننگ ہستی و بوجھ تھا
 ننگ و بوجھ ہونے کو برہنگی سے تعبیر کیا ہے۔ داغ عیوب برہنگی سے مراد فقدان محاسن ہے۔

شعر (۶۱) سرگشتہ حیران۔ تیشہ بکھاری مطلب یہ ہے کہ کوہن یعنی فرہاد (عاشق نیرس) تیشہ مار کر مراد موت حقیقی نہیں اگر اس کی بخت کامل ہوتی تو وہ خود کشی کا مرتکب ہوتا بلکہ فوراً غم سے اس کی موت ہو جاتی عشق میں مصنیعات کا دخل خاموشی عشق کی دلیل ہے۔ بکھاری مارنا ایک رسمی فعل ہے اس نے فرہاد کو سرگشتہ رسوم و قیود کہا۔

دس، کتنے ہونہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا ۱ دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے نہ پایا

عشق سے طبیعت نے زلیت کا مڑا پایا ۲ درد کی دوا پانی درد لا دوا پایا

دوست دار و دشمن ہے اعتماد دل معلوم ۳ آہ بے اثر دیکھی تالہ نار سا پایا

سردگی و سرکاری بخودی و ہستیاری ۴ حسن کو تو دل میں حُرأت آزما پایا

غنیہ پھر رگ کھلنے آج ہم نے اپنا دل ۵ خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

حال دل نہیں معلوم مگر اس قدر یعنی ۶ ہم نے بار بار دھونڈا تم لے بار بار پایا

شہر پیدنا صبح نے زخم پر نمک چھڑکا ۷ آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا فرمایا

شعر (۱) یہ کہتے ہو کہ اگر تمہارا دل میں پڑا ہم کو مل گیا۔ تو پھر ہم نہ دینگے۔ ہمارے پاس دل کہاں

ہے ہم اس کو ہم کریں ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے کہ آپ نے ہمارا دل پایا ہے اور یہ باتیں کہ ہم دل پائیں گے

نہ دینگے یہ دل پالینے کے بعد کی ہیں اور یہ تمام گفتگو میرے چھڑنے کی غرض سے ہے۔

شعر (۲) زندگی بغیر عشق کے بے کیف تھی اس سے مجھے کیف زندگی نصیب ہوا یہ میرے درد

کا دوا ہے مگر یہ عشق خود درد لا دوا ہے۔ مگر جالے عشق تو دل سے دے لے لے طبیعت علتمائے دل اور

شعر (۳) ہمارا دل دشمن و معشوق اکا دست ہے اس لئے اس کی ہر آہ بے اثر اور تالہ نار ہے۔

شعر (۴) غالب کا یہ شعر شاعرانہ کی جان ہے حضرت بخودی و ہستی اس شعر کے متعلق تخریر فرماتے ہیں: اس

شعر میں جیسے نشستہ الفاظ کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ مطلب شعر یہ ہے کہ اہل حسن کو ظاہر سادگی سے غرض

ہوتی ہے کہ عشاق کی جرات کا امتحان کریں اور عشاق کا دل دیکھیں اس قسم کی سادگی کو درحقیقت پرکاری (ہوشیاری) اور بخودی یا غفلت کو ہشیاری خیال کرنا چاہیے۔

شعر (۱۵) غنچہ اور دل کی تشبیہ عام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا دل جو خون ہو کر آنکھوں کے رستے ٹپک گیا تھا اور اس کا کس نشان نہ ملتا تھا آج میں نے اسی دل کو پایا یعنی یہ غنچہ گل جو فصل بہار میں نکلنے ہوا ہے ہمارا دل ہی تو ہے جو موسم خزاں میں خون ہو گیا تھا۔

شعر (۱۶) ہم نے دل کی حالت سے واقف نہیں صرف اس قدر معلوم ہے کہ ہم نے اس کو اکثر ڈھونڈا، لیکن ملا نہیں مگر برخلاف اس کے تم نے اسے بارہا پایا لیکن کچھ پروا نہ کی۔

شعر (۱۷) ناصح کے شور و نصحت نے میرے دل کے زخموں پر خوب نمک چھڑکا۔ کوئی آپ بیتی ناصح سے پوچھے کہ آپ کو اس نمک چھڑکنے سے کیا مزہ حاصل ہوا۔ شور، نمک، مزہ وغیرہ میں تناسب لفظ بھی ہے۔

(۱) دل مرا سوز نہاں سے بے تحاشا جل گیا ۱ آتش خاموش کے مانند گویا جل گیا

دلیں بوق وصل یادیاں ترکاتی نہیں ۲ آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھاجل گیا

میں علم سے بھی کپے ہوں رہتا غافل رہا ۳ میری آہ آتش سے بال غنجا جل گیا

عرض کیجے جو پیراندیشہ کی گرمی کہاں ۴ کچھ خیال نہ تھا وحشت کا کہ صحر ا جل گیا

دل نہیں سمجھو دکھانا اور نہ داغوں کی بہا ۵ اس چراغاں کا کہوں کیا کارفرما جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو تھا لب کے دل

۶ دیکھ کر طرزِ تپاک اہل دنیا جل گیا

شعر (۱۸) میرا دل سوز نہاں آتش عشق سے چپکے چپکے اس طرح جل گیا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی جیسے

کہ آتش خاموش یعنی سستی ہوئی آگ آہستہ آہستہ جل جایا کرتی ہے۔ بعینہ دلی ہی حالت ہوئی سوز نہاں اور

آتش خاموش نہایت مناسب لفظ میں اور بے صحایا سے مراد بامیں و پیش بخوف مجازاً ایک لخت۔

شعر (۲) آگ سے مراد آتش عشق ہے جس نے دل و جگر کو جلا ڈالا اپنے ذوق وصل پاتی ہے
 نہ یاد دوست۔ مولانا طباطبائی آگ سے آتشِ رشک مراد لیتے ہیں اور فرماتے ہیں رشکِ رقیب کی آگ ایسی
 تھی کہ معشوق کو دل سے بھلا دیا اور اس کا غیر سے ملنا دیکھ کر ذوق وصل جاتا رہا۔ گھر سے مراد دل ہے۔
شعر (۳) اپنی قیمتی کی حالت کو رنگ آمیزی سے بیان کیا ہے مطلب یہ ہے کہ میں اب عدم سے بھی
 آگے ہوں۔ ورنہ جب میں فنا کے عالم میں تھا تو بارہا میری آتشیں آہوں سے بازوئے عفتا جھل گیا۔ اس شعر
 میں غافل سے مراد وہ لوگ ہیں جو انسانی مراتب کی ترقی سے واقف نہیں۔

شعر (۴) عرض کیجے۔ پیش کیجے۔ جو ہر اندیشہ مراد خیال و فکر۔ گرمی، سوز و گداز مطلب ہے
 کہ میں اپنے خیال و فکر کی گرمی کہاں بیان کر سکتا ہوں۔ فقط دشتِ نوردی کا ذرا خیال ہی کیا تھا کہ
 صحرا میں آگ لگ گئی۔ وحشت کی حالت میں صحرا نوردی کی فوجت ضرور آتی ہے لیکن ارادہ دشت میں
 اس بلا کی حدت مستور تھی کہ خیالِ دشت سے صحرا جلنے لگا۔

شعر (۵) کار فرما معتمد، بنایا ہے اور دل کے داغوں کی تشبیہ چراغاں سے کی ہے مطلب یہ
 کہ دل ہی جو داغوائے عشق کی بسا رہا کار فرما تھا نہیں ہا ورنہ اگر وہ ہوتا تو میں تم کو ان افقوں کی بھاد کھاتا
شعر (۶) افسردگی، یالوسی، طرزِ تپاک، برتاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ اہل دنیا کا سلوک دیکھ کر بھائے
 شکستہ خاطر ہونے کے روکھے پن اور یالوسی کی طرتِ دل مائل ہے کیونکہ اہل دنیا کا برتاؤ دوستانہ
 نہیں بلکہ منافقانہ ہے یہ شعر سوسائٹی کی تنقید ہے۔

(۵) شوق ہر رنگِ قییب ہر سماں نکلا ۱ قیس تصویر کے پڑے میں بھی عریا نکلا
 زخم نے دادندی تنگی دل کی یارب ۲ قیر بھی سینہ سہل سے پوٹشاں نکلا
 بے گلِ نالہ دل دور چراغِ محفل ۳ جو تیری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا
 دلِ حسرت زدہ تھا ماندہ لذتِ درد ۴ کام یاروں کا بقدر لب ونداں نکلا

اے نو آموز فنا ہمت دشوار پسند ۵ سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نہ لگا

دل میں پھر گر یہ نے اک شور اٹھایا غالب

۶ آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سوطو فناں نکلا

شعر (۱۱) شوق یعنی عشق۔ رقیب۔ دشمن۔ مطلب یہ ہے کہ عشق ہر حالت میں سر و سامان دشمن ہے
رہیہ رقیب (مجنوں) کی تصویر بھی عریاں رہی ہے کبھی۔

شعر (۱۲) میرزا غالب اپنے اس شعر کے معنی اپنے ایک خط میں یوں تحریر فرماتے ہیں: "یہ ایک
بات میں نے اپنی طبیعت سے نکالی ہے جیسا کہ اس شعر میں ہے

نہیں ذریعہ راحت جو راحت پر کیاں وہ زخم تیغ ہے جبکہ کہ دلکش کیے

یعنی زخم تیر کی توہین سبب ایک سخن ہوئی ہے اور تلوار کے زخم کی تھیں سبب ایک طاق کے کھل جانے سے
زخم نے داد نہ دی تھی دل کی یعنی تھی دل کو دور نہ کیا۔ پُر افشاں بمعنی بدلتا یا دور یہ لفظ تیر کے فنا جان
معنی یہ کہ تیر تھی دل کی داؤ کیا دیتا ہے وہ تو خود ضیق مقام سے گھبرا کر پُر افشاں و سرسبز کیا گیا۔ جو ہنسی

شعر (۱۳) تیری محفل سے جو کوئی بھی نکلتا ہے وہ پریشان ہو کر نکلتا ہے۔ پھول کی خوشبو۔ دل
کی فریاد اور شمع کی محفل کا دھواں وغیرہ ہوا سے پریشان نہیں ہوئے بلکہ تیر در محبت کی بنا پر سرگرداں ہیں

شعر (۱۴) مائدہ بمعنی دسترخوان۔ لذت درو۔ لطف عشق۔ مطلب یہ ہے کہ میر کے درد دل کے
دسترخوان یعنی میر کے شعور سے بقدر ذوق و فہم احباب کو لطف نصیب ہوتا ہے۔ "بقدر لب و مذاں"
سے مراد استعداد و اہلیت ہے۔

شعر (۱۵) ہمت دشوار پسند موصوف اور نو آموز فنا اس کی صفت ہے شاعر اپنی ہمت مخاطب کو
ہے اور کہتا ہے اے ہمت دشوار پسند درس فنا نہایت مشکل تھا مگر تو نے بہت آسانی سے اس سبق کو حاصل کیا
گویا تیرا سبق اول درس فنا کٹر احاطہ کا ہے درس فنا آخری سبق ہو گا اب تیرے فنا سے بھی بالاتر کوئی مرتبہ

چاہئے کہ یہ تکرار سے لے کر ایک آسان مرحلہ ثابت ہو۔

شعر (۶) مطلب یہ ہے کہ رُسنے میں جو میں نے کچھ ضبط سے کام لیا تھا اور کوئی قطرہ میرا نکھلا
میں باقی رہ گیا تھا وہ قطرہ دل میں پھر ایک شور برپا کر رہا ہے گویا نہ نکلنے والا قطرہ ایک طوفان ہے۔

(۶) دھکی میں مر گیا جو نہ باب برد تھا ۱ عشق تبر و پیشہ طلب گار مرد تھا
تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا ۲ مرنے سے پیشتر بھی مرانگ زرد تھا
تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں ۳ مجموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا
دل ناچکر کہ ساحل دیئے خوں سے ب ۴ اس ہنر میں جلوہ گل آگے گرد تھا
جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہ عشق کی ۵ دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
احباب چارہ زری وحشت نہ کر سکے ۶ زنداں میں بھی خیال بیاباں نور د تھا
یہ لاش بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے محب آزاد مرد تھا

شعر (۱) باب برد یعنی لائق برد۔ مرد میدان عشق۔ عشق برد پیشہ جو ہمت و شجاعت کا طالب
مطلب یہ ہے کہ جو شخص مرد میدان عشق نہ تھا وہ عشق کی ابتدائی دشواریوں کو بھی برداشت نہ کر
سکا عشق برد پیشہ کو تو مرد میدان دعا شق جاننا کی ضرورت تھی۔

شعر (۲) میں زندگی میں بھی موت کے ڈر سے خالی نہ تھا۔ میرا رنگ اڑ کر موت ہی کے وقت
زرد نہیں پڑ گیا بلکہ اس سے پہلے ہی زرد تھا۔ مراد یہ کہ میری موت اور زندگی کی حالت یکساں تھی
میں فنا ہونے سے پہلے ہی فنا ہو چکا تھا۔

شعر (۳) یعنی ابتدا ہی سے میں بندہ عشق و وفا ہوں جب کہ ابھی خیالات میں سختی اور تسلسل
بھی پیدا نہ ہوا تھا۔

شعر (۴) دل سے جگہ تک با یک دریا ئے خون ہے یعنی ہجوم پریشانی و مایوسی ہے ایک زمانہ تھا کہ اس رہنڈ میں وہ بہاریں تھیں کہ اس کے آگے جلوہ گل بھی کچھ حیثیت نہ رکھتا تھا یعنی طبیعت میں رنگینی و رعنائی تھی۔ اس شعر میں گزشتہ پر بہار اور موجودہ پر افکار زندگی کا مقابلہ کیا ہے۔

شعر (۵) رنج و غم عشق کی کشمکش سے رہائی ناممکن ہے اگرچہ اب دل نہیں رہا مگر درد دل یعنی دل کے جٹنے کا غم موجود ہے۔ حاصل شعریہ کہ کسی حالت میں بھی آرام نہیں۔

شعر (۶) چارہ رازی۔ علاج وحشت و دیوانگی عشق۔ مطلب یہ کہ دوست و احباب میری دیوانگی کا علاج نہ کر سکے۔ وحشت و دیوانگی سے باز رہتے کیلئے مجھے تیار کیا مگر یہ تدبیر بھی کام نہ ہوئی، ورنہ خانہ میں بھی میرا خیال اسی طرح وحشت پیار یا جس طرح میں خود اس قید سے پہلے عالم وحشت میں صحر اگر دھکا۔

شعر (۷) شعر کا مطلب صاف ہے لاش کے بے کفن ہونے کو اپنی آزادی کی دلیل ٹھہرایا ہے۔

۱) شمار سچہ مرغوب بہت مشکل پسند آیا ۱ تماشا ئے بیک کف برون صد دل پسند آیا

۲) بیض بیدلی نو میدی وید آساں ہے ۲ کشائش کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آیا

۳) ہوائے سیر گل۔ آئینہ بے مہری قاتل ۳ کہ انداز سخن غلطیدن کسبل پسند آیا

۴) جراحت تحفہ الماس ارموں دروغ جسگہ بد یہ

۵) مبارکباد اسد غم خوار جان در دستند آیا

شعر (۸) شمار سچہ تبسح کے دالوں کا گستاخ۔ بت مشکل پسند معشوق جس کو مشکلات پسند ہوں۔ مرغوب آیا۔

پسند آیا۔ بیک کف برون صد دل۔ ایک ایک وار میں سو سو دل قابو میں لانا۔ حاصل شعریہ ہے کہ مشکل پسند معشوق کو تبسح کے دانے شمار کرنے پر رغبت ہوئی۔ اسے نہیں کہ وہ تبسح پر پڑھنا پسند کرتا ہے بلکہ اس واسطے کہ ایک جھپٹے میں سو دلوں کو لے جانے کی ترکیب ہاتھ نہ آئی جس طرح ناہنجسب کے سید ناز کو صیٹ کر مٹھی میں لے لیتا ہے اسی طرح معشوق ایک ہی مرتبہ سید دلوں پر قبضہ کر لیتا ہے۔

شعر (۱۲) بیدلی۔ مایوسی یعنی رنیا کی طرف سے جو مایوسی ہمیں ہے اسکی بدولت و میدی جاوید یعنی ہمیشہ کی نامیدری کا برداشت کرنا آسان ہو گیا ہے۔ ہمیں دنیا پر خور و غبت نہیں کشتو کار کی امید ہو تو کیا لگنا امید ہو تو کیا۔ یہ پہلے شعر عہ کا مفہوم تھا دوسرے شعر عہ کا مطلب ہے کہ ہمارا عقدہ مشکل کنائش کو پسند آ گیا ہے یعنی اب کبھی میں اسکی کنائش نہ ہوگی اس سبب کہ کنائش کو اس کا عقدہ ہی رہتا پسند ہے و پسند اس سبب سے ہے کہ ہمیں پروا نہیں پھر ایسی بے نیازی کنائش کو کیوں نہ پسند آئے۔ (طباطبائی)

شعر (۱۳) ہوا میں خواہش۔ آئینہ یعنی دلیل استعمال کی ہے۔ بخوں غلطی نہ ہوں بل کا خون میں پنا اور لٹنا۔ مطلب یہ ہے کہ قاتل کو پھولوں کا حسن دیکھنا مقصود نہیں بلکہ وہ تو صرف ان پھولوں کو دیکھنا چاہتا ہے جو زمین پر گر کر ہوا کے جھونکوں سے کروٹیں لے رہے ہیں اور وہ انہیں تماشا کے قص بل خیال کرنا ہوا و رفت محسوس کرتا ہے یہ شبہ شبہیت عمدہ ہے رنگ گل سے خواہ رہو اسے پھولوں کا ہلنا بل کا خون میں لٹنا ہے۔ شعر (۱۴) براحت۔ زخم۔ الماس۔ ہیرے کی کنی۔ ارغوان تحفہ یا تذرانہ۔ حضرت سجادؓ اس شعر کی شرح یوں لکھتے ہیں یہ ایک کہ میرا غنچہ جو دوست کو سمجھانے اور مجھ سے ملاقات پر آمہ کہنے کیلئے گیا تھا وہ وہاں سے تحفہ میں زخم، ہیرے کی کنی۔ داغ جگر لے کر واپس پھر آیا یعنی وہ خود عاشق ہو گیا۔ دوسرے معنی یہ نکلتے ہیں کہ حضرت عقیق یہ تمام سامان خرابی لے کر اس اللہ خاں غالب کی ملاقات کو تشریف لائے۔

- (۸) دہریں نقش و قاصد قسسی نہ ہوا ۱ ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا
 سبہ خط سے نرا کابل سرکش نہ دیا ۲ یہ زمرہ بھی حریف دم افعی نہ ہوا
 غینے چاہا تھا کہ اندوہ جفا سے چھوٹوں ۳ وہ ہندو سر سے منے پہ بھی راضی نہ ہوا
 دل گزر گاہ خیال سے دسا غریبی ۴ گرفتار جادہ سر منزل تقویٰ نہ ہوا
 ہوتے وعدہ کرنے میں بھی راضی کہ بھی ۵ گوش بہمت کیش گھیا نگ قسسی نہ ہوا
 کس سے محرومی قیمت کی شکایت کیجے ۶ ہمنے چاہا تھا کہ مرجا میں وہ بھی نہ ہوا

مر گیا صدمہ یک جنبش لب سے غالب
نا تو الی سے حریف و ہم عیشے نہ ہوا

شعر (۱) اگرچہ زمانہ میں نقش و خامو جود ہے مگر یہ باعث قتل نہ ہو سکا یعنی ونا کر کے بھی جب قتل نہ ہوئی تو لفظ وفا بے معنی و جمل ٹھیرا اور عاشقوں کی وفاداری ایک بے معنی بات ہو گئی۔ مراد یہ کہ وفا کا اصل مفہوم معدوم ہے۔

شعر (۲) انفی۔ سانپ۔ اڑوا۔ کاکل۔ زلف۔ سر کے لٹکتے ہوئے بال۔ بنہ خط کو زمرہ سنہ اور کاکل کو انفی سے تشبیہ دی ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ مشہور ہے کہ زمرہ کے سامنے سانپ اندھا ہو جاتا ہے مگر تیرا بنو خط کیسا زمرہ ہے کہ انفی زلف کا اسپر کچھ اثر نہ ہوا یعنی خط لکھنے پر بھی زلف کی لکشی و مکرشی میں کچھ فرق نہ آیا۔
شعر (۳) میں نے چاہا تھا کہ مرجاؤں تاکہ وفا کے رنج و غم سے نجات ہو جائے لیکن وہ متمک یعنی معشوق میرے مرنے پر رضا مند نہ ہوا۔ اس خیال کی بنا پر کہ میری موت اس کی بدنامی کا سبب ہوگی۔

شعر (۴) گزرگاہ، راستہ، جادہ، راستہ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر سانس راہ منزل۔ پر ہیز گاری نہ بن سکا تو کچھ پرواہ نہیں، میرا دل گزرگاہ جام و شراب تو ہو سکتا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اگر تقویٰ نہیں تو زندگی سوتی۔
شعر (۵) منت کش۔ احسان اٹھانے والا۔ گلیا ناگ۔ آواز مطلب یہ ہے کہ میں تجھ سے ہر حال میں خوش ہوں یعنی اگر تو وصل کا وعدہ کرنا تو جب بھی خوش تھا اس وجہ سے کہ وہ عین مقصود ہے اور اگر تو وعدہ نہیں کرتا تو اس پر بھی خوش ہوں کہ میرے کان پر آواز قتل کا احسان نہ ہوا۔

شعر (۶) محرومی قیمت، بد نصیبی، مطلب یہ ہے کہ میں اپنی بد نصیبی کی شکایت کس سے کروں مینے تنہا اگر موت کی خواہش کی تھی کہ موت ہی آجائے لیکن وہ بھی یادی نہ ہوئی۔

شعر (۷) دم عیسوی کا اعلیٰ مشہور ہے کہ اس سے شہرے زندہ گی اور بیمار شفا حاصل کرتے تھے لیکن غالب زہلے میں کہ میرے معاملہ میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منہ سے کوئی لفظ بھی نہ نکلا تھا اور صرنا بھی لیا کہ

جنس ہی ہوئی تھی کہ میں جن جنس ایک دمہ کو بردار نہ کر سکا اور مر گیا انتہائی ضعیف و ناتوانی کا اظہار کیا ہے۔

- (۱) ستائش گر ہے ایدہ مقدسین باغ رضوان کا ۱ وہ اک گلہ تہہ ہم بخودوں کے طاق نیاں کا
 بیاں کیا کیجئے بیداد کا و شہائے مرگاہ کا ۲ کہ ہر اک قطرہ خون انہ ہے بیسج مرجان کا
 نہ آئی سطوت قاتل بھی نفع میسر نالوں کو ۳ لیا فانتوں میں جو تہہ ہوا ریشہ نیستاں کا
 دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت ترے نے ۴ مرا ہر باغ دل ک تنہم ہے مہر چراغاں کا
 کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوہ نے ۵ کرے جو پر تو خورشید عالم شہبستاں کا
 مری قیمر میں مضمحل ہے ک صورت خرابی کی ۶ بیوٹی برق خرمن کا ہے خون گرم دہقان کا
 گاہے گھر میں ہر سو سبزہ برائی تماشا کر ۷ نذر اب کھوئے پر گھاس کے بے سیر دریاں کا
 خموشی میں نہاں غم گشت لاکھوں رز و یس ہیں ۸ چراغ فردوس میں بے زباں گور غریباں کا
 ہنوز اک پر تو نقش خیال یار باقی ہے ۹ دل فسرہ گویا جگر ہے یوسف کے زنداں کا
 بغل میں غیر کی آج آپ سے ہیں کہیں رنہ ۱۰ سبک خواب ہیں بھر تہہ بے پنہاں کا
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا ۱۱ قیامت کے شرک آلودہ ہونا تیرے مژگیاں کا

نظر میں ہے ہماری جادہ راہ فنا غالب

۱۲۔ کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

شعر (۱) ستائش گر تعریف کرتا والا۔ باغ رضوان۔ مراد بہشت۔ گلہ تہہ طاق نیاں۔ وہ گلہ تہہ ہے
 ہم کسی طاق پر رکھ کر ببول گئے ہوں۔ طاق نیاں محاورہ ہے مطلب ہے کہ راہ جس بہشت کی اسقدر تعریف
 کرتا ہے وہ دراصل ہم بخودوں کے طاق نیاں کا ایک گلہ تہہ ہے جسکو ہم کہیں بھول گئے اور اب اسکی پروا تک نہیں ہے

دوزخ و جنت یقیں یثنو کہ چیت ؟

جز فراق و جز وصال دوست نیست !

شعر (۲) کاوشائے مژگاں یعنی مڑگاں کی کھٹاک تبیح مر جاں، مونگے کی مالا۔ خون کے قطرہ کو جو آنکھوں سے بہا مونگے کے دانے سے تشبیہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مڑگاں کی کھٹاک سے ہر قطرہ کو قطرہ خون بتا دیا ہے جنہوں نے مسلسل جمع ہو کر تبیح مر جاں کی شکل اختیار کر لی ہے۔

شعر (۳) سطوت بمعنی رغب۔ ریشہ نیتاں یعنی "نے" دانتوں میں تنکا لینا فارسی محاورہ ہے جس بدنداں کا ترجمہ ہے مطلب یہ کہ قاتل کا رعب بھی میرے نالوں کو روک نہ سکا اور احمقانہ عجز کے لئے چوتنکا میں نے دانتوں میں لیا تھا وہ بھی "نے" ہو گیا اور اس سے نالہ کی آواز پیدا ہو گئی۔

شعر (۴) انجم ہے سرو چراغاں کا یعنی ایسے سرو کا بیج ہے جس پر چراغ ہی چراغ نظر آئیں۔ مطلب یہ کہ داغ عشق ابھی انجم یا بیج کی صورت میں ہے اگر عشق کی راویر کوئی بات بطور مسدراہ واقع نہ ہوئی یعنی اگر زمانہ نے فرصت دی تو یہی داغ سرو چراغاں کی صورت اختیار کر لینے اور وہ تماشا قابل دیدار ہو گا۔

شعر (۵) آئینہ خانہ یعنی وہ کمرو یا مکان جس میں آئینے ہی آئینے آویزاں ہوں۔ شب مست ابھی چن یا وہ جگہ جہاں شبنم ٹھہری ہو۔ بخورج کی روشنی سے شبنم غائب ہو جاتی ہے اور طلوع آفتاب سے پہلے ہر قطرہ شبنم "اناشیں" کا عویدار ہوتا ہے لیکن جہاں آفتاب ظہور کیا تو شبنم کے وہ قطرے جو چوہوں پر فزا رہے ہوتے ہیں تاروں کی طرح غائب ہو جاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تیرے جلنے کے ساتھ کسی کو قیام نہیں وہ برق طور سے بھی بڑھکتے جس طرح قطرات شبنم آفتاب کی گرمی سے اڑ جاتے ہیں اسی طرح تیرے حسن کی گرمی سے آئینے پانی ہو کر بھٹتے ہیں۔

شعر (۶) تعمیر عمارت یا سادات مراد وجود مضمر ہے یعنی پوشیدہ ہے۔ خرابی یعنی فنا بمعنی مادہ دیکھیں اس مقام پر یہ لفظ بمعنی سبب استعمال ہوا ہے۔ برق خرمون یعنی خرمون دکھیاں، کو جلا مینے والی بجلی خون گرم زہی حیات کا خون جو گرم ہوتا ہے ورنہ دست پاکی حرکت ذریعہ ہے یہاں سے معنی تھر تھر می و مشغولیت کے ہونگے۔ مشیت ہے کہ میرے وجود میں فنا کی ایک رت موجود ہے بالکل ایسی طرح جیسے کہ پاکستان کی سرگرمی و محنت خود اس کے لکھنے کی تباہی و بربادی کی موجب ہے کہ ان نغمہ ہری آبپاشی اور کمال اور بڑی کمرے لکھیاں جمع کرنا نہ سراپہ

بجلی گرتی۔ مفہوم یہ ہے کہ خود حیات ہی موت کا پیغام ہے۔

شعر (۷) بسنہ مراد بسنہ بیگانہ ہے جو ایک کالی گھر میں پیدا ہوا جاتا ہے اور ویرانی اس بسنہ دار کا قیام کیا کرتی ہے گھر کے نگہبان کی کڑکٹ میں ہوتی ہے کہ وہ اس بسنہ خود کو کوئی بسنہ بیگانہ کو جو خود بخود آگ آیا ہے اور جس سے کسی قسم کی تفریح مقصود نہیں لکھاڑ کر پھینک دے۔ اس شعر میں اسی خیال کو ظاہر کیا گیا ہے۔
شعر (۸) گھر کا چراغ مگر مل ہو جائے تو اندھیرے سے گھر کو گھر والے اسے فوراً بجھا دیتے ہیں۔ گور غریباں کا چراغ اگر بجھ جائے تو اسے کون روشن کرے اسے سمجھتے ہی اس کی آرزوؤں کا خون ہو جاتا ہے۔ شعر کا مطلب ہے کہ میری خاموشی میں کھوں حسرتیں پوشیدہ ہیں۔ میں گور غریباں کا ایک بجھا ہوا چراغ ہوں اس سے

نہیں منت کشں تاب شنیدن داستان میری
خوشی گشتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری (اقبال مرحوم)

الفاظ خوشی۔ نہاں۔ مردہ۔ بے زبان اور گور غریباں میں صنعت مراعات الفطریہ ہے۔

شعر (۹) پر تو یعنی ہلکس۔ افسردہ یعنی مایوس۔ جگرہ یوسف یعنی دل جس میں کبھی کسی حسین صورت کا خیال رہتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ باوجود مایوسی کے ابھی تک ان کی یاد باقی ہے۔

شعر (۱۰) آہستہ آہستہ پنہاں یعنی پوشیدہ مسکراہٹ جو کسی پوشیدہ عیاری کی طرف اشارہ کہے آپ معشوق سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں شاید آج آپ کسی بغیر کے پہلو کی زینت بنے ہوئے ہیں اور میرے جلتے کے واسطے خواب میں آکر یہ عیارانہ مسکراہٹ ہے۔

شعر (۱۱) لہو پاتی ہوا ہو گا۔ یعنی لہو پانی کی طرح بہا ہو گا۔ مڑگاں کا سر شک لودہ ہونا یعنی ہاتھوں کا آنسوؤں سے تر ہونا۔ مطلب ہے اب تو اپنے مظالم یاد کر کے غلگین ہو رہا ہے اور یہ غلگینی اس بات کی دلیل ہے کہ تو نے عفاق پر بہت ظلم کئے ہیں۔

شعر (۱۲) جادہ یعنی راستہ۔ شیرازہ یعنی لڑی۔ اجڑائے پریشان میں دنیا اور اس کے متعلق باتیں مطلب

ہے کہ میں نے موت کو فراموش نہیں کیا جو دنیا کے تمام مختلف اجزا کو ایک ہی لڑی میں منسلک کر نیوالی ہے۔

(۱۰) نہ ہو گا یکتا باں زندگی سے فوق کم میرا ۱ حباب ہو جڑ رفتار سے نقش قدم میرا

مجتہدی چہن سین اب یہ بے مانی ہے ۲ کہ موج بجے گل سے ناک میں تہہ سے تم میرا

شعر (۱) ایک سیاہاں ماندگی یعنی کثرت ماندگی بہت تھاٹاٹا۔ ذوق۔ ذوق صحرانوردی نقش قدم کو

حباب اور رفتار کو موجہ قرار دیا ہے مطلب کہ خواہ میں کیسا ہی تھکاؤں لیکن جس طرح حباب موج کے ساتھ ساتھ

چلتا ہے اور کبھی نہیں تھکتا اسی طرح میرا ذوق صحرانوردی بھی کسی طرح کم نہیں مجھ اور میں سناڑی عشق کو طے کرتا ہوں گنا

شعر (۲) مطلب یہ ہے کہ انقلابِ ماز سے وہ محبت جو مجھے چین سے تھی اب نفرت سے بدل گئی ہے بے

گل جو پہلے میرے لئے باعث مسرت خوشی تھی اب اس سے میرا ناک میں مہ ہے یعنی اب مجھے بھی نہیں معلوم ہوتی۔

(۱۱) سمر اپا دین عشق و ناگزیر آفت ہستی ۱ عبادتِ برق کی کرتا ہوں اور فوس طصل کا

قدرِ ظنرت بچے باقی خوار نشہ کا بھی بھی ۲ جو تو دیئے ہے ہے میں خیارہ ہوں ساحل کا

شعر (۱) مطلب یہ ہے از سمر اپا جتنا ہے عشق تہوں لیکن ساتھ ہی مطابق فطرت انسانی آفت ہستی بھی ہے

یعنی اپنی جان کو بھی عزیز رکھتا ہوں برق عشق کی پویش کرتا ہوں اور خرمن ہستی کے جل جانے کا بھی اندیشہ ہے

چوں سے میرے کمال شوق فنا میں کسی قدر نقص پیدا ہو گیا ہے۔

شعر (۲) ساقی کو دریا کے شراب اور خود کو شاعر نے خیارہ ساحل یعنی کنارہ دریا قرار دیا ہے اور

ساحل باوجود قربِ دریا کے ہمیشہ خشک رہتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر شراب پلانے میں ساقی دیر پا رہے تو میں

بھی اسی کی نسبت سے عالی ظرف یعنی دریا نوش ہوں۔

لفظ خیارہ کے فنی معنی انگڑائی کے ہیں میں یہاں مجازاً ساحل کے معنوں میں استعمال ہوا ہے نیز قاعدہ

ہے کہ شراب خوار کو نشہ کے آثار کے وقت انگڑائیاں لگتی ہیں اور اسے پھرتے ہوئے شراب کی طلب ہوتی ہے۔

(۱۲) حرم نہیں ہے تو ہی تو پائے راز کا ۱ یاں دور نہ ہو جواب پہ پہ پہ پہ پہ سارا کا

رنگ پریدہ صبح بہارِ نظارہ ہے ۲ یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا
 نو اور سوئے غیرِ نظر ہائے تیز تیز ۳ میں اور دکھ تری مژدہ ہائے دراز کا
 سر نہ بے ضبط آہ میں میرا و گرنہ میں ۴ طعمہ ہوں ایک ہی نفس جا نگدراز کا
 میں یکہ جوش بادہ سے شیشے اچھل رہے ۵ ہر گوشہ بساط ہے سر شیشہ باز کا
 کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہمنوا
 ناخن پہ قرض اس گرجے نیم باز کا

مشعر (۱) محرم یعنی واقف۔ لڑا ہائے راز یعنی پوشیدہ بھیدہ لڑکی آوازیں یعنی پوشیدہ بھیدہ۔ حجاب یعنی
 پردہ یا لڑی پردہ ساری یعنی باجے کا پردہ جس سے آواز پیدا ہوتی ہے اس دوسرے پتے اور جو ایک معنی میں تجنیس
 لفظی کا پردہ ہے مطلب ہے کہ رز کے نعروں سے تو خود ہی نا آشنا ہے رنہ دنیا میں جو بظاہر حجاب نظر آتے ہیں
 وہ بھی کچھ ہے میں اور پردہ ساز کی طرح بول رہے ہیں اور اسرار الہی ظاہر کر رہے ہیں۔ (یاد نگار غالب)
 مفہوم یہ ہے کہ بل بصیرت کیلئے دنیا کا ہر حجاب پردہ سا ہے اور ہر مجاز حقیقت کی طرف رہبر ہے
 مشعر (۲) رنگ پریدہ۔ اڑا ہوا رنگ۔ اردو میں منہ پر جو اٹھیاں اڑنا اور ایسی ہی حالت کو شاعر نے
 نظارہ صبح بنا رکھا ہے۔ بت سے کہ موزنم بہار کی صبح کو طرح طرح کے پھول کھلا کرتے ہیں اسلئے وہ وقت ایک
 خاص کیفیت لئے چنے ہوئے ہوتا ہے اور چونکہ میری پریشانی دوست کی خوشی اور شگفتہ خاطری کا باعث ہے یعنی جب
 ہر پریشان ہوتا ہو تو وہ اور بھی انداز دکھتا ہے اس لئے میرے منہ پر جو اٹھیاں اڑنا ان کے گلے
 ستودہ ناز کے گلے کی تیز سے اور ہی وجہ سے میرا لب پردہ نظارہ صبح بہار ہے۔

مشعر (۳) نظر ہائے تیز یعنی تیز نگاہیں۔ مژدہ ہائے دراز یعنی لمبی لمبی۔ مٹکیں نو بخت
 بکھڑاؤ میں مثبت ہے جب تم فیروز لڑی نگاہوں دیکھتے ہو تو وہ ہیں میرے دلبر کے رخسار کے نشتر وں کا کام
 زرد سے بکھڑاؤ ہے جو نظر ہو کر دیکھ لیتے اور میرے رمان بھل جاتے یہاں تک میانہ شعر بطور تمثیل بھی نہ ہوگا

ہنس کے غریبوں سے گفتگو کرنا

مدعا ہے جلا کرے کوئی

رُشک کا سبب یا تو یہ ہے کہ تمہاری تیز نگاہیں مجھے سبیل کر دیتی ہیں مگر اغیار پران کا کوئی اثر نہیں

ہوتا۔ یا یہ کہ اغیار ان نگاہوں سے مطفٹ اٹھاتے ہیں اور میں محروم ہوں۔

شعر (۴) صر نہ یعنی قابو۔ ضبط یعنی برداشت۔ طعمہ بمعنی لقمہ۔ نفس جانگداز بمعنی جان کو کھلا دینے والی آہ۔ یہ ستعارہ قابل غور ہے انسان کا جسم شمع تصور کیا گیا ہے۔ وڑ آہ اس کی نوا یا شعلہ۔

مطلب یہ ہے اگر مجھ میں صبر و ضبط کی قوت نہ ہوتی تو ایک ہی آہ آتیشیں میرے جسم کو شمع کی طرح پگھلا کر بھاڑ دیتی یا یہ کہ دنیا کی کوئی ایک ہی مصیبت مجھے مٹانے کے لئے کافی ہوتی۔

شعر (۵) بادہ بمعنی شراب یعنی شراب محبت، شیشہ بمعنی بوتل۔ بساط بمعنی پھیلاؤ یا فرش۔ شیشہ باز بمعنی بازگیر یا مدار یا بھانسی کو کہتے ہیں جو تماشا کرتے ہوئے بوتل کو اچھال کر کبھی سر پر رکھ لیتا ہے کبھی سینہ پر اسی طرح سب کو اپنے کرتب دکھاتا ہے۔ یہاں شیشوں کے اچھلنے کے سبب بزم عیش کے گوشہ فرش کو شیشہ بانہ کے سر سے تشدید ی ہے مطلب ہے کہ موسم بہار نے شراب میں ایسا جوش پیدا کر دیا ہے کہ جہاں جہاں فرش کے کونوں پر شراب کے بھرے ہوئے شیشے رکھے ہیں وہ اپنی اپنی جگہ اس طرح اچھل رہے ہیں کہ فرش کا سر گوشہ بازگیر یا قاص کا سر معلوم ہوتا ہے جس کے سر و دوش پر شیشہ اچھلتا ہے لیکن گرنے نہیں پاتا۔

شعر (۶) کاوش بمعنی کاہش۔ ہندی محاورہ کھود کرید تقاضا بمعنی مطالبہ مانگ۔ ناخن پہ گروہم بانہ کا ترقیق یعنی ناخن نے چونکہ صرف آدھی گہ کھولی ہے اس لئے آدھی بے کھلی گرا بھی بطور مطالبہ باقی ہے اور یہی بقایا قرض ہے مطلب یہ کہ جب کوئی کام دھورادہ جاتا ہے تو دور اندیش لوگوں کے دل اس کو پورا کرنے کا تقاضا ہر وقت کیا کرتے ہیں کہ بقیہ کام کو بھی انجام دینا چاہیئے۔ مفہوم یہ ہے کہ دور اندیش لوگوں کے دل کسی کام کو بغیر پورے ہوئے قرار نہیں لیتے۔

(۱۳) بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا ۱ رکھو یا رب یہ درگنجینہ گوہر کھلا
 شب ہوئی پھر انجم رخشندہ کا منظر کھلا ۲ اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا دفتر کھلا
 گرچہ ہوں روانہ پر کنیوں دست کھاؤں تفر ۳ آستیں میں نشہ پنہاں تھ میں نشہ کھلا
 گو نہ سمجھوں اسکی باتیں گو نہ پاؤں اس کا بصیر ۴ پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری سیکر کھلا
 ہے خیال حسن میں حسن عمل کا سا خیال ۵ خلد کا اکٹا ہے میری قبر کے اندر کھلا
 مرنے نہ تھکنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں ۶ زلف سے بڑھ کر نقاب اس شیخ کے رخ پر کھلا
 در پہننے کو کیا اور کہہ کے کیسا پھر گیا ۷ جتنے عرصہ میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا
 کیوں اندھیرے شب غم وہی ملاؤں نزول ۸ آج ادھر ہی کو رہیگا دیدہ اختر کھلا
 کیا ہو غربت میں خوش جب ہو شواد کا چال ۹ نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ برا کثر کھلا

اسکی امت میں ہوں میں میرے ہیں کیوں کام بند

۱۰۔ واسطے جس شہ کے نکالے گنبد بے در کھلا

شعر (۱) قلندہ سنی میں بہادر شاہ ظفر کے زمانہ حکومت میں ہفتہ وار مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ بزم شاہ
 گوہر کھلا ہے مطلب ہے شاہنشاہ کی محفل میں پھر مشاعروں کا دور شروع ہو گیا ہے گویا دفتر سخن کھل
 گیا ہے دوسرے مصرعہ دعائیہ ہے جس میں مرزا دعا کرتے ہیں کہ یہ گنجینہ گوہر یعنی موتیوں کا خزانہ ہمیشہ کھلا ہے۔
شعر (۲) انجمن رخشندہ یعنی چمکتے ہوئے تارے مراد اشعار تکلف یعنی خوبی۔ بتکدے کا در کھلا۔ قاعدہ کا
 کہ بتکدے کا دروازہ کھلنے پر در جو عموماً شام کو کھلتا ہے، آرتھی دکھائی جاتی ہے آرتھی دکھانا ہنود کے یہاں جزو
 عبادت ہے آرتھی میں ستاروں کی طرح چمکتے ہوئے گلی کے چراغ روشن ہوتے ہیں۔ یہاں بتکدے سے مراد
 بزم مشاعرہ ہے اور بتوں سے شعرا جو انجم رخشندہ یعنی اشعار سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ مطلب ہے
 دست ہونے پر مشاعرہ شروع ہوا اور اشعار کے تارے چمکنے لگے۔

شعر (۱۲) ارشاد ہے معنی چھری۔ دیوانوں کی نصد لی جاتی ہے تو جنون جاتا رہتا ہے مطلب ہے کہ دوست جو نصد لینے کے لئے بظاہر ہاتھ میں نشتر لئے معلوم ہوتا ہے آئین میں چھری چھپا لئے ہے تاکہ موقع پا کر قتل کرے۔ شعر کا دوسرا مصرعہ محاورہ آستین کی تشریح ہے مفہوم یہ ہے کہ دوست نما دشمن کا اعتبار نہیں۔

شعر (۱۳) پری پیکر۔ پری کا سا جسم رکھنے والا یعنی نازک اندام معشوق کھلا یعنی بے تکلف ہوا۔ علم عروض میں اس قسم کی ردیف کا معمول کہتے ہیں۔ مطلب ہے کہ باوجود معشوق کی باتیں سمجھنے اور اس کا بھید نہ پانے کے میرے لئے یہی کیا کم ہے کہ وہ مجھ سے بے تکلف ہوا اور ہنستے بولنے لگا۔ مفہوم یہ ہے کہ دوست کا بے تکلف ہونا ہی بڑی بات ہے۔

شعر (۱۵) خیال جن جن کا تصور۔ یہاں جن سے مراد حقیقی جن ہے جن میں سعادت و عبادت یعنی کار خیر۔ خلد کا ایک رگور کے اندر کھلا ہے یعنی نجات حاصل ہو گئی ہے (اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ عبادت گزار لوگوں کی قبر میں جنت کی طرہ ایک روازہ کھول دیا جائیگا جس سے بہشت کے مناظر نظر آئیں گے، مطلب یہ کہ خدا جو خالق جن ہے اور سب بڑھ کر جن ہیں اس کا خیال اور عبادت میرے لئے ذریعہ نجات بن گیا۔ مفہوم یہ ہے کہ حقیقی جن کا خیال عبادت یا ذریعہ نجات ہے۔

شعر (۱۶) نقرہ دیکھا ہی نہیں تعریف کا پہلو لئے ہوئے ہے یعنی واہ واہ۔ کیا کتنا نقاب پرور اب آتی والے بالائے نقاب کو مونٹ استعمال کرتے ہیں (حضرت سجاد قاعدا ہے کہ گورے گاؤں پر سیاہ زلفیں اچھی معلوم ہوتی ہیں مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ جن حقیقت نہ دیکھنے پر بھی ایسا دلفریب ہے کہ رخسار پر زلفوں کے بکھرے سے زیادہ پر ہطف معلوم ہوتا ہے ع

”وہ ہر تصور سے دور رہ کر بھی ہر تصور میں آ رہے ہیں“

مفہوم یہ ہے کہ جن حقیقی کی تجلیات کا ظہور باوجود پردوں کے جو قلب عشاق پر ہو رہا ہے۔ ایسا ہے کہ اس کی صفت بیان ہو ہی نہیں سکتی۔

- ۳ یاں بجوم اشک میں تارنگہ تابیاب تھا
۴ یاں واں منہ گلان چشم تر سے قوت نایاب تھا
۵ واں ہ فرق بلبل و بالین کشمیر نایاب تھا
۶ جلوہ گل واں بساط صفت حجاب تھا
۷ یاں میں آسمان تک مصلحت کا باب تھا
۸ دل کہ ذوق کاوش مانع سوزت یاب تھا
۹ تھا سپند بزم وصل غیر کو بتیاب تھا
۱۰ خاند عاشق مگر سار صائے آب تھا
۱۱ پہلوئے اندیشہ وقف بستر سنجاب تھا
۱۲ ذرہ ذرہ روکش خورشید عالم تاب تھا
۱۳ کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا
۱۴ یاد کروہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے ام کا

میں نے روکا رات بجا آب کو وگرنہ دیکھتے

۱۵۔ اس کے سیل گریہ میں گر دوں کف سیلاب تھا

مشعر (۱) زہرہ آب تھا یعنی ابر کا پتہ پانی ہوا جاتا تھا شعلہ جوالہ جلدی سے گردا گرد پھرنے والا
شعلہ مطلب ہے کہ رات میں اس قدر بتیاب تھا کہ میرے سوز دل کی بجلی سے ابر کا پتہ پانی ہو رہا تھا اور پھر
بجلی میرے صحتہ دل کا اثر یہ تھا کہ پانی میں جو حلقہ گرد آب یعنی بھڑور پڑتا تھا وہ ایک شعلہ جوالہ بن جاتا تھا۔
مشعر (۲) غلغلہ گیر خرام ہونے چلنے سے روکا نہ پنیہ یعنی روٹی۔ کف سیلاب یعنی پانی کی جھاگ۔
ہیرا شاعر اپنی درمضوق کی حالت کا نقشہ کھینچتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ تو عذرا بادش کیوجہ بیان نکلتا ہے اور یہاں

فرقت میں ہم اس قدر روئے کہ تکیہ کی روٹی کیف سیلاب یعنی پانی کی جھاگ بنی ہوئی ہے۔
شعر (۱۳) خود آرائی یعنی آرائش جمال۔ اشک یعنی آنسو اور تازنگہ سے استعارہ کیا ہے۔ مطلب ہے کہ وہ اپنی آرائش جمال یعنی بناؤ سنگار کے لئے موقی پرور ہے تھے اور یہاں انتظار میں ہجوم اشک اس قدر تھا کہ تازہ نظر بھی گم ہو گیا تھا مفہوم یہ ہے کہ معشوق کی خواہش تھی کہ زیبائش میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے اور عاشق کا شوق اس امر کا متقاضی کہ وصل کی گھڑی جلد آجائے۔

شعر (۱۴) ہم ما آب جو۔ نہر کا پانی۔ خون ناب۔ خون خالص مطلب ہے وہاں تو جلوہ گل کے عکس سے نہر کے پانی میں چراغ روشن نظر آتے تھے اور یہاں اشک آلود آنکھوں کی پلکوں سے خون خالص بہ رہا تھا۔
شعر (۱۵) دیوار جو یعنی دیوار کا متلاشی۔ فرق یعنی سر۔ بالش یعنی عکس۔ اس لئے قطعہ میں شاعر نے اپنی محرومی اور معشوق کی بے پروئی کا حال مختلف انداز میں مقابلہ کے دکھایا اس شعر میں بھی خفا، غمی کا نقشہ کھینچا ہے اور بتایا کہ اصرار و محنت میں بے نتیجہ خواہی بسر کرانے کیلئے دیوار تلاش ہے تھوڑے شے بے پروا کو اپنے فرق ناما کو بالمش کو اپنے مکھ کو آرام تھے۔
شعر (۱۶) نفس یعنی گرم آہیں۔ بساط یعنی فرش۔ احباب یعنی دوست مطلب ہے کہ یہاں ہماری ہجو دی کی محفل میں گرم آہ کی شمع روشن تھی اور وہاں بخت احباب کے لئے پھولوں کا فرش بچھا ہوا تھا یعنی قیسیوں سے بیٹھے ہیٹ سر گرم گفتگو تھے۔

شعر (۱۷) اس شعر کے پہلے مصرعہ میں شاعر نے معشوق کی حالت بیان کی ہے اور دوسرے مصرعہ میں اپنی کیفیت ظاہر فرمائی ہے۔ فرش سے تاعرش یعنی زمین سے آسمان تک، طوفان طبع دگک یعنی طوفان عیش و مسرت، موزن یعنی جلتا۔ مطلب ہے کہ وہاں تو زمین سے آسمان تک عیش و مسرت کا طوفان برپا تھا اور یہاں فرقت محبوب یا ناکامی و نامرادی یا رنج و غم و جوش اضطراب آگ لگی ہوئی تھی۔

شعر (۱۸) دوش، یہ شعر گریز کا ہے اور جو کچھ پہلے بیان کر چکے ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں۔
 یکایک اس طبع سے دل میں متنگ پیدا ہو گئی کہ دوسری غزل اس میں میں اور لکھنی چاہیے اسکاں الفاظ

میں بیان کیا ہے۔ وہ دل جو کاوشِ ناخن سے لذتِ یاب ہو چکا تھا اس رنگ سے خنابہ پکانے لگا۔ یعنی اس طور پر غزل سرا ہوا۔ یہ اس غزل کے دوسرے حصہ کی طرف اشارہ ہے۔

شعر (۹) پسند یعنی کالادانہ جو اکثر بچوں پر سے نظر بد آنے کی غرض سے جلا کر دھونی دیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ راتِ تیز نالہ دل میں کوئی اثر نہ تھا اگرچہ میں اس نالہ سے بتیاب ہو کر جل رہا تھا لیکن میرا جلنا بزمِ غیر کے لئے کالادانہ کا کام کر رہا تھا یعنی بزمِ غیر کو نظر بد سے بچا رہا تھا شاعر نے نالہ کی بے اثری کو ایک نئے انداز میں بیان کیا ہے اسی خیال کو ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

دور چشم بد تری بزمِ طرب سے واہ واہ
نفسہ ہو جاتا ہے مگر نالہ بھی میرا جلتے ہے

ایسا ہی ایک مضمون اور ہے

اٹ اٹھ کا مری آہوں سے ہوا ہو جانا
جاتے جاتے ترے کوچہ میں صبا ہو جانا

شعر (۱۰) مقدم یعنی آتا۔ نشاط آہنگ یعنی مسرور۔ ساز و دھن آہ یعنی جلتے رنگ سات پیالوں میں پانی بھر کر ایک چھوٹی نئے کے ذریعہ سجایا جاتا ہے مطلب ہے عاشق کو راہِ عشق میں اپنی بربادی اس قدر مرغوب تھی ہے کہ اپنے مکان میں سیلاب کے آنے سے وہ اس درجہ مسرور ہیں کہ گویا جلتے رنگ سن ہے ہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ عاشق اپنی ویرانی کے سامان کو سامانِ طرب سمجھتا ہے اور اپنی بربادی سے خوش ہوتا ہے۔

شعر (۱۱) تازش یعنی فخر و ناز و غرور و تکبر۔ اندیشہ یعنی خیال۔ سنجاب ایکٹ فور چوبیس سے بڑا جس کی پوسٹن بناتے ہیں مطلب یہ کہ ہماری خاک نشینی کے زمانہ کی کیفیتیں نہ پوچھ کہ ہم خاک نشین بسترِ خاک کو مسندِ سنجاب خیال کرتے تھے۔

شعر (۱۲) جنوں نارسا یعنی عشقِ ناتمام۔ روکش یعنی مقابل۔ اس شعر کی شرح شارحین نے مختلف طریق

پر کیا ہے مولوی حیدر علی صاحب فرماتے ہیں کہ جنوں نارسانے کچھ نہ کیا یعنی اکتساب فیض اور استحقاق معشوق سے محروم رکھا ورنہ ایک ایک ذرہ نے ایسا اکتساب نور کیا تھا کہ رشک وہ آفتاب تھا۔

مولانا حسرت فرماتے ہیں یعنی اگر عشق نامتام نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ ذرہ آفتاب کے برابر ہو جاتا۔ لیکن نارسانی جنوں نے اکتساب فیض سے محروم رکھا۔ اور ایسا نہ ہونے پایا۔

میرے خیال میں اس شعر میں شاعر نے اپنے عشق کی نارسانی پر اظہارِ فیس کیا ہے اور اس سر کو تسلیم کیا ہے کہ محبوب حقیقی تک پہنچنے کیلئے کوئی رکاوٹ موجود نہیں، اگر ہم اس تک نہیں پہنچ سکے تو اسکی وجہ ہمارے عشق کی نارمانی ہے ورنہ اس جہان کا ہر ذرہ خورشید عالمتاب کا مقابل بن سکتا ہے اگر ہم اکتساب فیض سے محروم ہیں تو اس میں ہمارا اپنا قصور ہے۔

شعر (۱۳) اس شعر میں شاعر معشوق کو گذشتہ نطنے کی یاد دلا کر مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آج تجھے اپنے ریزنِ محبت کی بویاں نہیں کل تک تو تیرے دل میں بھی محبت تھی اور تیرا دل ہر وقت کا دروازہ بنا ہوا تھا۔

شعر (۱۴) یہ شعر پہلے شعر کی تائید میں ہے۔ فرماتے ہیں کیا تجھے وہ ن یاد نہیں جبکہ تیرے دام کا ہر حلقہ شکار کے انتظار میں تیرا خیاب بنا ہوا تھا اس شعر میں مرزا نے معشوق کے یویدہ خیاب کو حلقہ دام کہا ہے۔ جو فیندہ آنے کی وجہ سے ہر وقت کھلا ہے مفہوم یہ ہے کہ تو بھی اپنے معشوق کے لئے ہم قرار رہا کرتا تھا اور ان کے انتظار میں تجھے فیندہ آیا کرتی تھی۔

شعر (۱۵) فرماتے ہیں رات میں نے غائب کو روئے سے روکا ورنہ اس کا طوفانِ اشک بلند ہو کر آسمان کو جھگ بنا دیتا۔

(۱۵) ایک ایک قطرہ کا مجھے پینا پڑا حساب ۱ خونِ جگر و دیعتِ مرگاں یار تھا
اب میں ہوں اور ماتم اک شہر آندو ۲ قوڑا جو تم نے آئینہ تمثال دار تھا
نگلیوں میں میری نعش کا گھٹنے پھر وہ میں ۳ جاں داد دے ہو اسے سر رگن دار تھا

موج سربِ شبت و فاکانہ حال بوجھ نہ ہر ذرہ مثل جو ہر تنغ آباد رکھا

کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو — مگر

۵۔ دیکھا تو کم ہوئے یہ غیم روزگار تھا

شعر (۱) ودیعت یعنی امانت۔ فرماتے ہیں نکھیں سے اس قدر خون جاری رہتا ہے کہ گویا جگر میں قنبا خون تھا وہ شکرگانِ یار کی امانت تھا اور اس لئے اس کے ایک ایک قطرے کا حساب اسی طرح دینا پڑیگا جس طرح امانت کا حساب دینا پڑتا ہے۔ (یادگار غالب)

شعر (۲) شہر آرزو سے مجرم تمام مراد ہے۔ آئینہ تمثال وار سے مراد وہ آئینہ ہے جس میں تصویریں ہوں یہاں اس سے مراد عاشق کا دل ہے مطلب کہ تو نے میرے آئینہ دل کو توڑ کر مجھے ایک مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے کیونکہ میرا دل ایک ایسا آئینہ تھا جس میں آرزوؤں اور تمناؤں کی بہت سی تصویریں تھیں جو اس کے ٹٹنے کے ساتھ مٹ گئیں اور اس طرح مجھے ایک دل کے سانچے ایک شہر کا ماتم کرنا پڑا۔

شعر (۳) ہوا بمعنی آرزو۔ رہگذار سے مراد معشوق کی رہگذار ہے یہ شعر نہایت بیغ ہے مطلب ہے کہ میری زندگی رہگذار معشوق کی آرزو میں ختم ہوئی ہے اور میرے اس انجامِ جلد مجھے یہ ملنا چاہیے کہ لوگ میری نفس کو گلیوں میں کھینچتے پھریں اس شہر میں جو مفہوم پہنا ہے یہ ہے کہ عاشق کو معشوق کی گلی کا پتہ نہیں جس کی آرزو میں اس نے جان دی ہے۔ لہذا تا کہ یہ ہے کہ میری نفس کو گلیوں میں کھینچے پھر دتا کہ رفتہ رفتہ عاشق کی نفس معشوق کی گلی میں پہنچ جائے اور یوں مدعا سے دل حاصل ہو جائے۔

شعر (۴) سربِ یاس مقام کو کہتے ہیں جہاں کسی مسافر کو پانی کا دھوکہ ہو جائے اور اکثر یہ رات میں ہوتا ہے مطلب ہے کہ دشت و فاکانہ حال مجھ سے نہ بچھو میں کیا بیان کروں صرف اتنا بتا دیتا ہوں کہ دشت و فاکانہ موج سرب کی طرح دھوکا دینے والا ہے جس طرح موج سرب پانی کا دھوکہ دیکر مسافر کو ہلاک کر دیتی ہے اسی طرح دشت و فاکانہ میں کوئی حقیقت نہیں اس کا ہر ذرہ جو ہر تنغ تیرے جہاں ٹم رکھا وہیں ہلاک ہوا مفہوم یہ ہے کہ میں آرام و

نعت کا ایک نامہ مسافر تھا اور عشق کی وفا کی صورت پر جو دراصل فنا نہ تھی بلکہ سراب فاقہ جیسے وفا کا دھوکا ہوا اور اسکی تسکین باطل اور وعدہ خلافی نے مجھے مار ڈالا۔ اس شعر میں قریب فاقے لحاظ سے استعارہ نہایت موزون ہے

شعر (۵) مطلب ہے غم عشق کو ہم بھی اوروں کی طرح نہایت معمولی اور کم تصور کیا کرتے تھے لیکن جب اس میں مبتلا ہوئے تو حقیقت حال سے خبردار ہوئے اور معلوم ہوا کہ یہ کم ہوتیہ بھی ساری دنیا کے غم سے کچھ زیادہ ہی ہے

(۱۶) بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا ۱ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

گریہ چاہے زخم رانی مے کاشانے کی ۲ درودیلوار سے ٹپکے ہے بیاں ہونا

دائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو ۳ آپ جانا ادھر اور آپ ہی حیران ہونا

جلوہ زبسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے ۴ جو ہر آئینہ بھی چاہے ہے مڑگاں ہونا

عشرتِ قتل گمہاں تمنائے پوچھ ۵ عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

بیگئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط ۶ تو ہوا اور آپ بصد دنگ گلستاں ہونا

عشرتِ پارہ دل زخیمِ تمنّا کھانا ۷ لذتِ ریش جگر غرقِ مسکداں ہونا

کی مے قتل کے بعد آئے جفا سے توبہ ۸ ہائے اس زود پشیاں کا پشیاں ہونا

حیف اس چادر گرہ کپڑے کی قیمت غالب

۴- جس کی قیمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

شعر (۱۱) انسان ہونا۔ شرفِ انسانیت سے سرفراز ہونا۔ انسانیت کے خواص میں سب سے زیادہ دنیا

اور اہم خاصہ جذبات کو قابو میں رکھنا ہے۔ اگر جذبات پر قابو رکھنے میں آدمی کامیاب ہو جائے تو بیشک وہ

صحیح معنوں میں انسان ہے۔

مطلب یہ ہے دنیا کا ہر کام آسان نہیں کہا جاسکتا جیسے کہ ہر آدمی انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے یاد رکھو

غالب میں دلانا حالی نے اس شعر پر تبصرہ کیا ہے: "شاعر کا دعوئے یہ ہے کہ دنیا میں آسان سے آسان کام بھی

دشوار ہے اور دلیل یہ ہے کہ آدمی جو عین انسان ہے اُس کا بھی انسان بننا مشکل ہے۔ یہ منطقی استدلال نہیں ہے بلکہ شاعرانہ استدلال ہے جس سے بہتر ایک شاعر استدلال نہیں کر سکتا۔ مفہوم یہ ہے کہ نہ ہر کام آسان ہے اور نہ ہر آدمی انسان ہے۔

شعرا (۲) گریہ معنی رونا۔ کاشانہ بمعنی گھر۔ درود یار سے بیا بان ہونا ٹپکتا ہے یعنی ویرانی برس ہی ہے رونے میں آنسو ٹپکنے کی مناسبت سے لفظ "ٹپکے" ہے پر غور کیجئے تو صنعت مراعات الفیض کا حق یہاں معلوم ہوگا۔ مطلب یہ ہے رونا میرے گھر کی خرابی کی دلیل ہے کیونکہ جو گھر نامکدہ ہو جائے وہ جلد ویران ہو جاتا ہے۔

شعرا (۳) اڈیوانگی شوق یعنی ذوق و شوق کے غلبہ کا حد سے متجاوز ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ میں آپ سے باہر ہو کر دہست کی طرف جاتا ہوں اور پھر آپ ہی حیران ہوتا ہوں کہ میں یہاں کیوں آیا اور خیال کرتا ہوں کہ میں کہاں اور اس کا ریدار کہاں۔ مفہوم یہ ہے کہ وفور اشتیاق سے آدمی از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔

یہ شوق تھا کہ جنوں تھا کہ تیرے کوچہ میں
ہزار بار گئے ہر بار ہزار بار آئے

اُس کی حسرت ہے جسے دل سے مٹا بھی نہ سکوں
دُھند نے اس کو چلا ہوں جسے پا بھی نہ سکوں

شعرا (۴) جلوہ بمعنی ظہور۔ تقاضائے نگہ کرتا ہے یعنی اس بات کا تقاضا ہے کہ مجھے دیکھو۔ یا یہ کہ مجھے صرف نگہ دالے ہی دیکھ سکتے ہیں ہرگز ناکس کی مجال نہیں۔ جو ہر آئینہ مرگاں ہونا چاہتا ہے۔ یعنی بمرقہ چشم ہونا چاہتا ہے یا یہ کہ آئینہ کے قوسی رنگ اس لئے مرگاں ہونا چاہتے ہیں تاکہ آئینہ کو سوائے جلوہ یار کے اور تمام جلووں سے محفوظ رکھ سکیں اور آئینہ جو ہر وقت چشم حیرت بنا رہتا ہے ہر قسم کی آلائش سے پاک رہ سکے۔

مطلب یہ ہے جاوید دوست کا نظارہ عام ہے جس کا جی چاہے دیکھے اس عمومیت کی بنیاد آئینہ ہمتی چشم
 بنا چاہتا ہے یا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جاوید دوست اہلیت رکھنے والی نگاہوں کا خزانہ ہے۔ ہر کس نامک
 کی نگاہوں سے اسے پردہ ہے اسلئے آئینہ بھی ہمتی چشم ہونے کے باوجود اہلیت پیدا کرنے کیلئے پتے جو ہر
 کو بطور مرنگاں استعمال کرنا چاہتا ہے تاکہ سوائے جلوہ یار کے اور کوئی جلوہ نہ دیکھے۔ دوسرا مطلب شعر سے
 زیادہ موافقت رکھتا ہو اعدادم ہوتا ہے مقوم یہ ہے کہ ان کا جلوہ ہر شے کو چشم حیرت بند دیتا ہے۔

شعر (۵) عشرت یعنی خوشی قتل گاہ یعنی مشاہدہ جمال کی جگہ۔ اہل تمنا یعنی ذوق حجت رکھنے والے
 عشاق آئینہ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا یعنی عشاق کے لئے مصدوق کی تلوار کا بونہ ہونا عید چاند کا کتنا
 کما جاتا ہے کہ مضان المبارک کا چاند دیکھ کر بطور فال تلوار دیکھا کرتے ہیں اسی عریاں شمشیر کو ہلال عید کی طرف منسوب
 کرنا میرزا غالب کی حدت ہے نیز شمشیر سے مطاب باہر ان یار ہیں جنکو ہلال سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے۔
 مطلب ہے ذوق حجت رکھنے والے یعنی عشاق کیلئے ابرئے یار کی خلش یا عریاں شمشیر عید نظارہ ہے جس سے
 آؤ تم سے بھی گلے مل لیں ہم آج اسے حیرتوا

بے بدل عید جو خنجر کف قاتل میں ہے

شعر (۶) داغ تماشے نشاط یعنی حسرت نشاط یا خوشی کی آندہ جو پوری ہی نہیں ہوتی۔ بعد نگ گلستاں
 ہوتا۔ یعنی گلستاں کے بعد پھولوں کی طرح شکستہ ہونا۔ مطلب یہ ہے ہم تو داغ تماشے نشاط دیکر اس دنیا
 سے رخصتم ہوئے۔ یہ تم کیلئے عیش و عشرت کا طوف اٹھاؤ اور پھول پھلو۔

شعر (۷) زخم تماشے حیاں نصیبی یعنی زخم۔ غرق نمکدانی ہوتا یعنی خلش کا زیادہ ہونا۔ مطلب یہ
 کہ ساتھیوں کے دھوکے اور زخم خوردہ جگر کی خلش میں پناہ ملت ہے اس شعر جو حضرت یحییٰ نے اس طبع تبصرہ
 کیا ہے۔ یہ شعر دو لخت ہے اور دو لخت شعر میں اکثر فعل محذوف ہوتا ہے اس خوبی کے ساتھ دونوں مصرعوں
 کو کاٹنے کی قوت ہونا مرزا ہی جیسے کامل فن کا کام ہے معنی شعر کے یہ ہیں کہ دل کے گیاں یک پایے کا زخم تماشے

کھانا باعث عشرت شادمانی ہے اور زخم جگر کا نمکدان میں سرتا پاڑو یا ہونا لذت عشقِ جاہل کریم کی دلیل ہے۔
 شعر (۸) زود پشیمان یعنی جلد پشیمان ہونا والا۔ مگر یہاں مرزا نے بطور طنز استعمال کیا ہے مفہوم
 اصل معنی کے خلاف ہے معنی کار از دست رفتہ پر پشیمان ہونا ہے مطلب یہ ہے اگر میری رفتارگی میں وہ جفا سے
 توبہ کرتے تو میری جان کیوں جاتی اب میرے قتل کے بعد شرمندہ ہونا کار از دست رفتہ پشیمان ہونا ہے۔

آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ! (اقبال)
 صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا؟

شعر (۹) فرماتے ہیں عاشق کا گریبان جس کو ہر حالت میں پھٹ کر تار تار ہونا ہے اسکی قیمت پر
 افسوس ہے کیونکہ عالم و حشر میں جیوں کے ہاتھوں سے، پھر یار میں اور شکی اور بھینپی کی وجہ سے اور وصل میں
 یار کی دست درازیوں سے گریبان کی دھجھکیاں اڑائی جاتی ہیں اور وہ عاشق و معشوق دونوں کی چیرہ میوں کا
 ٹھکانہ ہوتا ہے اور صاحب کے اس اظہارِ عبرت میں ایک قسم کا معنوی تعلیل ہے اس غزل کا مطلع اور
 مقطع دونوں ادو ادب میں بطور اینداز و تمثیل مستعمل ہیں۔

(۱) شبِ خار زوقِ ساقی رست خیز اندازہ تھا ۱ تا محیط بادہ صورت خانہ خمیازہ تھا
 یک قلمِ دشت سے دُرس دفترِ امکان کھٹا ۲ جادہ اجزائے دو عالم دشتِ گامِ شیرازہ تھا
 طبعِ دشتِ خرامیہ سالی کون ہے ۳ خانہ بھنوں صحر اگر دے دروازہ تھا
 پوچھت سوائی انداز استغنائے حسن ۴ دستِ مرہونِ حنا رخسار بہنِ غارہ تھا

نالہ دل نے دیئے اوراقِ بختِ دلِ بیاد

۵۔ یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا

شعر (۱۰) خار یعنی نشہ کا آثار۔ زوقِ ساقی۔ شراب کی آرزو جو ساقی سے وابستہ ہے، مستخیز یعنی مُردہ
 کے اٹھنے کا دان یعنی قیامت محیط بادہ یعنی وہ محیط جس میں شراب تھی اشارہ ہے بوقل یا ساغر کی طرت، صورت

خانہ یعنی وہ شے جس میں صورت نظر آئے، جیسے تصویر کا چوکھٹا، صوت نہ خیازہ تھا یعنی اس میں جہانی کی صورت نظر آ رہی تھی۔ مطلب یہ کہ رات کو ساقی کی توجہ کے انتظار نے حشر و نشر کی کیفیت پیدا کر دی تھی، ہر چیز اٹھتی ہوئی معلوم ہوتی تھی، ہاتھ انگڑائی سے اٹھ رہے تھے۔ شراب جوش کھا کر بوتل یا ساغر سے نکلی پڑتی تھی اور ہر طرف بے چینی کا اظہار ہو رہا تھا۔

شعر (۲) ایک قدم و حشر یعنی جنون محبت کی پہلی منزل یا محبت کا پہلا ہی قدم۔ اس یعنی سبق یا نتیجہ دفتر امکان اوقات عالم ظاہر۔ لفظ جاوہ کو دشت سے ملانا چاہیئے یعنی جاوہ دشت یعنی صحرائے و حشر میں قدم رکھنا، اجزائے دو عالم یعنی رموز ظاہر و باطن جو مکان و مکان سے وابستہ ہیں شیرازہ یعنی رشتہ استوار۔ مطلب یہ ہے جنون محبت کی پہلی ہی منزل نے اور محبت کے پہلے ہی قدم نے ہر دو عالم کی حقیقت واقف کر دیا گو یا صحرائے و حشر میں قدم رکھنا، رموز ظاہر و باطن کے (جو ہر دو عالم سے وابستہ ہیں) اتحاد و اجتماع کا باعث تھا مفہوم یہ ہے کہ جوش عشق سے دونوں عالم کی حقیقت منکشف ہو گئی۔

شعر (۳) مانع یعنی سبک کرنے والا۔ و حشر خروابی یعنی میاں خگی سے چلنا۔ خانہ مجنوں صحرا اگر یعنی جنگل میں پھرنے والے مجنوں کا گھر یہاں مراد جنگل سے ہے۔

مطلب یہ ہے یہی کیلئے جو مجنوں کی کشش محبت سے مجبور ہو کر گھر سے مجنوں کی ملاقات کیلئے محل میں سوار ہو کر جنگل میں گئی تھی اور بخوف غمازی ساریاں یا بہ پاس عصمت مجنوں سے مل نہ سکی تھی شاعر اس قسم کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ مجنوں کا گھر (جنگل) بے دروازہ تھا اور یہی کو روکنے والا وہاں کوئی دربان نہ تھا پھر کیا سبب طالع ہو کہ یہی باوجود کشش محبت کے مجنوں تک نہ جاسکی۔

شعر (۴) انداز استغنا یعنی لاپرواہی اور مستغنی ہونے کا انداز۔ مرمون یعنی احسان مند۔ غاذہ یعنی دسمہ یا پودہ مطلب یہ ہے کہ کھن بھی دراصل بالکل آزاد نہیں ہے بھی آرائش و زیبائش کا غلام ہے جیٹن کی رسوائی نہیں تو کیا ہے استغنا کی شان تو یہ تھی کہ اسے کسی دوسری چیز کی ضرورت نہ ہوتی۔

شعشعر (۵) نالہ دل یعنی اشعار اور اوراقِ لختِ دل یعنی جذباتِ قلب۔ بہادرِ ادب فارسی محاورہ میں بہادر کرنے کو کہتے ہیں مگر یہاں ہوا میں پھیلانا یعنی مشہور کرنا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے مطلب ہے یادگار نالہ یعنی اشعار کی یادگار ایک دیوان ہے شیرازہ اشعار ہے دیوان غالب یعنی خود اپنے اشعار کی طرف کیونکہ اشعارِ ادھر ادھر سے یکجا جمع کئے گئے ہیں، مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میر سے جذباتِ قلب بذاتِ خود میرِ قلب کی شکتی کی آواز میں اور جو بیاضہ میرِ دل سے نکل گئے ہیں وہ دیوانِ بے شیرازہ کی صورت میں بطور یادگار دنیا میں پھیل گئی ہیں

(۱۸) دوستِ مخموری میں میری سعی فرمائینگے کیا ۱ زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بڑھ جائینگے کیا

۲ بے نیازی جیسے گزری بندہ پرور کب تک ہم کہینگے حالِ دل اور آپ فرمائینگے کیا

۳ حضرت ناصح گرامیؒ یدہ و دل فرس راہ کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائینگے کیا

۴ آج داں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں عذیر سے قتل کتنے میں وہ اب لائینگے کیا

۵ گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سعی! یہ جنوںِ عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا

۶ خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں کیوں ہیں گرفتار و قازنداں سے گھیرائینگے کیا

ہے اب اس مہمور سے میں محطِ غم الفت اسد

ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائینگے کیا

شعشعر (۱۹) دوستِ میری مخموری میں کیا کوشش کریں گے۔ اب میرے ناخن تراش کر مرہم لگا دیا ہے اور اپنی

تدبیر پر ناناں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب تک میرا یہ خم بھر گیا میرے ناخن بھی بڑھ جائینگے اور میں پھر زخم کو گہرا کر دوں گا

شعشعر (۲۰) شاعر اپنے معشوق سے مخاطب ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہاری بے نیازی اور استغناء کی کوئی

حد ہونی چاہیے میرا حال متوجہ ہو کر نہیں سنتے اور ہر بار تجاہلِ عارفانہ سے کہتے ہو کہ کیا کیا! اس شور میں کیا

محسوس حکایت ہے جس طرح کسی دوسرے مقام پر کہا ہے

تجاہلِ پیشگی سے مدعا کیا کما نیکائے سراپا ناز کیا کیا؟

شعر (۳۳) اگر حضرت ناصح تشریف لاتے ہیں تو نہایت شوق سے میں لیکن ان کا تشریف لانا بالکل عبث اور بے سود ہو گا کیونکہ میرا عشق ایک ایسے رعب تک پہنچ گیا ہے جہاں نصیحتوں کا کچھ فائدہ نہیں!

شعر (۳۴) تیغ و کفن ہر دو چیزیں موجود ہیں۔ دیکھیں آج میرے قتل کرنے میں کیا عذر کریں گے؟

منہم آل سیر ز جاں گشتہ کہ با تیغ و کفن
(عرفی شیرازی)

تا در خانہ جلا د غزل خواں رستم!

شعر (۳۵) اگر ناصح نے قید کر دیا تو اچھا یہی سہی مگر کیا اس قید سے جنوں عشق جاتا رہے گا (دوسرے

مصرعہ میں استفہام انکاری و استخباری ہے)

شعر (۳۶) ہم زلف مجھ کے غلام نہ زاد میں زنجیر سے کیا بھاگیں گے اور حکم گرفتاری سے کیا

قبضہ میں گئے کہ عفو کے پابند ہیں جو قید سے بھی زیادہ ہے۔

شعر (۳۷) محمود بستی۔ مجازاً دہلی مطلب یہ ہے جبکہ دہلی میں غم الفت و محبت کا نقطہ ہے یعنی ایسے

مشتوق نہیں ہیں جن سے محبت کی جائے اور ہم جو غم الفت کے کھانے کے خوگر ہیں یہاں دہلی میں رہ کر کیا کھا بیٹھے؟

۱۱۹) یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال نہ ہوتا ۱ اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

تسے دلعے پر جیسے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا ۲ کہ خوشی سے مرنہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

تری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا بعد لودا ۳ کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

کوئی میرے دوسے پوچھے تیرے تیرے کش کو ۴ یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح ۵ کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

رگ سنا سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا ۶ جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

غم اگر چہ نسل ہر کہاں سچیں کہ دل ہے ۷ غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

کہ بوس میں کیا ہے شب غم بڑی بلا ہے ۸ مجھے کیا برا تھا مرنے اگر ایک بار ہوتا

ہوئے مر کے ہم جو سیا ہوئے کیونش غرق دریا ۹ نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کیس مزار ہوتا
اسے کون بچھ سکتا کہ لگانا ہے ودیکتا ۱۰ جو روئی کی بو بھی ہوتی تو کیس چار ہوتا

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب

”خجے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا!

شعر (۱) ہماری قیمت میں فصاں یا رنہ تھا اچھا ہوا موت آگئی اگر زندہ رہتے تو اسی طرح انتظار یا رہیں بسر ہوتی۔

شعر (۲) معشوق سے محبت ہو کر فرماتے ہیں اگر تیرے وعدہ کرنے پر ہم زندہ رہے تو یہ سمجھ کر ہم نے
تیرے وعدہ کو جھوٹا سمجھا۔ اگر ہمیں اعتبار ہوتا تو مارے خوشی کے مرجاتے یعنی شادی مرگ ہو جاتی۔

شعر (۳) چونکہ تو نازک ہے اسلئے تیرے عہد کو بھی نازک ہی سمجھا ورنہ اگر وہ مقبول طہ میزنا تو تجھ جیسا
نازک انسان کبھی اس عہد کو نہ توڑ سکتا کیونکہ نازک انسان سے ایسا اہم کام نہیں ہو سکتا۔ پس تیرے عہد
کی کمزوری ہی سے تیری نزاکت ظاہر ہے۔

شعر (۴) تیرے کش۔ وہ تیرے جس کے لئے کمان پڑی نہ کھینچی گئی ہو یعنی آہستہ سے دکھائی دے کہ جو مطلب
ہے کہ تیرے تیرنمائی کی لذت کوئی میرے دل سے چھپے یعنی اسکی لذت سے بس میری دل واقف ہے اور
مگر وہ جگہ کے پار ہو جاتا تو یہ لطف خلش جو مجھے حاصل ہے باقی نہ رہتا کیونکہ عشاق طبعاً ذات پسند
ہوتے ہیں اس لئے جگہ میں رہ جانے والے تیر کو پار ہو جانے والے تیر پر ترجیح دی ہے۔

شعر (۵) یہ کہاں کی دوستی ہے کہ دوست ناصح بن کر ترک عشق کی فرمائش کرتے ہیں اگر دوستی کا دعویٰ
تو میرے درد دل کا علاج کیا ہوتا میری غمگینی کی ہوتی۔

شعر (۶) شرار چنگاری، پتھر میں پنہاں ہوتا ہے۔ غالب کہتے ہیں اگر شرار سنگ مشرا غم کی
مندہ تار رنگ سنگ سے بھی ہو پستاک کہ پھر بند نہ ہوتا۔ یعنی پتھر پر بھی اس غم کا استفادہ اثر ہوتا کہ اس کا
رنگ بد ہو جاتا۔ دل میرا آگ جھپ سکتی ہے مگر غم نہیں چھپ سکتا۔

شعر (۷) غم اگرچہ جان کا گھلا دینے والا ہے مگر اس سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا اس لئے کہ
در موجود سے اور دل کا خاصہ رنج و غم ہے اور وہ اس سے کبھی خالی نہیں رہ سکتا اس لئے غم عشق ہی عنایت
ہے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا کے دیگر افکار کا رنج لاحق ہوتا۔

شعر (۸) کس سے کہوں اور کیا کہوں کہ شب غم کیا شے ہے اس گھڑی گھڑی کے مرنے سے تو یہ بہتر
ہے کہ ایک مرتبہ مکرر اس عذاب سے نجات پا جاتا۔

شعر (۹) جنازہ اٹھنے اور مزار بننے سے بدنام کر دیا اگر ڈوب مرتے تو کیا اچھا ہوتا۔

غرقتہ بحیریم مارا از دیار ما میرس
فقدہ کام نہنگیم از مزار ما میرس

شعر (۱۰) اگر ذات و احادیث دوئی ہوتی تو کہیں نہ کہیں وہ کسی کو ضرور دکھائی دیتا۔ اس شعر میں حضرت
غالب نے سلسلہ وحدت خداوندی کو شاعرانہ اور فلسفیانہ حیثیت سے ثابت کیا ہے بقوم یہ ہے کہ ذات باری
ہر لحاظ سے عمل و یکتا اور بے چون و چگون ہے اس لئے اس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اگر اس میں دوئی کا
شائبہ بھی ہوتا تو ضرور کہیں نہ کہیں نظر آتا۔

شعر (۱۱) غالب تو نے جو یہ مسائل تصوف بیان کئے ہیں۔ یہ ایسے ہیں کہ اگر تو شراب خوار نہ ہوتا
تو یقیناً ہم تجھے دل تصور کرتے۔

۲۰۰ ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا ۱ نہ ہو مرنے تو جینے کا ہنر کیا
تجاہل پیشگی سے مدعا کیا ۲ کہاں تک اے سر اپنا ز کیا کیا
نوازش ہائے بیجا دیکھتا ہوں ۳ شکایت ہائے رنگیں کا گلا کیا
نگاہ بے محاسب چاہتا ہوں ۴ تغافل ہائے تمکین آزا کیا
فروغ شعلہ نفس یک نفس ہے ۵ ہوس کو پاس ناموس وفا کیا

- نفس موج محیط بخودی ہے ۶ تغافل ہائے ساقی کا ٹھکا کیا
 دماغِ حوا پر اس بن نہیں ہے ۷ غم آوارگی ہائے صبا کیا
 دل ہر قطرہ ہے سازِ آنا بھر ۸ ہنم اسکے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
 محبا کیا ہے میں ضامنِ ادھر دیکھ ۹ شہیدانِ نگہ کا خونہسا کیا
 سن اے غارت گر جنسِ فاس ۱۰ شکستِ حیاتِ دل کی صدا کیا
 کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ ۱۱ شکیبِ خاطر عاشق بھلا کیا
 یہ قاتل و عدو صبرِ زما کیوں ۱۲ یہ کافر فتنہ طاقتِ ربا کیا

پلٹے جاں ہے غالب اسکی ہر بات

عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

مشعر ۱۱ نشاط۔ الشاک، نشاط کار۔ کام کرنے کی اُمید۔ مطلب ہے کہ دنیا میں جو کچھ چل پل ہے وہ ہر بات اس یقین کی بدولت ہے کہ یہاں رہتے کا زمانہ بہت تھوڑا ہے یہ انسانی ایک طبعی خصالت ہے کہ جس قدر فرصت قلیل ہوتی ہے اسی قدر وہ زیادہ سرگرمی سے کام کو سر انجام دیتا ہے اور جس قدر زیادہ فرصت ملتی ہے اسی قدر کام میں تاخیر و رسل نگاری زیادہ کرتا ہے پس اگر موت ہوتی اور ہمیشہ زمرہ ہونا ہوتا تو جینے کا لطف جاتا رہتا کیونکہ نہ تو یہ جوش و سرگرمی ہوتی اور نہ دنیا میں رونق نظر آتی۔ ریا و نگار غالب، مشعر ۱۲ یعنی میرا حال سن کر تم کب تک کیا کیا کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرو گے۔ آخر اس بتاہل جانندہ سے تمہارا مطلب کیا ہے؟

مشعر ۱۳ نواز شہاٹے بچاؤ جو رقیب پر ہوں۔ شکایت ہائے رنگیں وہ شکایات جو بلجہ محبت کی جہتیں مطلب ہے کہ آپ جو رقیب پر سجا عنایتیں فرماتے ہیں اور میں نہیں دیکھ کر شکایت کرتا ہوں تو آپ جیسے سے گلہ کیوں کرتے ہیں جب رقیب پر قہرات ہو تو میری شکایت سے کیوں بڑا مانو، دنگلہ کرو۔

شعر (۴۸) نگاہ بے محابا۔ نگاہ بے تکلف و بے حجاب۔ توفیق تمکین آ رہا۔ ایسا تغافل و چشم پوشی۔

جس سے رباب شوق کے صبر و استقامت کا امتحان لیا جائے مطلب ہے کہ میں چاہتا ہوں آپ مجھ پر بے تکلفانہ نظر ڈالیں مگر آپ تغافل سے کام لیکر میرے صبر و تحمل کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔

شعر (۴۹) یوں کو عشق کا ذب۔ اور تاپا نڈا رہوئے کی بنا پر شدہ خس سے تشبیہ دی ہے جسکی روشنی

دم بھر سے زیادہ قائم نہیں رہ سکتی مطلب یہ کہ رقیب کا عشق بے محنت نہیں ہوسکتا ہے اسکی محبت حدِ خس

کی طرح بے ثبات ہے بھلا اس بڑا لہوس کو ناموس قاکا کیا خیال ہو سکتا ہے یہ شعر رقیب پر طنز آکا ہے

شعر (۵۰) ہماری ہر سانس دیا ہے بخود کی ایک سوچ ہے یعنی ہر لمحہ بیہوشی کا رعبہ ہوتا ہے اگر ساقی

عطا ہے نراب میں تغافل کرتا ہے تو ہم کو کیا شکایت ہو سکتی ہے ہمیں تو اسکی صورت دیکھ کر بخود ہی ہلاتی ہے

شعر (۵۱) عطر پیراں سے مراد عطر پیراں عشوق ہے مطلب یہ ہے کہ گریبا کی آواز کی کے سبب

پیراں یاد کے عطر کی خوشبو پریشان ہو جاتی ہے تو ہمیں اس کا کیا غم یعنی غم تو اس حالت میں ہو سکتا تھا۔

جب کہ ہم کو اس کے سینے کے کا دماغ ہوتا۔

شعر (۵۲) انا البحر میں دریا ہوں۔ ہمارا پیر چھنا کیا ہے یعنی ہم بہت بڑی چیز میں مطلب یہ ہے کہ

ہر قطرے کے دے انا البحر میں دریا ہوں کا نغمہ نکل رہا ہے چونکہ پانی کا ہر قطرہ دریا میں مل کر دریا بن جاتا ہے

اس بنا پر ہر قطرہ دریا ہونے کا دھننے کر رہا ہے اسی طرح ہم کو بھی اپنے مبداء کے ساتھ عبودیت کا دعویٰ ہے

کیونکہ ہم اسی بحر بیکراں (ہستی نامحدود الہی) کے ایک جزو ہیں۔

شعر (۵۳) تجھے ڈر ہے کہ اگر تو میری طرف دیکھے گا تو میں مرجاؤں گا مگر میں تجھے خوف نہ کرنا چاہتا

میری طرف دیکھ اگر میں شہد نگاہ ہو گیا تو ذمہ لیتا ہوں کہ تجھے خوشنما نہ دینا پڑے گا کیونکہ قتل نگاہ خوشنما نہیں آتا

شعر (۵۴) غارت گر جنس مٹا۔ بیونا۔ بے مہربانیاں دنیا کی بقید دی کر مورا مراد ہے یعنی تو جو بہ کتنا

بے درمہیں شکستوں کی خبر نہیں تو کیسے شکستوں میں آواز بھی ہوتی ہے جو تجھے سناؤں گے شکست کی شکست

قیمت دل سے قبیر کیا ہے اور اس لئے جنس و نجات اس کے مناسبات ذکر کئے ہیں۔ دوسرے معنی اس کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ شکست دل کی صدا تھجے اچھی معلوم ہوتی ہے تو دل شکنی کئے جا۔ بھلا دل کی درد صدائے شکست دل کی حقیقت کیا ہے۔ ہمیں تو تیری خوشی منظور ہے۔

شعر (۱۱) جگر داری، صبر استقلال۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ تمہاری فرقت میں صبر کر سکوں گا یا مجھے چین آجائے گا۔

تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا کس کو ہے دعویٰ شکیبائی کا؟ (حالی)

شعر (۱۲) اوقاتِ اقداسیاء وعدہ کیوں کرتا ہے جس میں میرے ضبط کا امتحان ہو میرے نزدیک تو یہ ایک وعدہ صبر آزمایہ ہے مگر میرے لئے یہ ایک فتنہ طاقت ربا ہے۔ (طاقت کو رائل کرنے والا)

شعر (۱۳) اے غائب الہ کی ہر بات بلائے جان ہے۔ خواہ عبارت ہو خواہ، نجات و ادا ہو۔ جان لینے میں یہ سب ایک درجہ پر ہیں۔

زفر قتابہ قدم ہر کجا کہ سے نگرم! (نظری)

کرمہ دامن دل میکشہ کہ جا اینجاست! ۱ پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیانہ ہوا
۲ آئے پھر آئے در کعبہ اگر وانہ ہوا
۳ روبرو کوئی بت آئینہ سیما نہ ہوا
۴ تیرا ہمیار بڑا کیا ہے گرا چھانہ ہوا
۵ خاک رزق ہے وہ قطرہ جو دریانہ ہوا
۶ کام میں میرے ہے وہ قدنہ کہ بریانہ ہوا
۷ حمزہ کا قفقہ ہوا عشق کا چرچانہ ہوا

(۲۱) درخویرہ و غضب جب کئی ہم سانہ ہوا
بندگی میں بھی وہ آزادہ خود میں ہیں کہ ہم
سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا
کم نہیں نازش ہم نامی چشمِ خواں
سینہ کا داغ ہے نہ نالہ کہ لب تاک گیا
نام کا میرے ہے وہ دکھ کہ کسی کو نہ ملا
ہرین مو سے دم ذکر نہ ٹپکے خوناب

قطرے میں جھڑکھائی نہ دے اور جزو میں کھس لڑکوں کا بیٹا دیارہ بنیانہ ہوا

نتی خبر گرم کہ غالب کے اگس گئے پھر سے
دیکھتے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا!

شعر (۱۱) در خور قہر و غضب، معشوق کے قہر و غضب کا سروار۔ مطلب ہے کہ جب ہمارے برابر کسی پر قہر و غضب نہیں کیا گیا تو پھر ہمارا کتنا کیا غلط ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہو اور یعنی ہم عشق میں بیکتا نہ رہیں۔
شعر (۱۲) ہم عبادت و بندگی میں بھی آزاد نش و خود دار ہیں اگر خانہ کعبہ دروازہ بند دیکھا تو وہاں سے واپس چلے آئے، اس شعر میں شاعر نے اپنی آزادگی اور خود داری کے پردے میں کعبہ کی عظمت و بزرگی بیان کی ہے کہ وہ ایسی بارگاہ رفیع ہے کہ اس کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا اور جس کا باب فیض ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔

شعر (۱۳) بت۔ معشوق۔ آئینہ سیار۔ بت کی صفت ہے۔ سیما یعنی پیشانی۔ مطلب ہے کہ تیرا مقابل کوئی نہ ہو سکا اور ہر ایک نے تیری بیکتائی جس کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا۔ اس شعر میں حدت و جود کو بیان کیا،
شعر (۱۴) چشم خوباں (معشوق) کی بھی صفت بیمار ہے پس بیمار عشق ہونے میں فخر منامی کا حامل ہونا ظاہر ہے۔ چشم معشوق کو نرگس بیمار اور چشم بیمار کہتے ہیں،

شعر (۱۵) سینہ کا داغ ہے، باعث سناں سینہ ہے خاک کا رزق ہے یعنی رنگاں ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو قطرہ آب و یا ناک نہیں پہنچتا وہ جذب خاک ہو کر ضائع ہو جاتا ہے اور مٹی پر ایک داغ پیدا کر دیتا ہے اسی طرح جو نالہ لب تک نہیں آتا اس کے ضبط کرنے سے سینہ میں داغ پڑ جاتا ہے۔

شعر (۱۶) محبت کا وہ دکھ جو کس کو نہ ملا میرے لئے مخصوص کر دیا گیا اور وہ فتنہ جو دنیا میں نہیں اٹھا میرے واسطے مصیبتیں جمع کر رہا ہے یعنی میرے درپے ہے۔

شعر (۱۷) اس شعر میں استفہام انکادی ہے یعنی عشق کا تذکرہ کیا جائے اور آنکھوں کے خون نہ ٹپکے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے اگر ایسا ہوتا تو یوں کیسے کہ وہ انسان عشق کا ہے کو ہے داستان امیر حمزہ ہے داستان امیر حمزہ

واقعیت نہیں رکھتی اس لئے اس کے رزم بزم اثر سے خالی ہیں)

شعر (۸) دیدہ بدیا یعنی نگاہ عادت۔ کچھ لڑکوں کا کھیل نہیں ہے کہ اُسے قطروں میں دریا اور جزو میں
نل دکھائی نہ دے یعنی دیدہ عادت ضرور جزو میں نل کا ملاحظہ کرے گا۔
شعر (۹) مشہور خبر تھی کہ غالب کو سزا دی جائے گی اور اس کے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں گے۔ یہ
تماشا دیکھنے ہم بھی گئے تھے مگر افسوس یہ تماشا نہ ہوا۔

(۲۲) اسد ہم وہ جنوں جولاں گداٹے بے سرو پا ہیں

کہ ہے سرخسٹہ مٹرگاں آہو پشت خار اپنا

شعر (۱۱) جنوں جولاں، جنوں رکھنے والا۔ جولاں۔ گڈنا۔ پشت خار۔ ایک آلہ جس میں ہاتھی دانت یا ٹیے
کا پنجہ کسی تپتی گول لکڑی یا لہے پر لگاتے ہیں۔ مطلب ہے کہ مجھ میں اتنی وحشت ہے اور میں ایسا بے سرو سامان مجنون
فیقر ہوں کہ میرے پاس پشت خار تک نہیں جس سے میں اپنی پیٹھ کچھلا سکوں چونکہ میں جنوں میں دوڑا دوڑا
پھرتا ہوں اور اس دوڑ میں ہرن بھی مجھ سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور ان کا سر پنجہ مٹرگاں میری پشت کو لگتا ہے
اور وہی پشت خار کا کام دیتا ہے پنجہ میں اور مٹرگاں میں اور پشت خار میں جو وجہ تشبیہ ہے وہ ظاہر ہے یعنی شکل
تینوں کی ایک سی ہے۔ مٹرگاں کو پہلے پنجہ سے تشبیہ دی پھر پنجہ کو پشت خار سے۔

(۲۳) ۱۔ پٹے نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا ۱۔ بخوں غلطی دہ صد رنگِ عویٰ پارسائی کا

۲۔ نہ ہر جن تماشا دوست رسوا ہے ورنائی کا ۲۔ بہ ہر صد نظر ثابت ہے عویٰ پارسائی کا

۳۔ زکوٰۃ حسن دے اے جلوہ بندیش کہ ہر سا ۳۔ چراغ خانہ درویش ہو کا سٹہ گدائی کا

۴۔ نہ مارا جان کہ بھرم قاتل تیری گردن پر ۴۔ رہا مانند خون بیگنہ حق آشنائی کا

۵۔ تمنا ہے باں جو سیاس بے زبانی ہے ۵۔ مشاجس نقاضا شکوہ بے دست و پائی کا

۶۔ وہی اک بات جو یا نفس ان نگویت گل ہے ۶۔ چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں توانی کا

وہاں بہت پیغاراہ جو زنجیر رسوائی ، عدم تک بیوقوف چاہے تیری بیوفائی کا

نہ سے نامہ کو اتنا حیل غالب مختصر لکھ سے

۸۔ کہ حسرت سنج ہوں عرض ستمہائے جدائی کا

شعر (۱) بخشش اپنی کئی نذر کے واسطے ہمارے پاس صرف شرم نارسائی کا تحفہ ہے۔ دوسرے

میرے میں تحفہ کی تشریح کر دی ہے یعنی ہمارے پاس اس عوی پارس کا تحفہ ہے جو سورنگ خون میں غلطی ہے
پہلے میں مرتبہ گنہوں کے ہاتھ بھڑک چکا ہے۔

شعر (۲) حسن تماشا دوست۔ وہ جس سے یہ پسند ہو کہ لوگ اسے دیکھیں مطلب ہے کہ اگر کو میرے

عناد و دوسرے کو بھی اپنا نظر لگی حسن ناپسند ہے تو اس سے شریکست عہد و ریہائی کا الزام نہیں لگا یا جو سکتا کر سکتا ہے

دیکھنے والوں کی نظر میں گویا نہیں ہیں جس کی پارسائی کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے لانا طباہی اس شعر میں طنز کا

مناظرے میں در فرماتے ہیں کہ شاعر مشوق آورہ مزاج پر طعن کرتا ہے کہ بھلا تمہیں کون بیوفا کہہ سکتا ہے اگر کو میرے

کی ہر تہ پر پڑی تو گویا سوہن جو گیس کہ تم پارسا ہو اس طعن کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ تم خدا دوست ہو کر دروغیاد

نامک جھٹاک کر کے پارسائی گجا اور خیانت و بیوفائی کی رسوائی و بدنامی سے کہاں بچ سکتے ہو۔

شعر (۳) جلوہ بنیش مراد معشوق۔ ہر آسا۔ مانند آفتاب مطلب ہے کہ اے معشوق زکوۃ حسن اور اگر

تاکہ فقر کا کا سہ گدائی، سیا چراغ بجائے جو مہر آفتاب۔ بولنا طباہی کے نزدیک گدائی دل سے ستارہ

ہے کہ کہتے ہیں۔ اے جلوہ بنیش! میرے کشکول دکھو زکوۃ عرفان دیکھو روشن کرے کہ فقر کیلئے وہ چراغ

بہت ہو جائے اور آفتاب کی طرح شب تاریک جہالت کو دن کر دے۔

شعر (۴) حق آشنائی۔ دوستی و محبت کا حق مطلب ہے کہ قتلے ایک شاق قتل کو مجرم سمجھ کر قتل کیا

اور خیال کیا کہ یہ گناہ ہے اس کا خون کون اپنی گردن پر سے مگر یہ نہ سمجھا کہ حق آشنائی اسی طرح تیری گردن پر

رہے گا جس طرح خون بے گناہ گردن پر رہ جاتا ہے۔

شعشعر (۵) اتنا تڑپے زبان یعنی آرزوئے عرض تھا۔ جو سپاس، شائواں، بے زبانی۔ خاموشی بے دست پائی
 بے سرکامانی، مطلب یہ ہے کہ زبان کی تناسل میں مشغول ہے کہ اسکو قیمت بے زبانی عطا ہوئی۔ کیونکہ بے
 زبان ہونے کی وجہ سے بے سرکامانی کے شکوے کے تقاضے سے نجات مل گئی اور درجہ تسلیم و رضا نصیب ہوا
 اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زبان کی تناسل اس بات کا تقاضا کر رہی تھی کہ بے سرکامانی کا شکوہ
 کہے انکو رحم کی ترغیب دی جائے مگر چونکہ انکو میری بے سرکامانی دیکھ کر خود بخود رحم آگیا اسلئے تنائے زبان
 بے زبانی کا شکریہ ادا کر رہی ہے کیونکہ اسکی وجہ سے اس کا مقصد پورا ہو گیا۔

شعشعر (۶) نفس بہنی غزل سرنی نگہت گل، پھولوں کی خوشبو۔ مطلب یہ ہے کہ رنگینی چمن اور جوش بہار
 سے میرے دل میں شاعری کی امنگ پیدا ہوتی ہے اور یہی ایک چیز نگہت گل کا بھی باعث حاصل یہ ہے کہ میرا
 نفس نگہت گل سے کم نہیں کیونکہ علت دونوں کی ایک ہے۔ جلوہ چمن سے مراد فصل بہار اور جوش گل ہے۔
 شعشعر (۷) ہنیرہ۔ ہن طعن، ہریت پیغارہ جو یعنی ہر وہ معشوق جو ہن طعن کرنا چاہتا ہے از بخیر رسوائی۔
 حسد بدنامی، یعنی ایک باگ دوسری بان تک نامی کی کردی مینی جلتی چلی جاتی ہے۔ وہ م معشوقوں کا ہن مطلب
 یہ ہے کہ تیرے ہر ایک حسین گئے میں شکوہ ہے اور ہر ایک حسین کا ہن گویا ایک ہلفہ پنے اور بہت سے حلقوں کے
 زنجیر بنتی ہے تو اس طرح گویا ایک زنجیر رسوائی بن گئی ہے جو تیری نیکنامی کے پاؤں میں پڑ گئی ہے دوسرے منہ
 میں نہ اپنے خیال کو اور بلند کرتا ہے اور کہتا ہے کہ معشوق کا گنہہ معدوم ہے اور تیرا شکوہ ہر ایک معشوق
 کے ہن میں ہے تو لازم ہو کہ تیری بیوفائی کا چرچا عدم تک ہے۔

شعشعر (۸) غائب نامہ کو اتنا طول نہ لے اور مختصراً اتنا لکھ دے کہ تمہارے فراق بیان کرنے
 کی حسرت دل میں رکھتا ہوں حسرت سنج ہوں یعنی حسرت رکھتا ہوں۔

۱۔ گم نہ اندوہ شب فرقت بیان ہو جائے گا ۱ بے تکلف دلغ مہر دہاں ہو جائیگا
 زہرہ گرا سیاہی شام ہجر میں تپا ہے اب ۲ پر تو مہتاب سیل خامشاں ہو جائے گا

۳۔ ایسی باتوں سے وہ کافر بدگمان ہو جائیگا
 ۴۔ یعنی یہ پہلے ہی نذر امتحان ہو جائیگا
 ۵۔ مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا
 ۶۔ شعلہ خن میں جیسے خوں گہ میں نہاں ہو جائیگا
 ۷۔ ہر گل تر ایک چترم خونفشاں ہو جائیگا
 ۸۔ اب تلک تو یہ توقع کہ وہاں ہو جائیگا
 ۹۔ دوستی ناواں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا
 شعر (۱) اندوہ - رنج و غم - مہر دہاں - مہر خاموشی - دلغ ماہ کو با اعتبار سیاہی و شبابت مہر سے تعبیر کیا
 مطلب ہے کہ اگر شب بھیر کا سوز و غم بیان کر سکوں تو یہ سمجھنا چاہیے کہ چاند کا داغ میرے لئے گویا مہر خاموشی بن گیا تھا
 نوٹ :- اس شبِ فرقت کے اندوہ کی طرف اشارہ ہے جو شبِ ماہ میں تھی، در عشاق کے
 لئے یہ شبِ محرکات جذبات میں سے ہے۔

شعر (۲) زہرہ آب ہونا - پتہ پانی ہونا مطلب ہے کہ شام بھیر کی ماہیت ہر ایک کا پتہ پانی کر دیتی ہے،
 نو کیا جو بچ کہ چاندنی کا پتہ بھی پانی ہو جائے اور صورتِ سیلاب اختیار کر کے میرے گھر کو بہا لے لے بہنوم
 یہ ہے کہ شامِ جدائی میں وہ چیزیں جو نشاط افزا ہوتی ہیں وہ بھی باعثِ تکلیف بن جاتی ہیں۔
 شعر (۳) اس شعر میں شاعر اپنی محبت کو بے لوث اور بے غرض ثابت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ
 معشوق خوابِ راحت میں ہے اور اس حالت میں میں اس کے پاؤں کا بوسہ لے تو سکتا ہوں۔ لیکن ڈر ہے کہ
 کہیں وہ مجھ سے بدگمان نہ ہو جائے اور مجھے بواہوں میں خیال کرے۔
 شعر (۴) فرماتے ہیں ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ دل کو راہ و نایاں صرف کرینگے۔ لیکن کیا معلوم تھا کہ
 یہ پہلے ہی معشوق کے استحقاق کی نذر ہو جائے گا۔

شعر (۵) فرماتے ہیں ہر اکبرؑ ان میں تیری جگہ ہے، تمام عالم تجھ سے محبت کرتا ہے اگر صرف تو تجھ سے بعض ہو گیا تو سارا زمانہ مجھ سے راضی ہو جائے گا یہ شعر تصوف کے نگ میں ہے اور شاعر نے اس میں اس محاورہ کی وجہ وجہ بیان کی ہے "خدا ہر بان تو سب ہر بان" سے

سائیں نکھیاں پھیریاں تو بیری ملک جہاں
ملک اک جھولا ہر کا تو لا کھوں کہیں سلام (اسی)

شعر (۶) نگاہ گرم معنی نظر عتاب جس معنی گھاس مطلب ہے کہ اگر آپ کی نظر عتاب سی طرح ضبط نادر واد کی تعلیم تھی رہی جیسے کہ مجھ کو دے ہی ہے تو اس کا اثر یہ لازمی ہے کہ شعاعہ آتش جس خشاک میں اس طرح پختہ ہو جائے جس طرح خون رگوں میں چھپا ہوا ہے مفہوم یہ ہے کہ عشق مانند شعاعہ ہے اور دل مثل جس ہے محض تیرہ نگاہ عتاب کی تعلیم ضبط سے میں اس شعاعہ (عشق) کو دل (جس) میں چھپائے ہوئے ہوں سے

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

شعر (۷) فرماتے ہیں میرا حال ایسا خراب ہے اور میری حالت ایسی زار ہے کہ اگر تو مجھے باغ میں بجا لے گا تو ہر پھول میری حالت کو دیکھ کر خون کے آنسو بہائے گا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ سبز باغ بجائے تفریح کے بے لطف ہو جائے گی۔

شعر (۸) فرماتے ہیں اب تو میں اس موقع پر تیرے ظلم و جور کو برداشت کر رہا ہوں کہ حشر کے دن میرا تیرا نصیب خدا کے سامنے ہو گا اور میری مظلومی کی دلدل جائیگی۔ اگر خدا نخواستہ وہاں بھی نہ ہو۔ تو پھر مجھ پر قیامت گزر جائے گی۔

شعر (۹) فرماتے ہیں۔ اسدا! تو بھی تو خود دانا ہے خیال کر! اس دوستی میں کیا فائدہ ہے منں منہور ہے نادان کی دوستی جی کا زبان "۔

(۲۵) دردِ منت کش ہو نہ ہو ۱ میں نہ چٹا ہوا میرا نہ ہوا
 جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو ۲ اک تماشا ہو اگلانہ ہو
 ہم کہاں قیمت آزانے جائیں ۳ تو ہی جب خنجر آزمانہ ہو
 کتنے شیریں ہیں تیرے کہ رقیب ۴ گالیاں کھا کے بے مزانہ ہو
 ہے خبر کہم ان کے آنے کی ۵ آج ہی گھر میں بوریانہ ہو
 کیا وہ غرور کی خدائی تھی ۶ بندگی میں میرا بھلا نہ ہو
 جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ۷ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو
 زخمِ گردوب گیا لہو نہ بھٹا ۸ کامِ گردِ گسارو نہ ہو
 رہتے ہیں کہ دستاویز ہے ۹ بے کے دل دلتاں رہو نہ ہو

کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالبِ غزل سرا نہ ہو

-۱-

شعر (۱) منت کش ہونا۔ احسان مند ہونا۔ فرماتے ہیں میں اچھا ہوا تو کچھ جرن ہوا اگر میں چھا
 سو جاتا تو مجھے دوا کا احسان نہ ہونا پڑتا حالانکہ کسی کا احسان میری طبعِ غیور کو پسند نہیں۔ س

نہ پکڑیں دامنِ الیاس گردِ آبِ بلا میں ہم

کہ بدترِ ڈوب مرنے سے ہے جینا اس سے کا

شعر (۲) فرماتے ہیں میں آپ سے آپ کی بے تمنائی کا گلہ کرتا ہوں تو آپ رقیبوں کو
 کیوں جمع کرتے ہیں میرا گلہ نہ ہو بلکہ ایک تماشا ہو گیا۔

شعر (۳) ہم اپنے مقدر کی آزمائش کرنے کہاں جائیں جب تو نے ہی اپنے خنجر کو ہماری
 گردن پر نہ آزمایا یعنی ہماری خواہشِ شہادت کو پورا نہ کیا۔

شعر (۴) فرماتے ہیں۔ تیرے لب بہت میٹھے ہیں کہ رقیب کی گستاخی پر تو نے اُسے گالیاں بھی دیں مگر وہ اُن سے بے مزہ یعنی ناراض نہ ہوا۔ شیریں کھانا۔ مزہ وغیرہ نہایت مناسب الفاظ ہیں جو ایک شعر میں جمع کر دیئے ہیں اور اسی کا نام حسن شاعری ہے۔

شعر (۵) فرماتے ہیں۔ آج ان (مشتوق) کے آنے کی خبر گرم تھی لیکن میری بے سرو سامانی کی یہ کیفیت ہے کہ اور دن خیر پوریا تو ہوتا تھا آج پوریا بھی نہیں ہے۔

شعر (۶) مرزا صاحب نے اس شعر میں عجیب شوخی برقی ہے جو کہیں دیکھنے میں نہیں آئی یہ شعر اور اسکے بعد کا شعر دونوں بیت الغزل ہیں فرماتے ہیں میری بندگی کیا فرد کی خدائی تھی کہ اس سے مجھ کو سوا نقصان کے کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ یہاں بندگی سے مراد عبادت نہیں بلکہ عبودیت ہے۔ بندگی پر فرد کی خدائی کا اطلاق کرنا بالکل نئی بات ہے (یادگار غالب)

شعر (۷) فرماتے ہیں اگر میں نے اپنی جان جان آفریں کے پسر رک دی تو اس میں کون سی فخر کی بات ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم اس کا حق کچھ بھی ادا نہ کر سکے

سچے تھے جن کو لوگ ہمارا نہیں کا تھا
کچھ غل مچا تو یہ بھی اشارا نہیں کا تھا

شعر (۸) فرماتے ہیں۔ کام جب رُک جاتا ہے تو رو نہیں ہوتا اس لحاظ سے زخم کے دب جانے پر چاہیے تھا کہ وہ بھی رواں نہ ہوتا لیکن یہاں ایسا نہیں ہوا اور زخم کے دب جانے پر بھی لہو جاری ہے۔ اس شعر میں اپنی بدنصیبی کا اظہار نہایت سادگی سے فرمایا ہے،

شعر (۹) فرماتے ہیں یہ انداز رہنری ہے یا طریق دستیابی کہ معشوق دل لیتے ہی غائب ہو گیا۔ اس شعر میں شاعر نے قافیہ معمولہ استعمال کیا ہے اسے متقدمین نے عجیب شعر میں شمار کیا تھا لیکن نصائحے متاخرین کے نزدیک یہ حسن شعر ہے۔

شعرا (۱) کہتا ہے کہ ایک مشاعرہ تلو علی میں کسی شاہنشاہ کے محل پر منعقد ہوا تھا مرزا صاحب نے جس اتفاق سے صبح میں غزل نہ کہی تھی جب احباب کا اصرار جس سے متجاوز ہو گیا تو یہ غزل غیر طرح پڑھ دی۔ مقطع پہلے سے اس مضمون کا کہہ دیا تھا۔

۱۔ گھر میں سو ہوا اضطراب دریا کا
۲۔ یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب
۳۔ خنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی
۴۔ دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا
۵۔ غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو
۶۔ ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں
۷۔ دل اس کو پہلے ہی ناز و اداسے بیٹھے
۸۔ نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرت دل ہے
۹۔ فکک کو دیکھ سکے کہ میں ہوں اس کو یاد اس

۸۔ جفا میں اس کی ہے انداز کار فرما کا

شعرا (۱) فرماتے ہیں۔ میرا شوق اندازہ ہے کہ وہ میرے دل میں نہیں سما سکتا اور تنگی جانی شکایت کزن ہے حالانکہ میرا دل تناو وسیع ہے کہ دونوں عالم اس میں سما سکتے ہیں اور یہ واقعہ ایسا ہے کہ جیسے ایک موتی میں دریا کا تمام اضطراب (طوفان) سما جائے کہ کہہ کر دل سے اور شوق کو اضطراب کیا سے مثلاً کہ ہے شعرا (۲) پاسخ مکتوب میں جواب خطہ خامہ فرمائی یعنی نکلتا، تحریر کرنا۔ فرماتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ تو مجھے جواب خط نہ دیگا لیکن کیا کروں ذوق خامہ فرمائی سے مجبور ہوں یعنی چہرہ ناپا رنگ تھا ہی پڑتا ہے۔ شعرا (۳) بہار کو بوجہ رنگینی زود منائی خنائے پائے خزاں سے تشبیہی، فرماتے ہیں اگر بہار ایسی ہی وہ فنا و ناباں ہے تو بہار ہی کیا ہے جکی رنگینی رنگ حسنا کی طرح چند روز میں ذائل ہو جاتی ہے۔ دو شعر مصرع

شعر (۱) اس شعر کی شرح شارحین کلام غالب نے مختلف طریق پر کی ہے لیکن قابل توجہ شرح وہ ہے جو حضرت طباطبائی اور مولانا حسرت نے فرمائی ہے، طباطبائی صاحب فرماتے ہیں: ”گنگی، دبستگی، تسکی و ضبط نفس“ حیرت کے لازم ہیں اور جب ہر قطرے میں حیرت کے سبب یہ صفات پیدا ہوئے تو وہ موتی بن گیا اور بہا میں میر جو لکیر تھی وہ عقد مروارید بن گئی اس بیان سے صرحت حیرت کی شکرگت کا رویہ کا نہر مقصود ہے لیکن یہ مضمون کہ یہ حیرت حسن ساقی کو دیکھ کر پیدا ہوئی مصنف کے ذہن میں رہ گئی۔

حسرت صاحب فرماتے ہیں: ”جب ساغر مے لب یار سے ملا تو قطرہ ہائے نئے قرط حیرت سے بھجھ بھجھ گئے اور گوہر بن گئے اور خط جام رشتہ گوہر کی مانند ہو گیا۔“

اسی صاحب کی رائے ہے کہ طباطبائی صاحب نے اس شعر کی شرح میں بالکل پیدائہ قدس میں معنی پہنا کر مصنف کو المضمون فی بطن شاعر کا الزام دیا ہے اور کئی الفاظ بیکار چھوڑ دیئے اور حسرت صاحب کی شرح میں بھی وہ باتیں ہیں جن کا ثبوت الفاظ شعر سے نہیں ملتا۔ اسی صاحب فرماتے ہیں: ”میر خیال یہ ہے کہ مصنف یہ لکنا چاہتا ہے: ”قطرہ مے کا کام حیران کرنا ہے اور وہ حیرت نفس پرور اور روح پرور ہے خط جام مے کو اس کو روح پروری نے رشتہ گوہر بنا دیا ہے اس سے فقط طرح شراب مقصود ہے۔“

میرے خیال میں اسی صاحب نے جو اعتراض طباطبائی اور حسرت پر کیا ہے وہ نقص خود انکی اپنی شرح میں بھی موجود ہے مولانا حسرت کی شرح نہایت ترین قیاس ہے۔ اور اسی صفا کا اعتراض درست معلوم نہیں ہوتا میر و حیدر ابن سنجو دہلوی نے اس شعر کی شرح خود مرزا غالب کے ایک خط سے نقل کی ہے مرزا صاحب فرماتے ہیں ”قصارہ جو ٹپکنے میں بے اختیار ہے فراط حیرت سے ٹپکنا بھول گیا اور برابر بوندیں جو ختم کر رہ گئیں تو پیاٹے کا خط اس رائے کی صورت بن گیا جس میں موتی پر مے گئے ہوں۔“

شعر (۲) فرماتے ہیں: ”مشتوق کو میرے عشق صادق کا یقین ہے اور اس قدر اعتبار ہو گیا ہے کہ اگر غریب کبھی کوئی کہتا ہے تو مشتوق خوف روائی سے مجھ پر خفا ہوتا ہے اور غیر کی طرف اس گمان بھی نہیں جاتا۔“

(۲۸) جب بہ تقدیر سفر یار نے حمل باندھا ۱ تپش شوق نے ہر ذرہ پاک دل باندھا
 اہل تپش نے بہ حیرت کدہ شوخی و ناز ۲ جو ہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا
 یاس و امید نے اک عریہ میدان مارا ۳ عجز ہمت نے طلسم دل سائل باندھا
 نہ بندھے تشنگی شوق کے مضمون نکالے

۴۔ گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

مشعر (۱) فرماتے ہیں جب یار نے سفر کا ارادہ کیا اور آئینہ ٹپ پر حمل کسا، اور باندھا تو ہمارا دل نہایت یقیناً
 بڑا اور مہلے شوق نے خاک کے ہر ذرہ پر ایک دل باندھ دیا تاکہ سفر کے خاتمہ تک اس کے ساتھ ساتھ رہے۔ مفہوم یہ ہے
 کہ عاشق چاہتا تھا کہ وہ اس سفر میں دوست ہمراہ ہونے کی سعادت حاصل کرے لیکن جب ایسا نہ ہو سکا تو عاشق نے
 اپنے دل کے ٹکڑوں کو خاک کے ہر ذرہ پر باندھ دیا اور اس طرح حمل کے ساتھ ہی دل تپاں بھی رخصت ہو گیا۔
 مشعر (۲) اہل تپش معنی دیکھنے والے، حیرت کدہ بمعنی آئینہ جس میں عکس یا عکس شوخی و ناز جلوہ گر ہے طوطی
 بسمل سے مراد آئینہ یا اس کے چہرے کی وہ بھری جو حرکت معلوم ہوتی ہے نیز آئینہ سے مراد فولادی آئینہ ہے جس میں چہرہ
 بٹا کرتے ہیں اور فولاد کا رنگ ہنر بوتا ہے اور ہر رنگ کو ہمیشہ طوطی سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

مطلب ہے کہ دیکھنے والوں کے نزدیک جو ہر آئینہ کی بھری جو اطراف و جوانب سے متحرک معلوم دیتی
 ہے طوطی بسمل ہے جسے یار نے شوخی و ناز کی چھری سے بسمل کر دیا ہے اور وہ تڑپ رہی ہے۔

مشعر (۳) عریہ بمعنی میدان و میدان جنگ پیکار، یاس بمعنی ناامیدی، دل سائل کو ایک طلسم و جنگ
 ۱۔ یاس و یاس قرار ہے مطلب ہے کہ جو شخص سمجھے کہ اس کی ہمت نہیں کھتا وہ سائل بے امید و ہمت کی کشمکش
 ۲۔ میں مبتلا رہتا ہے حاصل یہ ہے کہ سوال کرنا ایک محوم شے ہے اور یہ کم ہمت لوگوں کا کام ہے اور اکثر اسکی
 نرسائیہ ہمتی ہوتی ہے جو سائل کے دل کو ایک محسم یاس و امید بنا دیتی ہے۔

مشعر (۴) ہم ہاںے غالب میں اپنے ذوق کی تشنگی کے مضمون کو کا حقدہ و انہیں کر سکا اگرچہ میں نے دریا کو بھی

ساحل باندھائیں میرے ذوق میں وہ تشنگی ہے کہ میں نے دریا کو بھی ساحل قرار دیا لیکن یہ بھی کم ہے۔ میں اب بھی اپنے ذوق و شوق کی تشنگی کی حالت کو اچھی طرح بیان نہیں کر سکا۔

(۷۹) میں اور بزم نئے سے یوں تشنگم ہوں ۱ گریں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا
بے ایک تیر جس میں توں جھلے پڑے ہیں ۲ وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا
درماندگی میں محال ہے کچھ بن پڑے تو جانوں
۳ جب رشتہ بے گھر تھا ناخن گرہ کٹا تھا

شعر ۱۱ فرماتے ہیں۔ مقام حیرت ہے مجھ جیسا شرفی بزم شرابیوں پیسا چلا آئے یہ تاکہ میں نے
توبہ کر لی تھی اس لئے ساقی سے سوال نہ کیا مگر ساقی نے مجھے بے طلب کیوں نہ پلا دی؟

من اگر توبہ نہ کر دہ ام اسے سرو سہی
تو خود این توبہ نہ کردی کہ مرائے ندہی

شعر ۱۲ فرماتے ہیں۔ وہ دن گئے جب اپنا دل اور جگر الگ الگ تھے اب تیرے تیر نظر نے دونوں
کو چھید ڈالا ہے۔ ۱ دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضا مند کر گئی (غائب)

شعر ۱۳ اس شعر میں مشکل گرہ کا ستارہ اور تدبیر ناخن کا استعارہ ہے جب شہ بے گھر تھا سے
مراد جب کہی تھی، یہ قی، ناخن گرہ کٹا تھا سے مراد، نفع مشکل پر قدرت تھی مطلب ہے کہ درماندگی اور غیازی
کی حالت میں، کوئی تدبیر ہو سکے تو جانوں ورنہ جب کوئی مشکل نہ تھی توبہ تدبیریں خیال میں آتی تھیں۔

(۸۰) گھر مبارک جو نہ رشتے بھی تو یہ مران ہوتا ۱ بھر گر بھر نہ ہوتا تو پیاسا ہوتا
تنگی دل کا گناہ کیا یہ وہ کافر دل ہے ۲ کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
بے دیک عمر و رعب بار تو دیتا با سے ۳ کماش رضواں ہی دیر یار کا زبان ہوتا

شعر (۱) لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا گھر کثرت گریہ یعنی رونے سے ویران ہو گیا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ گھر جو کثرت گریہ سے سمندر بن گیا ہے اگر دریا نہ ہوتا تو ویرانہ ہوتا غرضیکہ ویرانی بہر حال باقی رہتی۔

شعر (۲) فرماتے ہیں ہم اپنی تلخی دل کی شکایت کیا کریں اگر ہمارا دل تنگ نہ ہوتا تو اسکی واشنگی و شکفتگی اتنی ہوتی کہ پریشانی کے درجہ تک پہنچ جاتی۔ اس شعر میں بھی مرزا غالب نے شعر بالا کی طرح فلسفیانہ استدلال سے بنایا ہے کہ ہمارے نصیبوں میں راحت و آرام نہیں۔

شعر (۳) ورع بمعنی عبادت، رضوان۔ داروغہ یا دربان بہشت، فرماتے ہیں۔ درمیشوق کا دربان آشنا نگدل ہے کہ عمر بھر التجا میں کرنے کے بعد بھی یار کی محفل میں جانے کی اجازت نہیں دیتا کانس اس کے گھر کا دربان بجائے اسکے رضوان ہوتا تو عمر بھر عبادت کرنے کے بعد اسکی محفل میں جانے کی اجازت تو دے دیتا مگر یہاں تو ہمزہ روزا دل کا مضمون ہے۔

(۴) نہ تھ کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا تھا ۱ ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہوتا میں تو کیا ہوتا
ہو واجب غم سب یوں بھی تو غم کیا سرے کٹنے کا ۲ نہوتا اگر جدا تن سے تو زانو پر دھڑ ہوتا
ہونی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
۳ وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

شعر (۱) فرماتے ہیں جب دنیا میں کچھ نہ تھا تو خدا تھا اور اگر موجودات عالم کا وجود نہ ہوتا تو تب بھی خد ہی ہوتا پس میری ہستی نے ظاہر ہو کر مجھ کو ایک شے دیگر قرار دیکر ڈبویا اور کھو دیا اگر میں پیدا نہ ہوتا اور عالم وجود میں نہ آتا تو خیال کرنا چاہیے کہ ہوتا ظاہر ہے کہ خدا ہوتا کیونکہ یہ پہلے ہی بنادیا گیا کہ اگر کچھ نہ تو خدا ہی ہوتا

۵ درمیان من و دلدار حجاب است ہمسام

آنم امید کہ روزے زمیاں بر خیزد

شعر (۲) فرماتے ہیں جب ہمارا سرشت غم و الم سے بھین گئی تھا تو پھر اس کے کٹنے کی کیا غم ہے مگر نہ

کٹنا تو شدتِ غم و الم کی وجہ سے اسے ہر وقت زانو پر رکھنا پڑتا بہتر ہو کہ کٹ گیا۔

شعر ۱۳۱ فرماتے ہیں۔ غائب کو مرے پیسے مدت گزر گئی مگر اب تک ہمیں وہ اور اسکی باتیں یاد آتی ہیں وہ ہمیشہ ہر بات پر کہا کرتا تھا کہ اگر اتفاقاً ایسا بھی ہوتا تو کیا ہوتا ہے

دنیا بیچ است و کار دنیا ہم سے بیچ

۱۳۲ ایک فزہ زمیں نہیں بیکار باغ کا ۱ یاں جاوہ بھی فیتلہ ہے لالہ کے داغ کا
بیل کے کاروبار پہ ہیں غلے ہائے گل ۲ کہتے ہیں جس کو عشقِ خلل ہے داغ کا
تازہ نہیں ہے نشہ فکر سخن مجھے ۳ تریاکی قدیم ہوں دو چرخ داغ کا
سو بار بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے ۴ پر کیا کریں کہ دل ہی عروسِ فراغ کا
یہ نئے کسے ہے طاقب آشوب آگہی ۵ کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطِ ایاغ کا
بے قونِ دل ہے چٹم میں موجِ نگہِ غبار ۶ یہ میسکہ خراب ہے نئے کے سرخ کا

باغِ شکفتہ تیرا بساطِ نشاطِ دل

ایر بسا رخسکہ کس کے داغ کا

شعر ۱۳۱ جاوہ یعنی دانت یا سڑک لیکن یہاں باغ کی روشنی مراد ہیں، فیتلہ یعنی جی نیز اس سے وہ جی بھی مراد ہو سکتی ہے جو زخم میں کھتے ہیں، داغ یعنی زخم۔ فرماتے ہیں اس سال بہار کچھ ایسے طریق سے آئی ہے کہ باغ کی زمین کا ایک رخ بھی بغیر سبزہ زار کے نہیں پایا۔ یہاں تاک کہ باغ کی روشنی جن پر آمد و رفتِ مردم کی وجہ سے کچھ نہیں اُگتا رہ بھی بہ باعثِ جوشِ بہار گھما گئے سونے کی کثرت سے لالہ کے داغ کا فیتلہ بنی ہوئی ہیں۔

شعر ۱۳۲ بیل کے کاروبار یعنی بیل کے حرکات یا حالات، خندہ ہائے گل، مراد پتھوروں کی شکفتگی
خلل داغ معنی فتور داغ۔ فرماتے ہیں بیل کے حال پر بھجوں خندہ زن ہیں اس سے ثابت ہوا کہ طبعاً نے
جو عشق کو فتور داغ کہا ہے وہ صحیح ہے۔

شعر (۳۲) تریاکی بسنی افیونی۔ دو در چراغ یعنی چراغ کا دھواں۔ فرماتے ہیں۔ یہ لشتہ فکر سخن (شعر و شاعر)

نیا نہیں بلکہ میں تو ایک پُرانا چراغ کے رھو میں کی افیون کھانے والا ہوں مفہوم یہ ہے کہ میں نے بہ قوں
چراغ کے سامنے بیٹھ کر رات رات بھر فکر سخن کی ہے، اشارہ لکھے ہیں۔

دور چراغ خود شب آوردہ ام برونہ

معدوم اور مناندہ دماغ مرا تری

شعر (۴۱) فرماتے ہیں ہم عشق کی قید سے سو با چھوٹے ہیں مگر کیا کریں ہمارا دل ہی فراغت کا
شمن واقع ہوا ہے وہ آپ کو نتاد پڑتا ہے کیونکہ اسے شوق امیری ہے

کیوں نہ نظریں ہدف تا وہ بیدار کہ ہم

آپ اٹھا لاتے ہیں جو تیسر خاں ہوتا ہے

شعر (۵۱) آشوب بسنی فتنہ، تلخی۔ آہنگی بسنی ہوشیاری، دانائی۔ ایانہ یعنی پیالہ شراب، فرماتے

ہیں بے شراب پیئے آشوب ہوشیاری برداشت کرنیکی کسے طاقت ہو اسی لئے میرے بحر حوصلہ نے خط ایانہ کھینچ
کر صفحہ دیر سے اُسے کاٹ دیا، خط کھینچ دینے کی بجائے خط ایانہ کھینچ دینا ایک لطیف معنی رکھتا ہے یعنی اس کے مقابلہ

پر اسکو ترجیح دی اور جس چیز کی وجہ سے اسکو ترجیح دی اسی کے خط سے آٹھیا آہنگی کو رواں رباطل کیا یعنی ہوشیاری

کے مقابلہ پر میں نے بیہوشی کو اچھا سمجھا۔ دنیا میں بیوقوف اور بیہوش بن کر رہنے کو شعر اچھا جانتے ہیں۔

دیوانہ باشش تا غم تو دیگران خوردا

شعر (۶۱) اس شعر میں شاعر نے آنکھ کو میکہ اور خون دلوں شراب سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا ہے

جسٹ میکہ بغیر شراب کے ویران ہوتا ہے اسی طرح میری آنکھوں پر، زلفتان کے بغیر گویا خاک اُڑ رہی ہے۔

یعنی بہ میکہ تلاش شراب میں خراب ہو رہا ہے صبح نگاہ کی تشبیہ غبار سے نہایت مناسب اور میکہ سے کے
بڑے خراب کا لفظ بھی کیفیت سے خالی نہیں۔

شعرا (۱۷) جتنے ہیں، میرے سرورِ دل کا موجب تیرے حُسن کا شگفتہ باغ ہے، ابر بہار میری سستی کا
سبب نہیں ہو سکتا۔ اس شعور کے معنی اس طرح بھی ہو سکتے ہیں کہ ابر بہار کسی کے دماغ کیلئے غمکہ (متجانہ) ہو سکتا
ہے لیکن جبرِ تیرے حُسن کا شگفتہ باغ ہی ہمارے دل کی خوشی و مسرت کا سبب بن سکتا ہے۔

(۱۳۳) و د مری چہں جہیں سے غم نہاں سمجھا ۱ راز مکتوب بہ بے رطبیٰ عموں سمجھا
یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز ۲ چاک کرتا ہوں میں جب کہ گریباں سمجھا
شرعاً سیاب گرفتاری خاطر مت پوچھ ۳ استقدارِ رنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا
بارگاہی نے نہ جانا اسے سرگرم خزام ۴ لیخ پہ ہر قطرہ عرق دیدہ حیراں سمجھا
عجیب سے ایسے یہ جانا کہ وہ بد خو ہوگا ۵ نبضِ خس سے تپشِ شعلہ سوزاں سمجھا
سفر عشق میں کی ضعف نے راحت ملی ۶ ہر قدم رائے کو میں اپنے بشتاں سمجھا
تفاکیرِ نراں مثرہ یار کے دل تا دمِ مرگ ۷ وضعِ میکانِ تضاد استقدارِ آسان سمجھا
دل دیا جان کے کیوں اسکو وفادار نہ

۸ غلطی کی کہ جو کفر کو مسماں سمجھا

شعرا (۱۸) غم نہاں بمعنی رنجش دلی۔ عنوان بمعنی پتہ۔ فرماتے ہیں میرے چین جہیں وہ میرے غم نہاں
کو سمجھ گیا اور بندہ کی بے رطبی سے اس نے مصنونِ خط کو معاہوم کر لیا۔ پہلے اور دوسرے مصرع کا مفہوم
ایک ہی ہے۔ (چین جہیں کی تشبیہ عنوان سے بہت مناسب ہے)

شعرا (۱۹) صیقل یعنی صفائی، آئینہ سے مراد قلب ہے۔ فرماتے ہیں جب کہ میں اپنے چہ آئینہ دلو گرہیں سمجھا
ایا ہے اس وقت سو اسے چاک کر رہا ہو یعنی آئینہ دلو صیقل کر رہا ہو مگر ابھی تک اسے طور پر صاف نہیں ہوا
یہ کہ جب کہ میں گریبان کی حقیقت سمجھ رہا ہوں چاک کرنے میں مصروف ہوں لیکن ہنوز صیقل آئینہ ایک لفظ زیادہ
نہیں ہر تمام ستارہ کو خائف کرنے کے بعد مفہوم یہ ہے کہ باوجود ترکِ تعلقات سوئی صفائی قلب پہلے طور پر نہیں ہوئی۔

شعشعر (۳۸) گرفتاری خاطر یعنی دل گر کھلی۔ فرماتے ہیں میری دل گرفتگی کی شرح مجھ سے نہ پوچھو میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ مختصر یہ کہ ہجوم غم سے دل اس قدر تنگ ہو گیا ہے کہ میں اسے قید خانہ سمجھنے لگا ہوں۔
 زندگی کشمکشِ رنج و محن میں گزری!
 چار دیواری عذابِ سر کو میں زنداں سمجھا (دیاں)

شعشعر (۳۹) فرماتے ہیں۔ میری بے گمانی نے یار کا مصروفِ خرام، چلنا پھرتا، ہونا گوارا نہ کیا کیونکہ خرام سے اس کے کُنج پر جو قطراتِ عرق (پسینہ) نمودار ہوئے ہیں انہیں رقیب کے دیدہ حیراں سمجھا یعنی میں یہ سمجھا کہ رقیب کی چشم حیراں اس کے چہرہ پر چبی ہوئی ہے۔

حضرت آسی نے اس شعر کے معنی اس طرح بھی بیان فرمائے ہیں: میرا مصوق اس قدر بے گمان ہے کہ سرگرمِ خرام بھی نہیں رہتا بلکہ چلتے وقت بوقت شرم یا حرکت سے اس کو نپید یا آنا ہے اس پسینہ کے قطرے قطرے کے دیدہ حیراں عاشق جانتا ہے۔

شعشعر (۴۰) میں نے اپنے عجز یا کمزوری سے یہ سمجھ لیا کہ وہ بد مزاج ہو گا گویا تنکا کی نبض دیکھ کر شعلہ کا حال معلوم کر دیا اپنی عاجزی کی نبض جس سے اور اس کی بد خوئی کو شعلہ سوزاں سے مشابہ کیا۔

شعشعر (۴۱) فرماتے ہیں۔ جب سفر عشق میں لگان کے غلبہ نے راحتِ طبی کا پہلو اختیار کیا تو مینے اپنے ہی سائے کو دھڑکھڑا کر آدم لین چاہا۔ قاعدہ ہے کہ سب کوئی مسافر راہ میں تھکتا ہے وہ آرام کا مستطاش ہو جاتا۔ شاعر کہتا ہے چونکہ میرا سفر سفر عشق تھا اور بہاؤ رختِ یادِ یار کا سائہ مفید تھا تو مینے اپنے ہی سائے کو آرام کا دیکھ لیا۔

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
 ہائے کیا چیزِ غریب الوطنی ہوتی ہے
 (حقیقہ پونیدی)

شعشعر (۴۲) پیکانِ معنی تیر۔ گریزاں ہونا بمعنی بھاگنا۔ فرماتے ہیں میں مرنے دم تک یار کی مرگاہ سے بھاگتا رہا۔ حالانکہ یار کی مرگاہ تیر تھا تھا جس کو کتنا اور جس سے بچنا ناممکن تھا۔ میں نے اپنی بیوقوفی سے تیر قضا

یہ رنجیدہ لیا آسان سمجھا لیکن اس سے نہ بچ سکا۔

شعر (۸) فرماتے ہیں اے اسدا! اسکو وفادار سمجھ کر دل کیوں دیا یہ تہ اری غلطی ہے کہ تم نے ایک کافر کو تسلیم کر لیا۔ یعنی اگر دل کا دینا ہی مد نظر تھا تو اسے بیوفا سمجھ کر دیا ہوتا۔

- ۱۳۴) پھر مجھے دیا تر یاد آیا ۱ دل جگر تہ نہ فہ یاد آیا
 دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز ۲ پھر ترا وقت سفر یاد آیا
 سادگی ہائے تمست یعنی ۳ پھر وہ نیز ناب نظر یاد آیا
 عذر و اماندگی اے حسرت دل ۴ نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا
 زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی ۵ کیوں ترا راہ گند یاد آیا
 کیا ہی رضاواں سے لڑائی ہوگی ۶ گھر ترا خساد میں گریا یاد آیا
 آہ وہ جرات فریاد کساں ۷ دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا
 پھر تیر کو چہ کو جاتا ہے خیال ۸ دل گم گشتہ مگر یاد آیا
 کوئی ویرانی سی ویرانی ہے ۹ دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
 میں نے جنوں پہ لڑکپن میں مسکرا ۱۰ سنگ اٹھایا تھا کہ سمر یاد آیا

شعر (۹) فرماتے ہیں۔ پھر میرے دل و جگر کو فریاد کی آرزو پیدا ہوئی اور اس تقریب پھر دیا

ترباد آگیا کہ یہ تمنا روئے ہی سے پوری ہوگی۔ دوسرے مصرعہ میں مرزا صاحب نے فارسی محاورہ کے مطابق "ہوئی جگہ آیا" استعمال کیا ہے۔

شعر (۱۰) فرماتے ہیں، دورت کو رخصت کرتے وقت جو دردناک کیفیت گذری تھی اور جو اسکے چلے

جائیکے بعد وہ کہ یاد آتی ہے اس میں جو کبھی کبھی وقفہ ہو جاتا ہے اسکو قیامت کے دم لینے سے تعبیر کیا ہے ایسے
 طبع اشارہ روزبان میں بہت کم دیکھے گئے ہیں جو حالت فی الواقع ایسے موقع پر گذرتی ہے ان و مصرعوں پر

اسکی تصویر کھینچ دی ہے جس سے بہتر کسی اسلوب بیان میں یہ مضمون ادا نہیں ہو سکتا۔ (یا گار غالب)
شعر (۴۳) نیزنگ یعنی جادو۔ افسوں۔ فرماتے ہیں میری تمناؤں کتنی سادہ ہیں کہ اسی نیزنگ نظر
 کو جس نے مجھے تباہ و برباد کر ڈالا تھا پھر یاد کرتی ہیں۔

شعر (۴۴) ناماندگار یعنی عاجزی کمزوری۔ فرماتے ہیں حسرتِ دل کا تقاضا تھا کہ نالہ کیا جائے۔ مگر
 مجھے اپنی کمزوری جگہ یاد آگئی۔ کیونکہ اس میں طاقتِ نالہ باقی نہ تھی۔

شعر (۴۵) فرماتے ہیں تیرا راہ گزریا د آنے سے میری زندگی گزر گئی اور یہ بات اچھی ہوئی کہ میں زندگی
 سے بیزار تھا لیکن اس کے یاد آنے سے ایسا اندوہ و قلق ہوا کہ کافی نہ یاد آیا ہوتا تو زندگی تو کسی نہ کسی
 طرح کٹ ہی جاتی۔ (طباطبائی)

حسرتِ صاحب اس شعر کی شرح یہ ذہانت ہیں: جب کارِ نگاری ممکن ہی نہیں ہے تو تیرا نگذر بیکار
 یاد آتا ہے یعنی جب وہاں بھی زندگی بحالتِ ناگامی بسر ہوگی تو اس کا یاد آنا عجیب ہے یوں بھی زندگی کسی
 نہ کسی طور پر گزر ہی جاتی۔

شعر (۴۶) فرماتے ہیں یعنی اس بحث میں کہ مکان یا رہبر ہے یا بہشت؟
شعر (۴۷) فرماتے ہیں دل میں جو پہلے فریاد کی جرات تھی وہ اب نہیں ہے اس بنا پر اس سے تنگ
 اگر جرات تھا جس میں فریاد کی طاقت زیادہ تھی لیکن افسوس اب اس میں بھی یار ابے فریاد نہیں۔
شعر (۴۸) فرماتے ہیں۔ پھر میرا خیال تیرے کوچہ میں چلا آیا ہے شاید دل گم گشت تہ اسے پھر یاد
 آیا ہے جسے ڈھونڈنا چاہتا ہے۔

شعر (۴۹) فرماتے ہیں جس شہت میں میں جاںکا ہوں وہ نہایت ویران ہے اے دیکھ کر مجھے اپنا گھر
 یاد آ رہا ہے کہ وہ بھی ویرانی میں اس سے مشابہ ہے یا یہ کہ اس جنگل کی ویرانی دیکھ کر گھر لوٹ جانا کو جی چاہتا ہے
 جو یوں شہت میں سوئے صحر اکبوں کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی! (مومن)

شعراۓ اسد اپنے اپنے لڑکپن کے زمانے میں دوسرے لڑکوں کی دیکھا دیکھی مجنوں پر پتھر اٹھایا
 تھا لیکن مجھ کو اپنا سر یاد آگیا کہ کبھی میں بھی بریلئے شوریدہ سر ہی اسی طرح نشہ شبِ طفلان ہونگا۔

(۳۵) ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا ۱ آپ آتے تھے مگر کوئی عنان گیر بھی تھا
 تم سے بیجا بے بچھے اپنی تباہی کا جگہ ۲ اس میں کچھ شائبہ خوبی تھا بر بھی تھا
 تو مجھے بھول گیا ہوا تو پتہ بتا دوں ۳ کبھی فراق میں تیرے کوئی سچر بھی تھا
 قیام میں بے تیرے حشری کو وہی زلف کی یاد ۴ ہاں کچھ اک رنج گراںباری زنجیر بھی تھا
 بچنی اک کو زنگی آنکھوں کے آگے تو کیا ۵ بات کرتے کہ میں لب تشنہ تقریر بھی تھا
 یوسف امکا کوں ور کچھ نہ کہے خیر ہوئی ۶ گر بگڑا بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا
 دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیں بھنڈا ۷ نالہ کرنا تھا ولسے غالب شیر بھی تھا
 پیشہ میں عجب نہیں کھئے نہ فساد کو نامہ ۸ ہم ہی آشفہ سرور میں وہ جواں میسر بھی تھا
 ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس آ یا نہ ہی ۹ آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا
 پڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق ۱۰ آدمی کوئی ہمارا دم سحر بر بھی تھا

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہونا حالت

کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میسر بھی تھا

شعراۓ تاخیر معنی دیر۔ عنان گیر معنی روکنے والا اس شعر میں وہ جلیح الفاظ ہیں جن سے اس قدر
 عبات کا پتہ چلتا ہے کہ معشوق دیر سے عاشق کے پاس پہنچتا ہے اور عاشق اس دیر میں نے کی شکایت کرتا ہے
 اور معشوق کہتا ہے کہ ہاں تاخیر ہوئی جس جواب میں عاشق پھر کہتا ہے کہ تاخیر ہوئی تو کچھ تاخیر کا سبب بھی تھا یا
 بلا وجہ تاخیر ہوئی پھر وہ جواب دیتا ہے کہ ہم آہے تھے اس پر عاشق پھر کہتا ہے کہ آوہے تھے مگر اس تاخیر سے جو
 باوجود عزمِ مصمم کے آپ کے آنے میں ہوئی یہ بھی نہ چلتا ہے کہ کوئی نہ کوئی آپ کو روک بھی رہا تھا اور دیکھنے والا سوائے

ہے جس سے آپ کی بے تکلفی ہو کوئی نہیں ہو سکتا۔ (آسی)

ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اتنی دیر سے آئے اس سے معلوم ہوتا ہو کہ راستہ میں وکسی کے پنا ٹھہرے کیونکہ کوئی صانع (روکنے والا) تو تھا نہیں جو آپ کو ٹھہرنے سے منع کرتا کہ یہاں ٹھہریے میدے فابک پاس چلئے۔

شعر (۲) فرماتے ہیں اگر میں تم سے اپنی تباہی کا گلہ کروں تو یہ سچا ہوگا اس میں میری بدھنسی بھی شامل تھی اس شعر میں شاعر نے حد ادب اور حد عشق دونوں کا خیال رکھا ہے۔

شعر (۳) فزاک یعنی شکار بند۔ فرماتے ہیں اگر تو نے مجھے فرہوش کر دیا ہے تو میں تجھے یاد دلاتا ہوں کہ میں وہی ہوں جسے کبھی شکار کر کے تو نے اپنے شکار بند میں باندھا تھا۔

شعر (۴) فرماتے ہیں تیرے وحش کو قید کی حالت میں بھی ہنسی تھی کہ یاد ہے اسے سنا ایک گلابی زنجیر کا غم تھا زیادہ نہیں کچھ یونہی سا اس شعر میں قید زنجیر کی سختی کو قید زنجیر کا غم میں کم مہذب ثابت کیا ہے۔

شعر (۵) فرماتے ہیں میں جنت دیدار ہی کا مشتاق نہ تھا بلکہ مشتاق تقویٰ بھی تھا لہذا چاہیے تھا کہ آپ کچھ بات بھی کرتے نہ یہ کہ دفعہ آئے اور چلے گئے گویا ایک بچی سی کو ند گئی اس شعر میں حضرت موسیٰ کے واقعہ کی طرہ بھی اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی التجا پر بھی سی کو ند گئی مگر معشوق حقیقی نے موسیٰ سے کوئی بات نہ کی۔

شعر (۶) فرماتے ہیں بیٹے اسکو یوسف کہہ یا اور اس نے مجھے کچھ نہ کہا میں یہ سمجھو کہ بڑی خیر ہو گئی اگر وہ ناراض ہو جاتا اور مجھے سزا دے دیتا تو سچا تھا مفہوم یہ ہے کہ اس کا حق یوسف کے حق سے زیادہ ہے میں نے اسے یوسف کہہ کر اسکی توبہ کر دی تھی اور وہ سن کر خاموش ہو گیا۔

شعر (۷) فرماتے ہیں غیر کو دیکھ کر میرا کلیجہ کیوں ٹھنڈا ہوتا وہ نالہ بھی کرتا تھا اور اپنے نالوں کی تاثیر کا خواہاں بھی تھا مفہوم یہ ہے کہ معشوق رقیب کی آہ زاری بھی متاثر نہیں کرتا اور یہ چیز میرے لئے باعث مسرت ہے۔

شادم کہ از رقیبیاں دامن کشاں گزشتی
گو مشقت خاک ما ہم برباد رفته باشد

شعر (۸) نام رکھنا یعنی بڑا بھلا کہنا۔ آشفتنہ سر۔ عاشق۔ پریشاں حال، میر ہونا بھی کام کی ابتدا کرنا، فرماتے ہیں پیشہ میں عیب کوئی نہیں ہے اگر فرما دے کہ کوئی کیا پیشہ اختیار کریں گا تو چنداں قبول اعتراض نہیں اس لئے کہ وہ جو امر گ بھی ہماری طرح ایک پریشاں حال عاشق تھا اور پیشہ عاشقی میں کوئی بھی کی اسے ابتدا کی تھی۔

شعر (۹) ہم تو مرنے کیلئے اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے اگر وہ ہمارے قریب نہیں آ سکتا تھا اور اسے اپنی کسر شان سمجھتا تھا تو سہرا کے ترش میں کوئی تیر تو تھا جسے وہ ہی سے کھینچ کر مار دیا ہوتا تاکہ ہمارا کام تمام ہو جاتا۔

شعر (۱۰) فرشتوں کے لکھے یعنی کراماتیں کی تحریر۔ فرماتے ہیں کراماتیں کے لکھنے پر ہمیں حق کیوں پکڑا جاتا ہے یعنی گنہگار سمجھا جاتا ہے آخر جب انہوں نے لکھا تو اس وقت ہمارا کوئی آدمی تھا نہیں کیونکہ عام طور پر دنیا کے بے ایمان لفظین کے سامنے طے ہوتے ہیں اور خواص کرب کوئی دستاویز لکھی جاتی ہے۔

اس جگہ فرشتوں اور ان کی دو لفظوں کو جمع کر کے غالب مرحوم نے معجزہ شاعری لکھا ہے کہ انسان کے جذبات کو فرشتے کیا سمجھ سکتے ہیں؟ ہر چیز اپنی نظروں سے دیکھیں گے انہیں بات کا علم ہو ہی نہیں سکتا کہ گناہ کیا ہے اور ثواب کیا ہے وہ تو معصوم ہونیکی وجہ سے گناہ کا تخیل بھی نہیں کر سکتے پھر ایسے لوگوں کی تحریر پر انسانوں کو مورد الزام ٹھہراتا کہاں تک جائز ہے جائز تو اس وقت ہوتا جب ہم گناہ اور ثواب انسانی جذبات کے نقطہ نظر کے ماتحت لکھ جاتے۔

شعر (۱۱) رنجینہ یعنی اردو شاعری۔ فرماتے ہیں اے غالب اردو شاعری کے صرف تینوں متلون نہیں ہو گئے زمانے میں کوئی استاد میر بھی تھا۔ میر سے میر تقی میر مراد ہیں ایک دوسرے مقام پر بھی فرمایا ہے

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ!

آپ بے برہ ہے جو معتقد میر نہیں
 (۳۶) لب خشاک و رشنگی مردگان کا ۱ زیارت کدہ ہوں دل آزرگان کا
 ہمہ نا امید ہی ہمہ بد گمانی ۲ میں دل ہوں فریب فاخوردگان کا

شعرا (۱) فرماتے ہیں، میں اُن لوگوں کا لب خُشک ہوں جو ٹانگی میں یعنی پیاسے مر گئے اور میں آرزوہ
دل یعنی محروم ورنجیدہ لوگوں کا زیارت کدہ ہوں۔ دل آزر دکانوں سے چراں نصیب عشاق مراد ہیں۔

شعرا (۲) فرماتے ہیں میں ایک پسک بنا امید یو بد گمانی بن گیا ہوں اس لئے کہ میں ان لوگوں کا دل ہوں
جو قائلے مشوق کا فریب کھا چکے ہیں یعنی جنہوں نے مشوق کو وفادار سمجھا تھا اور آخر انکے رمان یوسپوں سے بال گئے۔

۱۔ تو دوست کسی کا بھی شہکار نہ ہوا تھا ۱۔ اوروں پہ ہے وہ ظلم جو مجھ پر نہ ہوا تھا
چھوڑا میرے خشک کی طرح دستِ قضا نے ۲۔ خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

توفیق باندا زبہ ہمت ہے ازل سے ۳۔ آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گہر نہ ہوا تھا
جب تک کہ نہ دیکھا تھا قریار کا عالم ۴۔ میں معتقدِ فتہ محشر نہ ہوا تھا

میں سادہ دل آزر دگی یار سے خوش ہوں ۵۔ یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا
دریائے مہ صی تنک آبی سے ہوا خشک ۶۔ میرا سیر دامن بھی ابھی نر نہ ہوا تھا

جاری تھی اسعد داغ جگر سے مری تحصیل

۷۔ آتش کدہ جاگیر سمت زر نہ ہوا تھا

شعرا (۱) اے شہد تو کسی کا دوست نہیں ہے اور تو صرف مجھ پر ظلم نہیں کرتا بلکہ جو ظلم تو نے اور لوگوں پر کئے
ہیں وہ مجھ پر بھی نہیں کئے یا یوں سمجھ لیجئے کہ جو ظلم تو نے مجھ پر نہیں کئے وہ تو اوروں پر کر رہا ہے مینے تو یہ سمجھا

تو کہ تیرے تمام ظلم صرف میرے لئے ہیں مگر میرا یہ خیال غلط ہے مجھے اس معاملہ میں شرکتِ غیر کسی طرح
بھی لگا رہا نہیں ہے اور میرا مجھ پر ظلم نہ کرنا بھی ایک ظلمِ عظیم ہے۔

اے فلک تو نے دیا تھا غم جو کھانے کے لئے

(داغ)

وہ بھی جہنمہ کر دیا سارے زمانے کے لئے

شعرا (۲) ۱۔ تنخشب، اس مصنوعی چاند کو کہتے ہیں جسکو حکیم بن عطا مشہور بہ ابن مقفع نے سیاہ غیر

سے بقیہ نخبیب بیا کر لیا تھا۔ یہ چاندروماہ تک برابر ایک کنوئیں سے نکلا کرتا تھا لیکن اسکی روشنی چار فرسنگ سے زیادہ نہ جا سکتی تھی اور وہ صلی چاند کے مقابلہ میں بالکل ناقص اور ماند تھا۔

مطلب یہ ہے کہ آفتاب بھی جن و بنیال میں میرے معشوق کے برابر نہ ہوا تھا کہ تضاد قدر کے ہاتھ نئے سے اسی طرح ناقص و نامکمل چھوڑ دیا۔ اس شعر میں شاعر نے آفتاب کو نئے یار کے مقابلہ میں ناقص قرار دے کر اسے ماہ نخبیب سے تشبیہ دی ہے۔

شعر (۱۳) فرماتے ہیں جس قدر عالی ہمت ہوتی ہے اسی کے موافق اسکی تائید غیب سے ہوتی ہے اور ثبوت یہ ہے کہ قطرہ اشک جس کو آنکھوں میں جگہ ملی ہے اگر اس کی ہمت جبکہ وہ دریا میں غما موی بننے پر تانغ ہو جاتی تو اس کو جیسا کہ ظاہر ہے یہ درجہ آنکھوں میں جگہ ملنے کا حاصل ہوتا۔ (دیادگار غالب، شعر (۱۴) شاعر نے عام طور پر قد یار کو فتنہ محشر وغیرہ سے تشبیہ دی ہے آپ فرماتے ہیں میں نے جب تک یار اور اس کے انداز محشر حرامی کو نہ دیکھا تھا مجھے روز قیامت کا یقین نہ آتا تھا اب قدیار کو دیکھ کر فتنہ قیامت کا معقد ہوا ہوں۔

سایہ میں اک بلند قام کے فتنے سب سو گئے قیامت کے! (امیر) شعر (۱۵) فرماتے ہیں میری سادہ دلی ملاحظہ فرمائیے میں یار کی رنجیدگی سے خوش ہوں کیونکہ مجھے امید ہے کہ صلح شوق کے بعد سبق عشق کے از سر نو شروع ہونے سے بڑا اٹلف حاصل ہوگا یعنی نئے سے سے محبت شروع ہوگی تو یا آغاز امت سے بیکراںتمائے عشق تک کی تمام کیفیتیں ایک بار پھر پیدا ہونگی۔

شعر (۱۶) اس شعر میں شاعر نے اپنے کثرت مدحی کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں گناہ کرنے میں ہمارا اوصاف اس قدر فراخ ہے کہ باوجودیکہ دریائے سما میں خشک ہو گیا ہے مگر ابھی تک ہمارے من کو ابھی نہیں بھٹکا۔ (دیادگار غالب) مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ اس شعر کو حضرت ذوق بہت پسند کرتے تھے۔

شعر (۱۷) سمندر جو ایک جہ ہے کی قسم کا جاذبے تشکدوں میں پیدا ہوتا ہے اور ایک ہی میں سہا ہے

مرر فرماتے ہیں اے آسدا میں اپنے داغ جگر سے اس وقت سے آتش مزاجی حاصل کر رہا ہوں کہ آتش کدو
میں ابھی سمند کا وجود بھی نہ تھا۔

(۳۸) شب کہ وہ مجلس فروز خلوتِ ناب تھا ۱ رشتہ ہر شمع خارِ کسوتِ فانوس تھا
مشعلِ عاشق سے لگتی ہے جو کوسوں تک جتنا ۲ کس قدر یارب ہلاکِ حسرتِ پاؤں تھا
حاصلِ لفت نہ دیکھا جز شکستِ آئندہ ۳ دل بدل پیوستہ گویا اک لبِ افسوس تھا
کیا کہوں بیماریِ غم کی فراغت کا بیان
۴۔ جو کہ کھایا خونِ دل بے مستِ کیوس تھا

شعر (۱) ناموس یعنی عفت و عصمت، رشتہ شمع، وہ تاگا جو دمِ تپ میں ہوتا ہے۔ کسوت یعنی لباس۔ خار
در پیر میں برون، فانوس میں محاورہ ہے جیسے معنی بقیار و بچپن، یونیکے ہیں اسی کو غالب نے آمد میں بیان کیا ہے فرماتے
ہیں رات کو عفت و عصمت کی محفلِ خلوت میں مجھ بے نقی افروز تھا اور محبوب کے جمالِ باکمال کو دیکھ کر شمع کا ہر رتنہ
خار پیر میں بن گیا تھا یعنی بقیار رہی کی، یہ سے شمع کی کچھ عجیب حالت ہو گئی تھی۔

جنابِ آسی اسی شعر کی شرح یوں فرماتے ہیں: رات اس حال میں کہ وہ مجلس فروز خلوتِ ناموس تھا فانوس
کے شمع کا ہر رتنہ خارِ لباس بنا ہوا تھا یعنی شمع سے اسکو تکلیف ہو رہی تھی اور وہ شرمندہ تھا کیونکہ اس کی
موجودگی اس کی خلوتِ ناموس کے منافی تھی۔

شعر (۲) فرماتے ہیں یہ جو مشعلِ عاشق سے کوسوں تک جھندی لگتی ہے اسے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسے بھروسہ
نہ دینے کی کس قدر حسرت تھی یعنی زندگی میں، تو وہ کسی یا پوسی میں نہ کر سکا تو اب شاید کسی طرح پر ہو جائے کہ
کے قبرِ رجوت لگتی ہے وہ کسی دن پائے یا تک پہنچ جائے اور پاؤں کی حسرت بکلی جائے۔

بوسم من بے بوگ و نوا بوگ حسنا را

تا بوسہ بے بیخام دہم آں کیف پا را

شعرا ۱۳) تکت آرزو یعنی آرزوؤں کے خون ہونا۔ دل بدل چوستہ یعنی دوڑے چلنے والے۔ نہ تہیں
 مئے نکت ہاں میں (میتھو) گئے آرزوؤں کے خون کے ورچے نہیں لکھی گویا عاشق و معشوق دونوں کے دل مئے
 سے بے فیوس بن جاتا ہے جس سے آخر میں غم و غمیر و حسرت کے مولا کو کچھ نہیں ہوتا۔

شعرا ۱۴) کیوس جنی افسوس میں ہضم جگر کہتے ہیں جس کا ہضم بیکر خون و نجاست کو اس کے پستھ و میو
 ن نفل خلیا کڈی ہے و بعد میں کیوس، لیکن مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میری غم کی فراغت یا کیا بیان کروں اس
 میں کیوس و کیوس کا دخل نہیں۔ ابتدا ہی سے خون جگر کھاتا ہوں۔

شعرا ۱۵) آئینہ دیکھا اپنا سامنے بیٹھے رہ گئے ۱ صاحب کو دل نہ دینے پہ کت غم و رنج
 قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردن نہ ٹایئے ۲ اس کی خطا نہیں ہے یہ میر قصور است
 شعرا ۱۶) مرزا صاحب عشق سے محبت ہو کر فرماتے ہیں۔ صاحب آپ ہمیشہ ہماری عاشقی پر غصہ نہ کیا
 کرتے تھے اور بہت عشق کا مذاق اڑاتے تھے مگر یہی بات وقت جب تک آپ نے آئینہ نہ دیکھی تھا اب تو اپنے
 آئینہ میں اپنا حسن و شفی دیکھا تو ناشق ہو کر ہی مرزا صاحب وہ دل نشینے کا غمہ گس گیا؟

شعرا ۱۷) فرماتے ہیں آپ محمد و کیوں قتل کرتے ہیں اگر وہ میر بیگم آپ تک میر تیاختی و یہ کون کون
 نہ تھی بلکہ یہ میری خطا تھی جس نے اسے آپ تک بھیجنے کی کٹ خفی کی۔ دوسرے کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ رنج
 کو بہت غصے کے باعث یہ منقول نہیں کہ کوئی دوسرے معشوق کے ہاتھ سے قتل ہو سٹے وہ اسے میں میر یہ میں
 منع کر رہے اور کہتا ہے کہ یہ سعادت آپ کے ہاتھوں سے قتل ہوئی کی میرے نہیں میں ہوتی چاہئے تھی۔

شعرا ۱۸) عمر غم نیاز عشق کے قابل نہیں رہا ۱ جس نے نیازتے مجھے وہ دل نہیں پایا
 جاتا ہو یا غمیرت ہستی لئے ہوئے ۲ جو سمع کشتہ در خور محفل نہیں پایا
 منہ کیل سے دل اور می تدبیر کر کہ میں ۳ شاید ان کشتہ باز کشتے قاتل نہیں پایا
 بیٹھے کشش جہت مدد کشتہ باز ہے ۴ یاں اقلیا زنا قصوں کامل نہیں پایا

واکرئیے ہیں حق نے بند نقابِ حسن ۵ غیر از نگاہِ کئی حائل نہیں رہا
گو میں رہا رہیں ستمہائے روزگار ۶ لیکن تم سے خیال سے غافل نہیں رہا
دل سے ہوائے کشتِ فاسٹ گئی کہ واں
حاصل سوائے حسرت حاصل نہیں رہا

شعر (۱۱) عرضِ معنی ظاہر کرتا، نیازِ معنی عاجزی، فرماتے ہیں میں عشق کے مجز و نیاز کو ظاہر کرنے کے قابل نہیں کیا کہ یہ بچہ دکی وجہ تو اسلئے کہ دل مفع عشق تھا اور وہ پیہم صدمات عشق کی وجہ سے چکا ہے۔
شعر (۱۲) شمع کشتہ بختِ بختی ہوئی شمع۔ دغور محفل نہ رہتا یعنی قابلِ افسوس نہ رہتا، فرماتے ہیں میں دنیا سے زندگی کی حسرت کا درد شہتے ہاں ہو یعنی میرا دل مر گیا نہ چاہتا تھا لیکن سرت قضا جتے جبراً ہی رہا ہے۔
دوسرے مندرجہ میں عوی قرضہ دینے والے لائقِ افسوس ہے یعنی میں ایک بچہ ہوئی شمع ہوں جو قابلِ افسوس نہیں اور قاعدہ ہے کہ بچہ بچہ بچتی ہے تو اسے محسن سے اٹھالیا جائے پس نیز جب شمع بجتی ہے تو بجی کچھ دیر کا جھکتی رہتی ہے گویا وہ دلت حسرت رہتی ہے۔

اقتروہ دل کی مجمع حسرت میں قدر کیا
بچہ کہ چسراش لائق محفل نہیں رہا
(آرزو کو دنیا)

شعر (۱۳) فرماتے ہیں میری حالت اس قدر زبون ہو چکی ہے کہ میرا قتل کرنا اسکے دست و بازو کی شان کے خلاف ہے اب مجھے مرنے کیلئے کوئی اور تدبیر کرنی چاہیے کیونکہ اسکے ہاتھ سے قتل ہونے کی سعادت حاصل نہیں ہو سکتی، آئیے صاحب فرماتے ہیں کہ اس شاعر نے ہر تہ اپنی گرا بخانی کا اظہار کیا ہے اور دست و بازو کے قائل جس سے نزاکت دست و بازو مراد ہے اس کی تائید کے لئے الفاظ موجود ہیں۔

شعر (۱۴) بروئے مقابلِ بیشش: تم سے مراد دنیا مجازاً کیونکہ دنیا کی چھ طرفیں میں زیرو باہ
مشرق و مغرب، شمال و جنوب یا حق و باطل کے مقابلہ پر ہر طرف آئینہ گھٹا ہوا ہے اور اس سے ناقص کو مل سب

سب حیران ہیں یعنی اسرار قدرت کے سمجھنے میں تمام عقلمند و ربوقوت حیران ہیں۔ (آسی)

ہر ذرہ فحہ جسدیہ حسن یگانہ الیت
گوئی طلسم شمش جہت ائینہ خانہ الیت (غالب)

حضرت بچود دہلوی اس شعر کی شرح اس طرح فرماتے ہیں، ائینہ جس طرح عکس قبول کرنے میں کچھ اختیار نہیں کرتا بلکہ سب طرح کی کیفیت دل عارف اور اہل دنیا کی ہے یہ شعر حقیقت اور حجاز و نون پہلوئے ہمسہر اگر حقیقت کی طرف سے شعر کو لیجا تا چاہیں تو مطلب ہوگا کہ دل عارف پر چچی بھری دونوں کیفیتیں پرتوانگن ہوتی ہیں اور اگر اس شعر کے معنی حجاز لے جائینگے تو یہ مطلب نکلتے گا کہ اہل دنیا کو اچھے تجربے کلام کا فرق محسوس نہیں ہوتا جس کی وجہ سے وہ ناقص و کامل کا فرق سمجھ نہیں سکتے۔

میرے خیال میں اس شعر کی شرح یوں بھی ہو سکتی ہے۔ تمام دنیا کیلئے ائینہ معرفت الہی کھابوا ہے وہاں ناقص و کامل کا کوئی اختیار نہیں جو کوشش کر لگا اسکی بارگاہ تک پہنچ جائے گا۔

شعر (۵) فرماتے ہیں میرے جذبہ شوق نے نقاب حسن کے تمام بند کھول دیئے ہیں اور حسن کو بالکل عریاں کر دیا ہے اب میرے اور اس کے درمیان میں کوئی شے حائل ہے تو وہ صرف حجاب نگاہ ہے اگر چشم باطن اہو جائے تو یہ حجاب بھی اٹھ جائے اور شاہد و مشہود میں کوئی فرق باقی نہ رہے۔

اب دور کیا ہیں جہاں جاناں کی لذتیں!
اک پردہ رہ گیا ہے سو وہ بھی نگاہ کا! (مرزا قوی)

شعر (۶) فرماتے ہیں اب میرے دل سے وفا کرنے کی خواہش مٹ گئی ہے اس لئے کہ اس کا نتیجہ سوائے حسرت کے اور حاصل وفا کچھ نہیں۔

شعر (۷) فرماتے ہیں۔ اسد میں عشق کے ظلم و ستم سے نہیں ڈرتا لیکن وہ دل جو معشوق کے جلد و ظلم اٹھا سکتا تھا اور مجھے جس پر ناز و نفادہ مٹ چکا ہے۔

(۱) رشک کتاب ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حقیقی ۱ عقل کتنی ہے کہ وہ بے فکر کا آشنا

ذره ذرہ سا غیر سے خاندان نیرنگ ہے ۲ گردش مجنون بچشمکھائے یسلی آشنا

شوق ہے سماں طراز نازش ارباب عجز ۳ ذرہ صحرادستگاہ و قطرہ در آشنا

شکوہ سنج رنج ہمدیگر نہ رہنا چاہیے ۴ میرا نانوہوں اور آئینہ تیرا آشنا

میں درک آفت نکڑہ دل وحشی کہ ہے ۵ عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

کوہن نقاش یک تمثال شیریں تھا اسد

۶ سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

شعر (۱) رشک محبت کتاب ہے کہ اس کا غیر کے ساتھ ربط و ضبط ہے یعنی اسے غیر سے محبت لیکن

عقل کتنی ہے کہ رقیب کے ساتھ بھی اس کا اخلاص و الفت حقیقی نہیں وہ بیونا کس کا آشنا ہے وہ جس طرح تیرے ساتھ بیونائی کرتا ہے اسی طرح اس کے ساتھ بھی کرے گا۔

شعر (۲) اس جہان کا ذرہ ذرہ جو گردش و انقلاب کا ساغر ہے اور جس انسان کو حیران و پریشان کیا

ہوا ہے یہ سب کچھ آسمان کی نیرنگ ساری کا نتیجہ ہے یعنی یہ سب کچھ سی کے اشارہ سے ہوا ہوا ہے مگر ہر ثانی

میں شعر نے تمثیل کیا ہے کہ مجنوں کی گردش یعنی صحرانوردی یسلی ہی کے اشارہ چشم سے تھی مفہوم شعر یہ

ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوا ہوا ہے وہ سب محبوب حقیقی (خد) ہی کے اشارہ و حکم سے ہوا ہوا ہے۔

شعر (۳) فراتے ہیں یہ عشق ہی ہے جو انسان عاجز کیلئے سرمایہ مباحات ہے اور یہ عشق ہی ہے

جو ذرہ کو صحرانورد اور قطرہ کو دریا بنا دیتا ہے یا ذرہ کو صحرا سے اور قطرہ کو دریا سے طاعت دیتا ہے

عشق سے تیرے بڑھے کیا دلوں کے مرتبے

حرف دلوں کو کیا قطروں کو دریا کر دیا

شعر (۴) فراتے ہیں میں ہوں درمیرا دل ہے جو ایک آفت نکڑہ ہی جو آرام تھا دشمن اور آوارگی پسند ہے

شعر (۵) فرماتے ہیں ہم دونوں کو شکستہ گدگد کی باتیں نہ کرنا چاہئیں۔ میرا رقیب آزاد ہے اور تیرا
آشنا آئینہ ہے یعنی میں فکر کی وجہ سے سربراہ اور رہتا ہوں اور تم بناؤ نہ کر کی وجہ سے شہنشاہ بن گئے ہو۔
شعر (۶) تمناں یعنی تقاضا یہ۔ فرماتے ہیں اے سدا فرماؤ کہ یکن، شیریں کی تصویر بنائیو۔ لا ایک تھار
تھا، ورنہ پتھر سے سر مار کر بھی کہیں معشوق پیدا کیے جاسکتا ہے۔ اس شعر میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ
فرماؤ کہ عشق کامل نہ تھا ورنہ شیریں کا پیدا ہونا کچھ عبید نہ تھا۔

۱۔ نہ کر اس پر پوش کا اور پھر بیاں اپنا ۱۔ بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا
۲۔ تم نے یہ بہت پلٹے بزم غیر میں یارب ۲۔ آج ہی ہوا منظور ان کو امتحان اپنا
۳۔ تقدیر ایک بلندی پر اور ہم بناسکتے ۳۔ عرش سے ادھر تو تاکاشکے مکان اپنا
۴۔ جسے وہیں قلندر ملت ہم ہنسی میں ٹالیں ۴۔ باسے آشنا نکلا ان کا پاس باں اپنا
۵۔ دہڑل انھیں لبتا جاؤں ان کو دکھلاؤں ۵۔ انگلیاں نکار اپنی خامہ خوچیاں اپنا
۶۔ اُتے لگے مت بے جا آپ نے عبت بدلا ۶۔ ننگ سجدہ سے میرے ننگ اتار اپنا
۷۔ تارے نہ تمنازی کر لیا بے دشمن کو ۷۔ دوست کی شکایت میں ہم نے ہمزیاں اپنا
ہم کہاں کے داتا تھے کہیں ہنر میں بکاتا تھے۔

۸۔ بے سبب ہوا مخالف دشمن آسمان اپنا

شعر (۱) فرماتے ہیں میں نے جو معشوق کے حسن کی تعریف کی تو جو شخص میرا محرم راز تھا وہ بھی سن کر
میرا رقیب بن گیا اس واسطے کہ اہل تو ایسے پرورش کی تعریف تھی اور وہ بھی مجھ جیسے جاوید بیان کی زبان سے
پہلے مصرعہ کہ دوسرا رکن یعنی بیان پناہ مرزا مرحوم کی خصوصیات میں سے ہے ریا و کار غالب،
شعر (۲) فرماتے ہیں، بزم غیر میں بکثرت شراب نوشی مجھ کو اپنی عالی ظرفی و سیکش کا امتحان ملتا
ہے شاعر بطور سکوت کہتا ہے کہ آج ہی ان کو اپنا امتحان منظور ہوا جبکہ وہ بزم غیر میں ہیں شک کہ یہ امتحان ان کو

میرن فضل میں منہ اور جوتا اور وہ میرے ساتھ شراب پی کر خود ہوتے تو میں انکے وصل سے زیادہ سے
 زیادہ شہدہ اندوڑ جوتا (شامراپی بد نصیبی کا شکوہ کرتا ہے)

شعر (۴۰) فرماتے ہیں اب ہمارا مسکن عرش ہے کاش کہ ہمارا مکان عرش کے اس طرب ہوتا تاکہ
 کسی بلند آدمی ہم اپنا منظر بنا کر اسکے لطف دیدار سے بہرہ رہتے مگر اب تو عرش سے اونچا کوئی مقام نہیں ہے
 ہم منظر بنائیں یہ وجہ ہے کہ ہم اپنی حقیقت سے بے خبر ہیں۔

شعر (۴۱) فرماتے ہیں کہ خوب ہوا کہ معشوق کے در کا پامیان ہمارا جان پہچان بکلا اب ہمارے لئے اس
 بات کا موقع حاصل ہے کہ وہ جتنی چاہے دلت ہم کو دے ہم اسکو ہنسی میں ڈالتے رہیں اور یہ چاہ کر رہے ہیں کہ
 ہمارا تہیم آشنایے ہمارا اس کا قدیم سے یہی برتاؤ ہے۔ دیا دگا رخائب،

شعر (۴۲) فرماتے ہیں میں اپنا درد دل کت تاکہ میں نہیں لکھتا رہوں اب نصیحت کی طاقت نہیں بہتری
 ہے کہ میں خود انکے پاس جا کر امن میں اپنی زخمی انگلیاں اور خونچکاں قام دکھاؤں کہ لکھتے لکھتے میری یہ حالت ہو گئی
 ہے مگر بے درد دیکھ کر میرے درد و مصیبت کو سمجھ لیں اور اس کا مداوا کریں۔

شعر (۴۳) فرماتے ہیں آپ نے اپنے منگب آستان کو بدلتی ناخوار صحت گوار کی۔ وہ پتھر ٹھنڈے سنگ سجڑ
 کے سجدوں سے خود بخود مٹ جاتا پھر آپ نیا پتھر نکالیتے۔

شعر (۴۴) فرماتے ہیں کہ میں نے دشمن کو بھی دوست کی شکایت میں اپنا ہمتو بنا لیا ہے تاکہ وہ وہاں
 جا کر میری چٹنی نہ کھائے اب وہ میری شکایت اس سے نہیں کر سکتا۔

شعر (۴۵) عام طور پر آسمان ہنر مندوں کا دشمن ہوتا ہے ہم کہاں کے ہنر مند اور داناے روزگار
 تھے کہ آسمان ناخوار ہمارا دشمن ہو گیا ہے

از من بگیر عبرت و کرب ہنر مکن

با بخت خود عداوت ہفت آساں خواہ

(۳) سرمہ مفت نظر ہو مری قیمت یہ ہے ۱ کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا
رحمت نالہ مجھے دے کہ مسبا د اظہالم

۲- تیرے چہرے سے عیاں ہو غم نہاں میرا
شعر (۱) اس شعر میں شاعر نے اپنے کام کی طرف اشارہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کا فیض عام ہے فرماتے
ہیں کہ میں سرمہ ہوں جس کی قیمت صرف اتنی ہے کہ خریدار کی آنکھوں پر میرا احسان رہے۔ سرمہ مفت نظر
کی طرف اضافت تشبیہی ہے اور اسے اضافت مجازی بھی کہتے ہیں۔ مغموم یہ ہے کہ سخن فنی و سخن گوئی کے
لئے اس سرمہ سے بصارت حاصل ہوتی ہے۔

شعر (۲) فرماتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ضبط نالہ غم سے میری زندگی تمام ہو جائے اور پھر تجھے میرے
مرنے کا رنج ہو اور یہ رنج تیرے چہرے سے میرا غم نہاں ہو کر ظاہر ہو۔

۱ ہم غافل یو ہم ناز خود آ رہے رہے یاں ۱ بے نشانی صبا نہیں طرہ گیاہ کا
۲ بزم قدح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ نگ ۲ صیدِ زرد ام جستانہ ہے اس ام گاہ کا
۳ رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے ۳ شرمناگی سے عذر نہ کر ناگناہ کا
۴ مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے ۴ پیر گل خیال زخم سے امن نگاہ کا
جاں در ہوائے یک ننگہ گو م ہے اسرار

۵- پروانہ ہے وکیل ترے دادخواہ کا

شعر (۱) فرماتے ہیں غافل انسان اپنی خود آرائی کے وہم میں گرفتار ہے اور اپنی کاروائی پر فخر کا اظہار
کرتا ہے حالانکہ دنیا میں کوئی کام بغیر حکم قادر مطلق کے نہیں ہوتا یہاں تک کہ گھاس جسی ناچیز شے کی ز
سوار تے کیلئے اس صبا کو مقرر کر رکھا ہے تو ایسی حالت میں انسان کا اپنی کامیابی پر ناز کرنا جہالت کی
دلیل ہے۔ تمام کامزائیاں لطف الہی سے منسوب ہونی چاہئیں۔

شعر (۱۲) صید دام جستہ، وہ شرکار جو دام سے نکل گیا ہو۔ رنگ بمعنی عیش عشرت۔ فرماتے ہیں محفل شراب سے عیش و سرور کی امید نہ رکھ کیونکہ عیش ایک ایسا شرکار ہے جو اس دام سے نکل چکا ہے مفہوم یہ ہے کہ نرم عیش و طرب کو ثبات نہیں اسلئے اس سے تندرستے مسرت بیکار ہے یا یہ کہ اس دنیا میں عیش و سرور کو دوام نہیں۔
 شعر (۱۳) فرماتے ہیں ہم اپنے گناہوں کا عذر کرنے میں شرمندگی کا احساس کرتے ہیں اسلئے اپنے گناہ کا عذر نہیں کرتے کیا عجب ہے کہ رحمت الہی ہمارے اس شرم کو جو عذر گناہ میں ہے قبول کرے۔

شعر (۱۴) فرماتے ہیں میں قتل میں معشوق کے ہاتھوں سے قتل ہونے کیلئے کس خوشی سے جارا ہوں اور میرا دامن نگاہ زخموں کے خیال سے پھولوں سے لبریز ہے یعنی زخموں کی بہار میری نظروں میں ہے۔
 شعر (۱۵) ہوا بمعنی خواہش اور شوق۔ فرماتے ہیں اسد کی جان اک نظر گرم کی آرزو مند ہے اور تیرے داد خواہ نے اپنا وکیل اسلئے پورا نہ کو مقرر کیا ہے تاکہ وہ تجھ کو جان دیتے کا قاتل شمع پر جل کر دکھا دے داری طرح تو میری جان اک نگاہ گرم سے لے۔

(۱۵) جو سے باز آئے پر باز آئیں کیا ۱ کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلاؤں کیا
 رات دن گردش میں ہیں سیات آسماں ۲ ہو ہے گا کچھ نہ کچھ گھر میں کیا
 لاگ ہو تو اسکو ہم سمجھیں لگاؤ ۳ جبے ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
 ہوئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ ۴ یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
 موج خوں سے گزر ہی کیوں جائے ۵ آستان یار سے اکٹھے جائیں کیا
 عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ ۶ مر گئے پر دیکھے دکھلاؤں کیا
 پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
 کوئی بتلائے کہ ہم مبتلاؤں کیا

شعر (۱۶) معشوق ظلم و ستم سے باز آ گیا ہے مگر وہ کس طرح ظلم و ستم سے باز آ سکتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے

تہائی یا میرے عشق کی شہرت سکر لے جیتے ہیں کہ غالب کون شخص ہے اب کوئی نہیں بتائے کہ ہم اسے کیا بتائیں کہ غالب کون ہے؟
 زمر دم یاری پر سہرہ کہ عالی کیت طالع میں!

کہ عمر در محبت رفت و کار آخر سیار اینجا

۱۔ لطافت بے کثافت جلو و پیدا کر نہیں سکتی ۱ چمن زنگار ہے آئینہ باد بہاری کا
 حریف جوشش ریا نہیں خود داری سحر ۲ جہاں ساقی ہو تو باطل ہے عیسیٰ ہوشیاری کا
 شعر (۱) کثافت یعنی پاکیزگی۔ کثافت یعنی گندمی۔ زنگار چمن سے مراد سبزہ زار ہے فرطے ہیں لطافت
 بغیر کثافت کے جلوہ گر نہیں ہو سکتی (ملاحظہ فرمائی اس بیان کا مثالی ثبوت ہے، باد بہاری کا جلوہ ہمیشہ چمن کے
 ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے جبکہ چمن میں زنگار چمن یا سبزہ زار نہ ہو اس وقت تک آئینہ باد بہاری کوئی نہیں دیتا
 آئینہ باد بہار کو لطافت اور زنگار چمن (سبزہ زار) کو کثافت کہا ہے۔

سحر (۲) حریف یعنی دشمن۔ جوشش دریا سے مراد طغیانی دریا۔ فرطے ہیں۔ ساحل ریا اگرچہ کتنا ہی
 خود دار ہے کیا! کی خود داری دریا کی طغیانی کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور ساحل اپنے آپ کو غرق ہونے سے
 نہیں بچا سکتا ہی۔ زمر میں تو ساقی ہو وہاں ہر شیروں کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ شاعر نے معشوق
 کی ساقی گری کو جوشش دریا سے مشابہ کیا ہے۔

موندناہ آئی نے یادگار غالب میں اس شعر کی شرح اس طرح سے فرمائی ہے ساحل لاکھ اپنے آپ کو بچائے
 مگر ریا طغیانی پر تاتا ہے تو ساحل محفوظ نہیں رہ سکتا اسی طرح جہاں تو ساقی ہو وہاں ہوشیاری
 دیکھ نہیں دے سکتا یہ شہر حقیقت و مجی زدونوں پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ حکیم اشیرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا ۱ درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
 تج سے قسمت میں مری صورت قفس ابجد ۲ تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا
 دل ہوا کشمکش چار بخت میں تمام ۳ مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا فنا ہو جانا

اب جفا سے بھی میں محروم ہوں لہذا لشد ۴ اس قدر دشمن ارباب و فاء ہو جانا
 ضعف گریہ سے مبتدل بہ دم ہسرد ہوا ۵ باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا
 دل سے مٹا تیری انگشت حنائی کا خیال ۶ ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا
 مجھے ابر ہساری کا برس کر کھلنا ۷ روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا
 گزشتہ نگشت گل کو تم سے کوچہ کی ہوس ۸ کیوں ہے گرد رہ جو لان صبا ہو جانا
 تاکہ تجھ پر کھٹے عجاز ہوائے صیقل ۹ دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہو جانا

بخٹے ہے جاوہ گل فردق تماشا غالب

۱۰ چشم کو چاہیئے ہر رنگ میں وا ہو جانا

شعر (۱) فرماتے ہیں جب دردِ جد سے گزر جائیگا تو مر جائیگے۔ یعنی فنا ہو جائیگے گویا قطرہ دریا میں
 کھپ جائیگا اور یہی اس کا مقصود ہے پس درد کا حد سے گزر جانا بھی اس کا دوا ہو جانا ہے (یا دگار غالب)
 شعر (۲) قفل بجد سے مراد وہ نالا ہے جس کے حلقوں پر حروف ابجد کندہ ہوتے ہیں اور جب تک
 یہ سب حروف بہ ترتیب مقررہ نہیں ملتے قفل نہیں کھلتا۔

شاعر نے اس شعر میں اپنی قسمت کو قفل ابجد سے مشابہ کیا ہے اور کہا ہے کہ جس طرح مقررہ نطق کے
 بغیر قفل ابجد کھل جاتا ہے اسی طرح تیرے ملنے کی تدبیر ہوتی ہی میرے نصیبوں میں تجھ سے جدائی لگتی تھی۔
 شعر (۳) چارہ یعنی علاج۔ رحمت یعنی بیماری۔ عقدہ یعنی گرہ، وا ہونا کھلنا۔ فرماتے ہیں دل کشکس
 نکلے ہی میں تمام ہو گیا اور یہ گرہ کھلنے ہی میں بٹ گئی شاعر نے انکو عقدہ سے تشبیہ ہی نہایت اچھی تشبیہ ہے۔
 شعر (۴) اللہ اللہ اذہ استعجاب کہا ہے۔ ارباب و فاء یعنی وفادار۔ فرماتے ہیں ایک وہ زمانہ تھا کہ
 ہم ہر طرح طرح کے ظلم کئے جاتے تھے لیکن اب یہ دیکھ کر کہ ہم اسکے ظلم و ستم کو بخوشی برداشت کرتے ہیں اور اس سے
 لطف اندوز ہوتے ہیں اس نے ہم جیسے بچے عاشقوں کو جفا سے بھی محروم کر دیا ہے۔

شعر (۵) فرماتے ہیں ہم سداً ستحالہ عناصر کے قائل نہ تھے یعنی یہ کہ پانی بھی تبدیل نہ ہوا ہو جاتا ہے۔
 اور ہمدادی کچھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک عنصر دوسرے عنصر میں کس طرح تبدیل ہو سکتا ہے لیکن اب جبکہ انتہائی ضعف
 سے ہم نالہ نہیں کر سکتے صرف آہیں کر رہے ہیں تو ہمیں اس امر کا یقین ہو گیا کہ پانی ہوا بن سکتا ہے۔

شعر (۶) فرماتے ہیں تیری حنا آلود انگلیوں کا خیال دل سے نہیں مٹایا جاسکتا یہی طرح ناممکن
 ہے جس طرح گوشت کو ناخن سے نہیں جدا کیا جاسکتا۔

شعر (۷) فرماتے ہیں غمِ فروت میں بستے بستے تمام ہو جانا میرے نزدیک ایسی ایک معمولی بات ہے جیسے
 بار بار کایاں کر کھلنا۔ یہ بالکل نرالی تشبیہ ہے۔ (یادگار غالب)

شعر (۸) نگہِ کل، بچوں کی خوشبو، ہوس یعنی آرزو، جولان یعنی دوڑنا۔ فرماتے ہیں اگر بڑے گل کو
 تیرے کوچہ میں پہنچنے کی ہوس نہیں ہے تو پھر یہ بادِ صبا کے رستہ کی گرد کیوں بن رہی ہے مفہوم شعر یہ ہے کہ بڑے
 گل اس لئے ہوا میں شامل ہے کہ اسے تیرے کوچہ میں پہنچنے کی سعادت نصیب ہو۔

شعر (۹) اعجاز یعنی معجزہ جیسا کہ معنی رنگ دور کرنا۔ آئینہ سے مراد آئینہ فولادی جو برسات میں سبز
 ہو جاتا ہے۔ آئینہ کا سبز ہو جانا موسمِ برسات کی ہوا کے اثر سے ہے فرماتے ہیں اگر تو عشق کے اعجاز کو دیکھنا چاہتا
 ہے تو موسمِ برسات میں آئینہ فولادی کو دیکھ کہ وہ رنگہ، آلود ہو جانا ہے اور یہ رنگ فلکنا کششِ عشق کی منقل
 ہے کیونکہ جب رنگ لگے گا تو آئینہ کو مستقل ضرور کیا جائے گا۔

شعر (۱۰) فرماتے ہیں اے غالب! باغ میں طرح طرح کے پھولوں کا کھلا ہوا ہونا میرے دل میں اشتیاق
 دید پیدا کرتا ہے لہذا چشمِ حقیقت میں کو ہر رنگ میں کھل جانا چاہیے۔ مفہوم یہ ہے کہ کائنات کے ہر ذرے
 کو اخذِ نتائج کے لئے چشمِ بدینا سے دیکھنا چاہیے۔



رواق پ

- (۸) پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب ۱
 ۲ پوچھ مرت و جو سیدہ مستی اباب چمن ۲
 ۳ جو ہوا غرقہ مجے سخت رسا رکھتا ہے ۳
 ۴ ہے یہ برساتا ہوا موسم کہ عجب کیا ہے اگر ۴
 ۵ چار منچ اٹھتی ہے طوفان طریح ہر سو ۵
 ۶ جس قدر روٹ بناتی ہے جگر تشنہ ناز ۶
 ۷ بسا دھڑے ہے لگ تاک میں خوں ہو ہو کر ۷
 ۸ موج گل سے چراغماں ہے گزر کا خیال ۸
 ۹ نشے کے پڑے میں ہے مجھ تشنہ دماغ ۹
 ۱۰ ایک نام پہ ہیں طوفانی کیفیت و فساد ۱۰
 ۱۱ شرح ہنکامہ ہستی ہے زبے موجیم گل ۱۱
 ۱۲ رہی قطرہ بدریا ہے خوشا موج شراب

ہوش اڑتے ہیں سرے جلوہ گل دیکھ اسعد

۱۲ پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب

شعر (۱) بال کشا دن فارسی محاورہ ہے جس کے معنی اڑنا۔ بط نے سے مراد شراب کی وہ طاری جو بط کی شکل کی ہو۔ (بط ایک ریائی پتندہ ہے جو اکثر تالابوں یا جھیلوں میں رہتا ہے، قہقہے میں پھر وہ وقت آگیا ہے کہ موج شراب اڑنے کیلئے اپنے پرو بال کھولے اور موج شراب بط نے کو دل دوست (حوصلہ و قوت) شناوہ و غطر کے مفہوم یہ ہے کہ پڑوسم جا آگیا ہی شراب دور چلنا چاہیے بط کی بال نشانی کو دور شراب استعارہ کیا ہے

شعر (۱۲) سیرت معنی بہت مرت۔ ادا پن میں شہ برادر، شہ و سر بہتر میں۔ تاکا بمعنی انگور۔ فرماتے ہیں باب
چمن (بلغ کے سرسبز شجر) جو میستی میں بھلوم ہے اس کا وجہ نہ پوچھو۔ بات یہ ہے کہ ہوا و مایہ تاکا
انگوں میں سے ہو کر گزرتی ہے وہ موج شراب کا اثر رکھتی ہے اور ادا باب چمن اس سے متاثر ہو کر ستانہ وار
جھوم رہے ہیں۔ سیدیستی کا لفظ نہایت مناسب ہے۔ کیونکہ درختوں کی گری بھری سیاحی کے حد تک پہنچ
جاتی ہے اور یہ بہت ظہیر تشبیہ ہے۔

شعر (۱۳) جو شہن شراب میں غرق ہو جائے وہ نہایت صاحب نصیب اور اگر موج شراب سر سے گزر
جائے تو وہ ہما کی طرح دلیل سو دے اس شعر میں شاعر نے موج شراب کو بل ہما سے تشبیہ دی ہے اور موج شراب کے
سر سے گزرنے میں نشہ مے کے حد سے گزر جانے کی طرف اشارہ ہے اور بھی "کی معنوی قوت" اچھے انگیزی ہو کر رہا
کتے ہیں) اس شعر میں یہ ہے کہ اگر شراب استعمال اعتدال سے ہو تو نہایت اچھا ہے لیکن اگر اس کا نشہ حد
سے تجاوز ہو تب بھی بال ہما سے مشابہ ہے۔

شعر (۱۴) فرماتے ہیں: رسات و موسم ہے کہ اس میں بہت سی کیفیات اور بہت ہی اشیاء ہیں۔ ایک
انتخاب پیدا ہو جاتا ہے اور کیا عجیب ہے کہ موسم بہار کی ہوا کا فیض موج ہستی کو بھی موج شراب بنادے
مفہوم یہ ہے کہ موسم بہار میں طبیعتوں میں ایک خاص و لولہ و رجوش پیدا ہو جاتا ہے۔

شعر (۱۵) طرب بمعنی خوشی۔ فرماتے ہیں موسم بہار میں طوقان مسرت سے ہر طرف چاروں طرف اٹھتی ہیں
یعنی موج کل یعنی ہر طرف رنگ برنگ کے پھول شگفتہ ہوتے ہیں موج شفق یعنی آسمان پر ہر طرف شفق بھوئی
ہے موج صبا یعنی ہر طرف خوشگوار ہوائیں چلتی ہیں موج شراب یعنی ہر طرف شراب کے دور چلتے ہیں۔ (۱۶)
شعر میں شاعر نے بہار کی پوری کیفیت بیان کی ہے۔

شعر (۱۶) روت نہایت یعنی قوت نامیہ مراد ہنرہ۔ جگہ نشہ بمعنی شائق۔ آپ لہ مراد آب حیات۔ فرما
ہے کہ موسم بہار میں جس قدر قوت نامیہ کے حن تاز میں ترقی ہوتی ہے اسی قدر صبح شراب اپنے آب حیات کے

گھونٹوں سے روح انسان کو قوت و تسکین عطا کرتی ہے۔

شعر (۷) رنگ ناک یعنی انگور کی بلیں۔ شہپر یعنی پر پرواز۔ فرماتے ہیں موج شراب انگور کی بلیوں میں خون بن کر دوڑ رہی ہے اور جو رنگینی بلیوں کے پتوں پر ظاہر ہو رہی ہے وہ درحقیقت پر پرواز ہے اور موج شراب اسی پر پرواز رنگ سے پرواز کرتی ہے۔

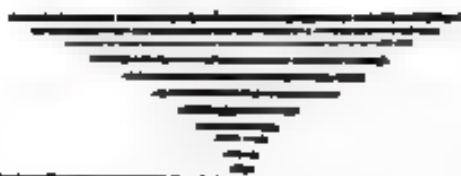
شعر (۸) فرماتے ہیں میرے تصور میں موج شراب جلوہ نما ہے اسلئے میرے گزرگاہ خیال میں موج شراب کی رنگینی نے میرے جگر سے مشابہ ہے چراغاں کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ موج جگر کو چراغاں کی تشبیہی ہے۔

شعر (۹) نشو و نما سے مراد نشو و نما دماغ ہے سمجھنی خیال و خواہش ہے فرماتے ہیں موج شراب نشو کے پردے میں تماشا لئے دماغ میں محو ہے اس لئے کہ اسے نشو و نما لئے دماغ کا خیال ہے۔

شعر (۱۰) طوفانی یعنی ہوش و خروش کا اظہار کرنے والے فصل سے مراد موسم بہار۔ فرماتے ہیں موسم بہار نے زمانہ بھر میں ایک ہوش و خروش کا طوفان برپا کر رکھا ہے اور موج بہار تو خیز سے لیکر موج شراب تک سب ایک ہی رنگ یعنی مستی کے عالم میں ہیں۔

شعر (۱۱) فرماتے ہیں موسم بہار بھی ایک عجیب شے ہے جو ہنگامہ ہستی کی شرح کر رہا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نشاط بہار اور ہنگامہ ہستی دونوں ناپائیدار ہیں اس واسطے موسم بہار اس کی شرح ہے اور چونکہ شراب بھی بخوری کی کیفیت پیدا کرتی ہے جو فنا سے مشابہ ہے اسلئے اس کو ”پرہیز قطرہ بدایا“ کہا۔ کیونکہ فنا قطرے کو دریا سے اور جزو کو کل سے ملا دیتی ہے۔

شعر (۱۲) فرماتے ہیں اسد بلوہ کل دیکھ کر میرے ہوش اڑنے لگتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ موج شراب کی بال کشائی یعنی دور شراب کا وقت آپنچا ہے۔



دولف "ت"

(۱۱) افسوس کہ دیدان کا کیا رزق فلک نے ۱ جن لوگوں کی تھی درخور عقد گہر انگشت
کافی ہے نشانی تیرے چھتے کا نہ دینا ۲ خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت
لکھتا ہوں آسہ سوزشِ دل سے سخن گرم
۳- تار کھ نہ سکے کوئی مرے حوت پر انگشت

شعر (۱۱) دیدان یعنی قابل ہونا۔ عقد یعنی موتیوں کا ہار لگنا یا مراد
چھتے یا انگلی کی ہے۔ دہلتے ہیں جن لوگوں کی انگلیاں موتیوں کی انگلی بھٹیوں کے قابل تھیں افسوس آسمان
نے ان کو مرنے کے بعد کیڑوں کی خوراک بنا دیا یعنی ان کی نرم و نازک انگلیوں کو کیڑے کھا رہے ہیں۔
بعض نسخوں میں دیدان کے بجائے دندان دیکھا گیا ہے اس صورت میں اس شعر کی شرح یہ ہوگی۔
جن لوگوں کی انگلیاں موتیوں کے چھتے کے قابل تھیں افسوس گردش آسمان نے ان کی انگلیوں کو دانتوں
کا رزق بنا دیا یعنی وہ انقلاب روزگارا سے انگشت بدنداں یعنی حیران ہیں۔

شعر (۱۲) فرماتے ہیں سفر کے وقت نشانی کے طور پر چھتے وغیرہ دینے کا قاعدہ ہے شاعر کہتا ہے۔
کہ مجھے تیری ہی نشانی کافی ہے کہ تو نے مجھے بجائے چھتے دینے کے خالی انگلی دکھادی اور نشانی نہ دی۔

شعر (۱۳) سخن گرم یعنی سخن خوب یا لطیف و پاکیزہ اشعار۔ فرماتے ہیں اے اسد! میں سوزشِ دل کی وجہ
سے لطیف و پاکیزہ اشعار لکھتا ہوں تاکہ کوئی شخص میرے حرفوں پر انگلی نہ رکھے یعنی میرے اشعار میں عیب
نہ نکال سکے۔ بس جگہ ایک پر لطف نکتہ یہ بھی ہے کہ گرم چیز پر کوئی شخص جل جانے کے خوف سے انگلی نہیں
رکھتا پس میرے اشعار میں کوئی شخص اپنی بدنامی کے خوف سے عیب نہ نکال سکے گا۔

(۱۴) رہا کوئی تا قیامت سلامت پھر اک روز مرنا ہے حضرت مثلاً

جگر کو مرے عشق خوننا بہ مشرب ۲ لکھتے ہے خزاوند نعمت سلامت
 علی زرغم دشمن شہید و فاجہوں ۳ مبارک مبارک سلامت سلامت
 نہیں مگر سرو برگ اور اک، معنی
 ۴ تماشا شائے نیرنگ صورت سلامت

شعر ۱۱ فرماتے ہیں گر کوئی تاقیامت زندہ و سلامت رہا تو کیا ایک روز مرنا لازمی ہے۔
 شعر ۱۲ عشق خوننا بہ مشرب مراد ایسا عشق جس کے مذہب میں خون کھانا جائز ہو فرماتے ہیں عشق
 جس کے مذہب میں خون پینا جائز ہے ہمیشہ میرے جگر کو خزاوند نعمت لکھتا ہے اسلئے کہ اُس نے میرے خون
 جگر ہی سے پرورش پائی ہے۔

شعر ۱۳ علی زرغم دشمن معنی بخت دشمن۔ فرماتے ہیں۔ میں دشمن کی خواہش کے خلاف شہید و فاجہوں
 اور کسی پر اپنے آپ کو مبارکباد دیتے ہیں کیونکہ دشمن محبت میں شہید و فاجہ ہونا ایک بہت بڑا امتیاز ہے، مولانا
 انکم فرماتے ہیں کہ مبارک اس چیز سے کہ رقی بکے مذہب میں مراد ہے اور سلامت موجود ہے کہ شہید و فاجہ ہونا بہت
 شعر ۱۴ سرو برگ معنی سامانِ صدف معنی کی قدر ہے۔ اور اک بمعنی سمجھتا، دریافت کرنا۔ نیرنگ صدف
 سے مراد ہسام نہ پری معنی سے مراد حقیقت۔ فرماتے ہیں اگر حقیقت کو سمجھنے یا دریافت کرنے کی قوت و سامان
 نہیں تو نہ ہی۔ نیرنگ صورت یعنی اجسام نہ رہنا تو کیا نام ہی غنیمت ہے مفہوم یہ ہے کہ عشق عجیب و غریب
 حقیقی کہ زینہ ہے۔

مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
 یار لائے مرنے والیں پہ اسے پر کس وقت

(۵۱)

شعر ۱۵ مُند گئیں سے مراد بند ہو گئیں۔ بایں یعنی مرہانہ۔ فرماتے ہیں اسے غالب! میری آنکھیں
 کھولتے ہی کھولتے بند ہو گئیں یعنی موت آگئی، حجاب اسے میرے دل پہنے لائے لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔

(۵۲) آمد خط سے ہے سرد جو بازار دوست ۱ دو دُشمن کشتہ تھا شاید خط خسار دوست
 اے دل ناعاقبت اندیش ضبط شوق کر ۲ کون لا سکتا ہے تاب جلوہ دیدار دوست
 خانہ ویراں سازی حیرت تماشا کیجئے ۳ صورت نقش قدم ہوں فتنہ رفتار دوست
 عشق میں بیدار شک غیر نے مار مجھے ۴ کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمار دوست
 چشم مارو شن کہ اس بیدار دکا دل شاد ہے ۵ دیدہ پرخوں ہمارا ساغر سرشار دوست
 غیروں کرتا ہے میری پریش اس کے ہجر میں ۶ بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی مخمور دوست
 تاکہ میں جانوں کہ ہے اس کی رسائی والے تک ۷ مجھ کو دیتا ہے پیام وعدہ دیدار دوست
 جبکہ میں کرتا ہوں پناش کوہ ضعف باغ ۸ سرکے ہوئے حدیث زلف عنبر بار دوست
 چھپے چھپے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر ۹ ہنسکے کرتا ہے بیان شوخی گفتار دوست
 ہر بات ہمارے دشمن کی شکایت کیجئے ۱۰ یا بیاں کیجے سپاس لذت آزار دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
 ۱۱ ہے رولیف شعریں غالب زبں تکرار دوست

شعر (۱) فرماتے ہیں دوست کے خساروں پر مینہ آغاز ہو جانے سے اس کا بازارِ حسن سرد ہو گیا ہے۔ شاید
 خط خسار دوست بھی ہوئی شمع کا دھواں تھا اس شعریں شاعر نے غبارِ خسار کو شمع کشتہ یعنی بجھی ہوئی شمع
 سے تشبیہ دی ہے۔

شعر (۲) اے ناعاقبت اندیش دل خواہش دیدار کو ضبط کر، کوئی ایسا ہے جو جلوہ یار کی تاب لا سکے۔
 یعنی اس کے جمال باکمال کو دیکھ سکے اس شعریں حضرت موسیٰ کے بقیہ کی طرف تلمیح ہے۔

شعر (۳) فرماتے ہیں۔ غافلہ فرمائیے حیرت نے کس طرح میرے گھر کو برباد کر دیا ہے اور یار کی محشر خراہی نے
 صورتِ انتشار قدم مجھے اپنا والہ و شیدا بنا دیا ہے رفتہ رفتارِ اصل دارِ رفتہ رفتار (دوست) نیز یہ بھی ہو سکتا ہے

کہ شاعر نے خود کو باعتبار حیرانی و پامانی و خانہ بربادی نقش پا سے مشابہ کیا ہے۔

شعر (۸۴) فرماتے ہیں اگرچہ میں دوست کے عشق کا بیمار تھا اور اسی میں مجھے مرنا چاہئے تھا لیکن میری بد نصیبی ملاحظہ فرمائیں میں مر رہا بھی تو دشمن کے رنگ میں مرا اور بجائے کشتہ دوست ہمت کے کشتہ دشمن ہوا۔

شعر (۸۵) چشم مارو شن دل ماشاد۔ توشی کے موقع پر کہا جاتا ہے نیز چشم مارو شن کے لحاظ سے دل ماشاد نظم کیلئے۔ فرماتے ہیں ہم خوش ہیں ہم ہماری تکلیف سے اس کا دل خوش ہے اور ہمارا دیدہ پر خوں یعنی خون کے آنسو بہانا دوست کیلئے بمنزلہ شراب کے بیر نر ساغر کے ہے یعنی باعث مسرت ہے۔

شعر (۸۶) قطعاً فرماتے ہیں دوست میرے حال کی پرسش اس طرح کر رہا ہے جیسے کوئی نہایت ہی غموار دوست کسی دوست کا حال دریافت کرتا ہے۔

شعر (۸۷) فرماتے ہیں تاکہ میں اس کی پرسش حال سے یہ سمجھوں کہ اس کی رسائی دوست تک ہے اس لئے مجھ کو دوست کے وعدہ دیدار کا فریب دیتا ہے۔

شعر (۸۸) فرماتے ہیں جب میں اپنے ضعف و داغ کا شکوہ کرتا ہوں تو وہ دوست کی معجزہ زلفوں کی داستان شروع کر دیتا ہے۔

شعر (۸۹) اگر وہ مجھے چکے چکے روتے دیکھتا ہے تو یار کی شوخی رفتار کا قصہ چھیڑ دیتا ہے یعنی اس کی خوبی رفتار کی حکایت بیان کرنے لگتا ہے۔

شعر (۹۰) فرماتے ہیں اس حالت میں ہم دشمن کی ان ہر بانیوں کی شکایت کریں جو وہ ہمارا جی جلانے کے لئے کرتا ہے یا دوست کے ظلم و ستم کا شکریہ ادا کریں۔

شعر (۹۱) فرماتے ہیں اپنی اس غزل کو خود دل سے پسند کرتا ہوں اس لئے کہ اس کی ردیف میں بار بار نقطہ دوست آتا ہے جو مجھے پیارا معلوم ہوتا ہے۔

رولف "ج"

۱۔ گلشن میں دولت بزرگ گ رہے آج ۱ قمری کا طوق حلقہ بیرون ہے آج
 آتا ہے ایک پارہ دل ہر فغان کے ساتھ ۲ تارِ نفس کند شکار اثر ہے آج
 اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل ۳ سیلاب گریہ دریے دیوار و در ہے توج
 لو ہم مریض عشق کے تیار دار ہیں
 ۴۔ اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج!

شعر (۱) قمری۔ ایک چھوٹا سا پرندہ ہے۔ حلقہ در بعض دروازے کی زنجیر مجازاً وہ شخص جسے اندر داخل
 ہونے کی اجازت نہ ہو۔ فرماتے ہیں شاید آج ہمارا معشوق بیڑے میں مصروف ہے کہ آج باغ کا انتظام عجیب طریقہ
 سے کیا گیا ہے اور قمری (جو ایک مرغِ فواج ہے) کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں اور اس کا طوق اس کے
 لئے حلقہ بیرون در بنا ہوا ہے۔

شعر (۲) فرماتے ہیں آج میری ہر آہ کے ساتھ دل کا ایک ٹکڑا باہر رہا ہے اور کند تارِ نفس نے اثر
 کو شکار کر لیا ہے یعنی آج ہماری آہ میں اثر پیدا ہو گیا ہے۔

بعض شروں میں اس شعر کے معنی اس طرح بیان کئے گئے ہیں: "تارِ نفس کی کند نے اثر کو شکار کر
 لیا ہے لیکن اس اثر کا نتیجہ اٹا ہے کہ ہر فغان کے ساتھ ایک پارہ دل باہر آتا ہے یعنی اثر سے دل ٹکڑے
 ٹکڑے ہو جاتا ہے۔" آہ کے اس آئے نتیجہ کے ذکر سے اپنی بد بختی کا اظہار مقصود ہے۔

شعر (۳) چل یعنی رخت ہو۔ فرماتے ہیں اے عافیت آرام کنان کرو اور اے انتظام یہاں سے
 بیگانہ نکل۔ میرے آئینوں کا سیلاب آج در و دیوار گرنے کے لئے تیار ہے (سیلاب گریہ کے مقابلہ میں عافیت
 و انتظام کا وجود نہیں)

شعر (۴) تیمار دار سے مراد وہ شخص ہے جو کسی بیمار کی خدمت و فحاری کرتا ہے فرماتے ہیں لا تم اس امر کی شکایت کرتے تھے کہ بیمار عشق کا کوئی نگران یا خدمت کرنے والا نہیں ہم آج سے اس کی تیمارداری کا ذمہ لیتے ہیں لیکن اگر یہ اچانک ہوا تو پھر یہی کیا علاج؟ کیا علاج ایک وہ ہے جسکے معنی ہیں کہ پھر اسکو کیا سزا دی جائے

بیمار عشق کا جو نہ تم سے ہوا علاج
کہ اے طیب تو ہی کہ پھر تیرا کیا علاج

رولف "رج"

(۵) ۱۔ نفس نہ آرزوئے انجن سے باہر کھینچ ۱ اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ
کمال گرمی مٹی تلاش دید نہ پوچھ ۲ بزرگ خار مرے آئینہ سے جو ہر کھینچ
تجھے بہانہ راحت ہے انتظارے دل ۳ کیا ہے کس نے اشارہ کہ تار بستر کھینچ
تری طرف ہے بھرت نظر اہ زنگس ۴ بکوری دل و چشم رقیب ساغر کھینچ
یہ نیم غمزہ ادا کر حق و رعیت ناز ۵ نیام پرودہ زخم جگر سے خنجر کھینچ

مرے قدح میں ہے صہبائے آتش پھال

بروئے سفرہ کباب دل بھندہ کھینچ

شعر (۱) فرماتے ہیں ترک آرزو نہ کر اور نرم آرزو سے باہر نہ نکل اگر شراب نہیں تو انتظار ساغر ہی
ہی، بہر حال ترک آرزو نہ کر مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں انسان کو پاؤں اٹھانا امید نہ ہونا چاہیے اعدا کا لیابی کی
توقع کو کسی حالت میں بھی ترک نہ کرنا چاہیے۔

شعر (۲) فرماتے ہیں معشوق کے دیدار کی خاطر جو مجھے دھڑ دھوپ کرنی پڑتی ہے اسکی کیفیت مجھ سے
نہ پوچھ حضرت دیدار دوست میں ہو حیرانی تجھ پر مستوی ہے اس نے مجھے آئینہ بنادیا ہے جس میں سچائے جوہروں کے

کھٹے ہیں اجلو کمال گرمی سہی کا قیجہ سمجھنا چاہیئے، تو بجائے میرا حال پوچھنے کے ان کانٹوں کو نکال جو دشت
تلاش دہی میں میرے تلوؤں میں چھبے ہوئے ہیں پھر تجھ پر میری سہی و تلاش کا حال آئینہ ہوگا۔

شعر (۱۴) فرماتے ہیں اے دل بستر پر لیٹے لیٹے دوست کا انتظار کرنا آرام ڈھونڈنے کا ایک بہانہ
ہے لہذا اٹھا اور اس بستر کے ناز اٹھانے کے کنارہ کر۔ ناز بستر کے الفاظ سے شاعر نے کوئی معنی پیدا رکھے ہیں
یعنی اٹھ صحرانوردی کر، نالہ کشی کرو وغیرہ وغیرہ۔

شعر (۱۵) فرماتے ہیں۔ نرگس تیرے چہرہ کو بنگاہ حسرت دیکھ رہی ہے کہ تو شراب کیوں نہیں پیتا؟
اور چونکہ تو بلحاظ شرم و حیا جو تیری طبیعت میں موجود ہے اسکی موجودگی میں عجا یا نہ شراب نہیں پی سکتا لیکن
میں تجھے بتاتا ہوں کہ میرا یہ قییب یعنی نرگس کو دل اور کورچشم ہے اسلئے تجھے بے تکلف شراب نوشی کرنی چاہیئے
اس شعر میں نرگس کو قییب اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ بھی معشوق کے جمال کا نظارہ کرنے میں مشغول ہے۔
اور راجہ آنکھ سے مشاہدہ کرنے کے کورچشم اور بے نور ہونے کے سبب کور دل کہا گیا ہے۔

شعر (۱۶) ودیعت بمعنی امانت۔ فرماتے ہیں تیرا خنجر ناز میرے پردہ زخم جگر کے نیام میں بمنزلہ امانت
موجود ہے تو اس کا حق امانت بہ نیم غمزہ ادا کر۔ یعنی اس خنجر کو اس نیام سے نکل لے اور نیم لگاہ جو حق امانت
یا مزا امانت ہے تجھے عطا فرما۔ نیز اس شعر میں صنعت الفاظ بھی موجود ہے وہ یہ کہ "نیام" کا الف نکل
ڈالتے سنے نیم رہ جاتا ہے اور عاشق بھی نیم غمزہ کا طالب ہے۔

شعر (۱۷) سفرہ یعنی دسترخوان۔ سمندر وہ کیرا جو آگ میں پیدا ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں میرے پیالے میں آتش پنہاں کی شراب ہے لہذا اسی مناسبت سے میرے دسترخوان
پر کباب بھی سمندر کے دل کے لگانے چاہئیں۔



رو لیف "و"

- ۱۵۵) حسن غمزد کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد ۱ باسے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد
منصب شیفگی کے کوئی قابل نہ رہا ۲ ہوئی معزولی انداز وادامیرے بعد
شمع بجھتی ہے تو اس میں دھواں اٹھتا ہے ۳ شعلہ عشق یہ پوش ہوا میرے بعد
خوں ہٹے ل خاک میں احوال بتاں پر یعنی ۴ ان کے ناخن ہٹے محتاج حنا میرے بعد
در نور عرض نہیں جو ہر بیدار کو جا ۵ نگہ ناز ہے سرمہ سے خفا میرے بعد
ہے جنوں اہل جنوں کے لئے آغوش دواع ۶ چاک ہوتا ہے گریبان قضا میرے بعد
کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افکن عشق ۷ ہے مکر لب ساقی پہ صلا میرے بعد
غم سے مرتا ہوں کہ تنائیں دنیا میں کوئی ۸ کہ کرے تعزیتِ حرو و وفا میرے بعد

آئے بے سبکی عشق پہ رونا غالب!

۹۔ کس کے گھر جاؤ گیلا ب بلا میرے بعد

شعر (۱) غمزد معشوق کے اس اشارے کو کہتے ہیں جو آنکھ دوا برو کیا جائے۔ اہل جفا مرد معشوق، فراتے ہیں میرے مرنیکے بعد حسن غمزد یعنی ناز و انداز کی کشاکش سے چھوٹ گیا اور اہل جفا یعنی تمام معشوق آرام سے ہو گئے مفہوم یہ ہے کہ جب تک میں زندہ تھا تمام معشوقوں کو مجھے اپنا فریفتہ بنانے کیلئے ناز و انداز سے کام لینا پڑتا تھا اب ان کو اس کشاکش سے نجات مل گئی۔

شعر (۲) منصب شیفگی سے مراد منصب یا درجہ عشق ہے۔ فراتے ہیں میرے مرنیکے بعد منصب عشق کے قابل کوئی نہ رہا اسلئے معشوقوں کے انداز وادام معزول ہو گئے کیونکہ جب کوئی عاشق ہی نہیں تو پھر ناز وادام کس کام کے؟
شعر (۳) خلتے ہیں جب شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے درحقیقت وہ دھواں نہیں۔

بلکہ وہی شعلہ ہے جو شمع کے جل بجھنے کے بعد اس کے غم میں یہ پوش ہو جاتا ہے اسی طرح شعلہ عشق میرے مر جانے کے بعد غم میں یہ پوش ہو گیا ہے کیونکہ میں بھی آتش عشق کے سوز و گداز میں جل بجھا ہوں۔

شعر (۴) فرماتے ہیں میرا دل خاک میں ملنے کے بعد (یعنی قبر میں) معشوقوں کے حال پر خون کے آغوش بہا رہا ہے اسلئے کہ میرے مرنے کے بعد ان کے ناخونوں کو حنا کی احتیاج ہوئی۔ مفہوم یہ ہے کہ زندگی میں تو وہ میرے خون سے اپنے ناخونوں کو رنگین کر لیا کرتے تھے اب میری موت کے بعد وہ محتاج حنا ہیں۔

شعر (۵) عرض بمعنی کسی چیز کا کسی پر ظاہر کرنا۔ فرماتے ہیں جو ہر بیدار کے اظہار کیلئے ایک کٹی مناسب جگہ نہیں ہی یعنی میرے مرنے کے بعد وہ کسی اور کو تختہ مشق ناز نہیں بناسکتے اسلئے نگہ ناز نے سرمہ لگانا چھوڑ دیا ہے اس شعر میں عرض اور جو ہر کو رعایت لفظی کیلئے استعمال کیا ہے مگر وہ عرض جو ہر کی ضد ہے نہ براۓ مفتوح ہے اور یہ براۓ ساکن ہے۔

شعر (۶) آغوش و دارع ہے یعنی رخصت ہو رہا ہے۔ چاک گریہاں یعنی گریبان کا پھٹنا۔ فرماتے ہیں۔ جنون عشق بھی میرے ساتھ دنیا سے اٹھ رہا ہے اور چاک گریبان سے رخصت ہو رہا ہے مفہوم یہ ہے کہ میرے بعد اب کوئی شخص حالت جنون عشق میں اپنے گریبان کو چاک نہ کرے گا۔ اور اب کوئی گریبان چاک یعنی پھا ہوا نظر نہ آئے گا۔

شعر (۷) مصرعہ اول مجموعہ الفاظ ملا ہے پہلی بار ساقی سوا الیہ لہجے میں دریافت کرتا ہے کہ کون ہوتا ہے حریف مئے مردانگ عشق؟ مگر کسی میں یہ ہمت نہیں کہ وہ شراب عشق پیئے اور جب اس آواز پر کوئی نہیں آتا تو دوبارہ بطریق ایسی اس مصرع کو پڑھتا ہے کہ کون ہوتا ہے حریف مئے مردانگ عشق! یعنی کوئی نہیں ہو سکتا۔ لفظ "مگر" نے اس شعر کو گویا فلک الافلاک پر پہنچا دیا ہے۔

شعر (۸) فرماتے ہیں میں اس غم میں مرد ہوا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد ہر روز کا بھی خاتمہ ہڑیگ اور کوئی ان کی تخریب کرنے والا بھی باقی نہ رہے گا۔

شعر (۹) مجھے عشق کی سیکی یاد ہوتا آتا ہے کہ میری موت کے بعد یہ سیلاب طائے عشق کسے کھر جائیگا۔ یعنی میرے مرنے کے بعد عشق کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔ اور عشق کی بیکی کا یہ تصور میرے لئے ابھی سے سوہان و دگر بن رہا ہے۔

روایت

(۵۶) بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر درو دیوار ۱ نگاہ شوق کو ہیں بال و پردہ و دیوار
 و فورا شک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ ۲ کہ ہو گئے میرے دیوار و در و دیوار
 نہیں ہے سایہ کہ سن کر تو یہ مقدم یار ۳ گئے ہیں چتر قدم پیش تر در و دیوار
 ہوئی ہے کس قدر ار زانی سے جلوہ ۴ کہ مست ہیں ترے کو چہ میں ہر در دیوار
 جو ہے تجھے میرے واسطے انتظار تو آ ۵ کہ ہیں دکان متاع نظر در دیوار
 ہجوم گریہ کا سامان کب کیا میں نے ۶ کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در دیوار
 وہ آ رہے ہمارے ہمارے میں تو سائے سے ۷ ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار
 نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی ۸ ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار
 نہ پوچھ بے خودی عشق مقدم بیلاب ۹ کہ ناچتے ہیں پڑے میرے سر در و دیوار
 نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں
 ۱۰ حریف راز محبت مگر در و دیوار

شعر (۱) فرماتے ہیں نگاہ شوق کے رستہ میں در و دیوار کاٹل نہیں ہو سکتے بلکہ یہ بال و پردہ کا کام ہے
 اور میری نگاہ شوق تیرے جمال جہاں آرا کو دیکھ لیتی ہے مفہوم یہ ہے کہ لگاؤ کو شوق میں در ترقی ہوتی ہے

دیکھ میتی ہیں پس پردہ تجھے
 ہیں کچھ ایسی بھی نگاہیں خاص خاص (بیحد)

شعر (۲) و فورا شک یعنی کثرت گریہ۔ فرماتے ہیں میرے کثرت گریہ یا طوفان خاک نے گھر کا یہ حال کر دیا۔
 ہے کہ جہاں دیواریں تھیں وہ ٹوٹ کر روانہ بن گئے ہیں اور جہاں دروازے تھے وہ گر کر دیواریں بن گئی ہیں۔

شعر (۱۳) اولیٰ یعنی خوشخبری۔ مقدم یعنی آنا۔ فرماتے ہیں یہ درد دیوار کا سایہ نہیں جو درد دیوار سے بچے آگے ہے بلکہ یار کے آنے کی خوشخبری شکر خود درد دیوار کے استقبال کیلئے چند قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔
 شعر (۱۴) فرماتے ہیں تو نے اپنے جلوہ حسن کی شراب کو کتنا انداز کر دیا ہے کہ تیرے کو چہ کے درد دیوار بھی شراب جلوہ حسن سے مست ہو رہے ہیں۔

شعر (۱۵) فرماتے ہیں اگر تو میرے سودائے انتظار کے خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے تو آ کیونکہ میری نظریں تیرے انتظار میں درد دیوار پہنچی ہوئی ہیں اور کثرت انتظار سے درد دیوار نے مکانِ متاعِ نظر کی شکل اختیار کر لی ہے۔

شعر (۱۶) فرماتے ہیں میں نے جب کبھی دل کھول کر رونے کا سلام کیا تو فوراً درد دیوار میرے قدموں پر گر پڑے۔ مفہوم یہ ہے کہ میرے گریہ میں تناثر ہے کہ مکمل ارادہ سے پہلے ہی اس کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔
 شعر (۱۷) فرماتے ہیں میرا محبوب جب میرے ہمسایہ میں آکر آباد ہو گیا تو میرے مکان کے در دیوار کا سایہ اسکے مکان کے درد دیوار کے سائے پر قربان ہونے لگا۔

شعر (۱۸) فرماتے ہیں بغیر تیرے گھر کی آبادی ہماری نظروں میں کشمکش ہے امداد ہم درد دیوار کو دیکھ دیکھ کر روتے ہیں رات کو میں اگر کوئی چیز کھٹکے تو اس کا لازمی نتیجہ آنسوؤں کی روانی ہے۔
 شعر (۱۹) سیلاب آنے کے وقت بخودی عیش کی کیفیت مجھ سے نہ پوچھ گویا درد دیوار پر حالتِ درجہ طاری ہو جاتی ہے اور وہ قصاں نظر آتے ہیں۔

شعر (۲۰) فرماتے ہیں اسے غائب اگرچہ تیرے راز محبت کو سننے والا سوائے درد دیوار کے اور جوئی نہیں لیکن اس کا تذکرہ کسی سے نہ کر کیونکہ لاگ تجھے مجنوں خیال کرینگے اور کہیں گے کہ درد دیوار بھی تمہیں راز محبت سننے میں اور درد دیوار سے مخی طیب ہونا کوئی عقلندی کی نشانی ہے۔

- (۵۷) گھر حب بنا لیا ترے در پر کے بغیر ۱ جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کے بغیر
 کہتے ہیں جب ہی نہ مجھے طاقت سخن ۲ جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کے بغیر
 کام اس سے آڑا ہے کہ جس جہان میں ۳ یوں نہ کوئی نام ستم گر کے بغیر
 جی ہی میں کچھ نہیں ہمارے و گرنہ ہم ۴ سرٹے یا رہے نہ رہیں پر کے بغیر
 چھوٹوں گل میں نہ اس بُت کافر کا پوجنا ۵ چھوڑے نہ خلق کو مجھے کافر کے بغیر
 مقصد ہے ناز و غمزہ و گفتگوں کام ۶ چلتا نہیں ہے دشمن و خنجر کے بغیر
 ہر چہند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو ۷ بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کے بغیر
 برہمنوں میں تو چاہیئے دونا ہوا نفقات ۸ متنا نہیں ہوں بات مکر کے بغیر

غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض

۹۔ ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کے بغیر

شعر (۱) فرماتے ہیں جب تیرے دروازے پر بغیر تیری اجازت کے میں نے اپنا گھر بنا لیا ہے تو کیا اب بھی تو
 میرے گھر کو بلا میرے بتلائے ہوئے نہیں جان سکتا اور یہ کہتا رہے گا کہ تمہیں تیرا گھر معلوم نہیں۔

شعر (۲) فرماتے ہیں جب مجھ میں ضعف و نفاہت کی سبب طاقت سخن نہ رہی تو وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ
 میں اس کی تمنا کیونکر پوری کروں۔ میں کسی کے دل کا حال کیسے جان سکتا ہوں جب تک کہ وہ خود بیان کرے شاعر
 کا مطلب یہ ہے کہ کاش یہ بات وہ پہلے کہتے تو میں اپنے دل کا حال ان سے بیان کرتا اب جبکہ مجھے بات کرنے
 کی طاقت نہیں رہی ان کا یہ ارشاد ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے؟

شعر (۳) فرماتے ہیں خونی قیمت سے میں ایک ایسے شخص پر عاشق ہوں کہ جس کے نام کے ساتھ ہر شخص
 ”ستمگر“ کا لفظ استعمال کرتا ہے اس جگہ ستمگر کا لفظ کتنا طبع ہے یعنی میرا معشوق صرف ”ستم“ کرتا ہی نہیں ہے
 بلکہ ”ستم“ ایجاد کرتا یا بتاتا بھی ہے۔

شعر (۴) فرماتے ہیں ہمارے دل میں کسی کی شکایت موجود نہیں ورنہ ہم تو صاف باطن شخص ہیں اور یہ پرکھ دینے والے ہیں چاہے اس میں ہماری جان ہی کیوں نہ جائے لیکن ہم کسے بغیر نہ رہیں۔

شعر (۵) فرماتے ہیں میں اس بت کا فر کی پرستش تک نہیں کر سکتا چاہے لوگ مجھے کافر ہی کیوں کہیں؟

خلق میگوئند کہ خسرو بت پرستی میکند

آرے آرے میکند با خلق عالم کار نیست

شعر (۶) دشمنہ بمعنی کٹار۔ فرماتے ہیں اگرچہ مقصود معشوق کے ناز و غمزہ کا بیان ہوتا ہے مگر شاعر

ان میں دشمنہ و خنجر کے بغیر کام نہیں چلتا۔ مفہوم یہ ہے کہ شاعری کا لطف بغیر شبیہات و استعارات سے نہیں آسکتا۔

شعر (۷) فرماتے ہیں چاہے مشاہدہ حق کے متعلق ہی بیان کیوں نہ ہو مگر شاعری میں انہیں بغیر ہر دو ساغر کے کام نہیں چلتا (یہ شعر بھی شعر سابق کی طرح ہے)

شعر (۸) فرماتے ہیں اگر میں بہر اہوں تو آپ کی حیرانی دو گنی ہونی چاہیے کیونکہ جب تک بات کو بارہ نہ کہا جائے میں سن نہیں سکتا۔ (اس شعر میں شاعر نے اپنی حالت بیان کی ہے۔ عمر کے آخری دور کا عارضہ عقل سماعت بڑھ گیا تھا)

شعر (۹) شاعر نے اپنے حال کو کس لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ صنعت معنوی کے علاوہ سب غرض کر دینے کے بعد بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ نہیں کہا۔

۱۔ کیوں جل گیا نہ تاب سیرخ یار دیکھ کر ۱ جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
۲۔ آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں تجھے ۲ سرگرم نالہ ہائے شرر بار دیکھ کر
۳۔ لیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جفا ۳ رکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر
۴۔ اتارے میرے قتل کو پر جوش شک سے ۴ مرتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

ثابت ہوا ہے گردن میں تپ خون خلق ۵ لڑے ہے موج ہے تری رفتار دیکھ کر
 واحد ترا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ۶ ہم کو حرص لذت آزار دیکھ کر
 یک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ ۷ لیکن عیار طبع خسریاں دیکھ کر
 زناں باندھ سب سے حد دانہ توڑ ڈال ۸ رہو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر
 ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں ۹ جی خوش ہوا ہے راہ کو تر خارا دیکھ کر
 کیا بدگماں ہے مجھے کہ آئینہ میں میرے ۱۰ طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر
 گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر ۱۱ دیتے ہیں بادہ ظرب قلع خوار دیکھ کر

سہر پہوڑنا وہ فحالیب شوریدہ حال کا

۱۲- یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

شعرا (۱) فرماتے ہیں میں یاں کا روئے پورا نور دیکھ کر کیوں نہ جل گیا۔ میں اپنی قوت دیدار دیکھ کر
 جل رہا ہوں۔ اس شعر میں شاعر نے انتہائے رشک کا اظہار کیا ہے۔

شعرا (۲) چونکہ میں دن رات آتش نائے کرنے میں مصروف ہوں اس لحاظ سے لوگ مجھے
 آتش پرست کہتے ہیں حالانکہ میں آتش پرست نہیں ہوں۔

شعرا (۳) فرماتے ہیں جہاں معشوق کی جفا عام ہو وہاں عشق کی آبرو کیا ہو سکتی ہے کیونکہ اس
 سچے عاشق اور بڑے دلیر میں کوئی اتھیا باقی نہیں رہتا۔ آپ کو بے سبب آزار دیکھ کر میں اپنے آپ کو عشق
 سے روکتا ہوں۔ مجھ عاشق پر تو آپ ظلم کر سکتے ہیں جو جائز ہے لیکن رقیب جو عاشق نہیں اس پر ظلم
 کرنا میرے عشق کی آبرو پر ایک داغ ہے۔

شعرا (۴) فرماتے ہیں معشوق میرے قتل کو آ رہا ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے ضرور قتل کرے
 لیکن میں اس کے ہاتھ میں دیکھ کر جوش رشک میں رہا ہوں کہ تھانگی اس کے دست نازک تک سائی کیوں ہے ؟

شعر (۵) فرماتے ہیں شیشہ شراب کی گردن پر ایک جہان کا خون ثابت ہو گیا ہے اور موج شراب تیری نار دیکھ کر لند رہی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ خون خلق تیری رفتار مستانہ سے ہوا اور تیری سستی کا باعث ہے شئی تھی، ورنہ مے شیشہ میں تھی لہذا خون خلق کا سبب شیشہ مے ہوا۔

شعر (۶) فرماتے ہیں ہائے نفوس یار تے ہمیں ظلم و ستم کا خواہشمند دیکھ کر ظلم کرنا چھوڑ دیا اور تجھے میں سے بھی محروم کر دیا مفہوم یہ ہے کہ معشوق عاشق کی کسی خواہش کو پورا ہونے نہیں دیتا۔

شعر (۷) فرماتے ہیں ہم اپنی جنس سخن کے ساتھ خود خریدار کے ہاتھ بک جاتے ہیں لیکن اسکی طبیعت کا پیدہ اندازہ کر لیتے ہیں اور دیکھ لیتے ہیں کہ وہ کس حد تک ہمارے اشعار سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے اس کے بعد ہم خود اس کے مددگار بن جاتے ہیں اس لئے کہ جو شخص میرے کلام کا قدر دان ہے وہ درحقیقت صحیح ذوق رکھتا ہے۔

شعر (۸) رشتہ زنا کو یہ سبب صاف ہونے کے راہ ہموار سے تعبیر کیا ہے اور تسبیح کو اس کے دانوں کے شیبہ فراز کی وجہ سے راہ ہموار خیال کیا ہے مطلب یہ ہے کہ تسبیح و زنا دونوں ایک ہی منزل پر پہنچنے کے دو مختلف راستے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ زنا کی راہ ہموار اور تسبیح کی راہ میں ٹھوکر ہیں اس لئے زنا پر پہنچنے والے تسبیح ترک کر دے مسافر کو ہموار راستہ پر چلنا چاہیئے۔ (تسبیح پر زنا اور کعبہ پر بیت خانہ کو ترجیح دینا شعر کا غامض تصور ہے)

شعر (۹) فرماتے ہیں میں پاؤں کے ان آبلوں کو دیکھ کر گھبرا گیا تھا اگر رشتہ کو پُر خار دیکھ کر ابھی زخم ہو رہا ہے کہ یہ سب پھوٹ جائیں گے۔ مفہوم یہ ہے کہ عشق صادق عشق کی مصیبتوں سے نہیں گھبراتا۔

شعر (۱۰) فرماتے ہیں معشوق تجھ سے کتنا بدگمان ہے کہ میرے آئینہ فولادی میں جو رنگ لگا ہوا ہے سے رنگ نہیں سمجھتا بلکہ ٹکس طوطی خیال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے طوطی کو آئینہ کے پیچھے چھپا دیا ہے تاکہ وہ اس کی یعنی معشوق کی باتوں کا چربہ آتا رہے۔ حالانکہ اس میں کوئی اصلیت نہیں۔

جنھن میں کی بدگمانی ہے سے

در پس آئینہ طوطی صفتم داشته اند

ایچہ استاد ازل گفت ہماں میگوم

شعر (۱۱) اس شعر میں اس آیت کی طرہ اشارہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے امانت کو زمین و آسمان اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا مگر وہ اس کے متحمل نہ ہوئے اور ڈر گئے لیکن انسان نے اُسے اٹھالیا میرزا فرماتے ہیں برقی تجلی کرنے کے ہم متحق تھے نہ کوہ طور اسلئے کہ شرابخوار کا ظرف دیکھ کر اُس کے موافق اسکو شراب دی جاتی ہے پس کوہ طور جو منجملہ جمادات کے ہے وہ کیونکر تجلی الہی کا متحمل ہو سکتا ہے یہ خیال مع اس تمثیل کے جو اس میں بیان ہوئی ہے بالکل اچھوتا خیال ہے (یادگار غالب) یہ شعر مرزا صاحب کے نشروں میں ہے۔

شعر (۱۲) فرماتے ہیں مجھے تیری دیوار دیکھ کر غالب شوریدہ سر رنجوں کا سر پھوڑنا یاد آ گیا کہ وہ حالت جنون عشق میں ان دیواروں کے ساتھ سر پھوڑا کرتا تھا۔

(۵۹) لرزنا ہے مراد دل نہمت مرد رخشاں پر ۱ میں ہوں وہ قطرہ شبنم جو ہوا رخسار بیاں پر
نہ چھوڑی حضرت یوسف یاں بھی خانہ آرائی ۲ سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہئے نداں پر
فنا تعلیم رس بخودی ہوں اس نہاتے سے ۳ کہ محبوں لام الف لکھتا تھا دیوار بیتاں پر
فرغت کس کر رہتی مجھے تشویش مرہم سے ۴ بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر
نہیں قلم الفت میں کوئی طواریز آریا ۵ کہ نشت جشم سے جکے نہ ہوئے ہر عنواں پر
مجھے دیکھ کر شفق آلودہ یاد آیا ۶ کہ فرقت میں تیرن آتش برستی تو گلتا بر
بجز پرواہ شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا ۷ قیامت آئے تو تیرے خاک شہیداں پر
نہ لڑنا نامح کے لب بامہو اگر اسے سدا کی ۸ سمارا بہم تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

شعر (۱۱) انہ شے میں مراد دل نہمت مرد رخشاں کی زحمت پر۔ بتا ہے کہ وہ ایک ایسے قطرہ ناچیز کے فنا کر سکی تکلف اٹھاتا ہے جو دکھ پر پھڑکیا ہے جس کا فنا ہو جانا ایک روز یقینی ہر دل گردنا اسلئے کہا گیا کہ ذاب صبح کو لڑتا ہوا لکھتا ہے

شعر (۲) فرماتے ہیں زماں میں بھی جن یوسف کیلئے سامان آرائش پیدا ہو گیا ہے اور حضرت یعقوب کی آنکھوں کی سفیدی تید خانہ کی رد و دیوار پر پھر رہی ہے۔ پھرتی ہے ایک ذمہ معنی لفظ ہے جس سے گردش کرنے اور تلاش کرنے کے معنی بھی مفہوم ہوتے ہیں تلمیح ظاہر یہ ہے کہ حضرت یعقوب کی آنکھیں فراق یوسف میں بے نور ہو گئیں تھیں۔ پھرتی ہے میں ایہام ہے ایک تو سفیدی چشم یعقوب جو دیوار زنداں پر شوق دیدار حضرت یوسف علیہ السلام میں پھرتی ہے دوسرے وہ سفیدی جو مکالوں پر صفائی اور آرائش کے لئے پھرتی ہے۔

شعر (۳) فرماتے ہیں میں تعلیم فنادرس بخودی میں اس وقت سے حاصل کرتا ہوں کہ مجنوں اس وقت طفل مکتب تھا اور مکتب کی دیواروں پر بچوں کی طرح لکیریں کھینچتا تھا نیز اس شعر میں شاعر نے لام الف لکھتا تھا : ہو کہ ہے اس سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ مجنوں اس وقت بلا لکھتا تھا یعنی ابھی وہ لفظ سیلی بھی پورا نہ لکھ سکتا تھا اور اسکو سیلی کا عشق کامل نہ ہوا تھا یا وہ لا لکہ کہ نیستی کی مشق کرتا تھا۔ مطلب شعر یہ ہے کہ میں درس دنیا میں مجنوں پر فوقیت رکھتا ہوں اسلئے کہ مجھ کو فنا کی تعلیم روز ازل سے ملی تھی۔

شعر (۴) فرماتے ہیں اگر میرے دل کے ٹکڑے نمکدان یعنی نمک چھڑکنے کی ایذا پر خوش رہتے تو میں مرہم کی تشویش سے کس قدر آزاد اور فانی البال رہتا اور اس کی جستجو میں درد کی ٹھوکریں نہ کھاتا۔ مفہوم یہ ہے کہ ایک عاشق کے لئے نمک کی موجودگی میں مرہم کی تلاش باعث تنگ ہے۔

شعر (۵) طیار معنی دفتر پشت چشم کنا یہ از غمرہ وانماض چشم پوشی۔ بے پروائی۔ عنوان یعنی نام فرماتے میرا قلم محبت میں کوئی فرمان نازیا نہیں کہ جبکہ عنوان پر معشوق کی بے پروائی کی تشریح نہ ہو۔ مفہوم یہ ہے کہ معشوق کے ناز کے ساتھ ان کا آنکھ پھیر لینا لازمی ہے گویا ادھر کسی کا ناز و اداسے دل لیا اور آنکھیں پھیر لیں اور لفظ عنوان سے معشوق کی فوری بیوفائی کی طرف اشارہ ہے۔

شعر (۶) فرماتے ہیں مجھے آسمان پر بارش افودہ دیکھ کر یہ یاد آ رہا ہے کہ تیری جدائی میں غم طبع گلستان پر نگ برتی تھی مفہوم یہ ہے کہ جب کبھی زمانہ ہجر میں سیراف کا اتفاق ہوا اور غنچہ و گل پر نظر پڑی

آواز پر مرتا ہوں کہ وہ جلا دے کہے کہ ہاں اے یعنی ایک اور وار کر ہاں ایک اور ہاتھ چھوڑ۔
 شعر (۸) فرماتے ہیں میرے سینہ سے ہر روز جو ایک نیا داغ جلدائی ظاہر ہوتا ہے تو لوگوں کو
 اس پر آفتاب جہاں تاب کا دھوکا ہوتا ہے یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ سورج طلوع ہو رہا ہے۔

شعر (۹) فرماتے ہیں تمہیں دل نہ دیتا تو کوئی دم اور چین لیتا اور جو نہ مرتا تو کوئی دم اور آہ و نوحہ کرتا
 اس شعر سے یہ معلوم ہوتا ہے جیسے مرزا صاحب نے یہ معشوق کے سوال کے جواب میں کہا ہے۔ مثلاً معشوق سوال کرتا
 بچے تو کوئی دم چین نہیں لیتا۔ تو شاعر کی طرف سے یہ جواب دیا گیا اگر تمہیں دل نہ دیتا تو کوئی دم چین لیتا۔
 معشوق نے کہا: تو آہ و نوحہ کیوں نہیں کرتا۔ عاشق نے جواب دیا: اگر نہ مرتا تو کوئی دن اور آہ و نوحہ کرتا
 شعر (۱۰) فرماتے ہیں جب ندری تارے رک جاتے ہیں اور جہاں سکے بعد انہیں راستہ ملتا ہے تو وہ نہایت
 ندو سے بہتے ہیں اسی طرح میری طبیعت جب رکتی ہے تو نہایت زور سے چلتی ہے مفہوم یہ ہے کہ جب میں کچھ
 روز شعر نہیں لکھتا پھر جو کتابوں تو طبیعت زیادہ رواں ہوتی ہے۔

شعر (۱۱) فرماتے ہیں اگرچہ دنیا میرا اور بھی نہایت بلند پایہ شاعر موجود ہیں مگر لوگ کہتے ہیں کہ
 غالب کا انداز بیان سب سے نرالا ہے۔

داغ (۱۲) غافلے حیرت آئینہ ہے سامان رنگ آخر ۱ تغیر آب بر جاماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر
 نہ کی سامان عیش و جاہ نے تدبیر و حشت کی
 ۲۔ ہوا جام زمرہ بھی مجھے داغ پلنگ آخر

شعر (۱۳) آب بر جاماندہ سے وہ پانی مراد ہے جو ایک جگہ پر ٹھہرا ہے اور اس کا رنگ متغیر ہو جائے جس طرح
 آئینہ کی صفائی ہی اسکے رنگ کا سبب اسی طرح جب پانی ایک جگہ پر ٹھہرا رہتا ہے تو اس پر کائی جم جاتی ہے شاعر
 نے آئینہ کی صفائی کو پانی اور رنگ کو کائی سے تشبیہ دی ہے مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں جو لوگ زیادہ مشہور اور
 قابل ہوتے ہیں عام طور پر وہی آلام و مصائب کا شکار ہوتے ہیں۔

شعر ۲۱، فرماتے ہیں سامان عیش و جہاں بھی میری دشت، عشق کو دور نہ کر سکے بلکہ میری دشت اس سے اور بڑھ گئی بلکہ جام زمر و بھی میری نگاہ میں داغ پلنگ یعنی چھپے کا داغ بن گیا ہے۔

(۶۲) جنوں کی دستگیری کس سے ہو کر ہو عریانی ۱ گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر
 بزننگ کا غذا آتش زوہ نیزنگ بے تاب ۲ ہزار آئینہ دل بانٹے ہم ی بال یک تعمیر پر
 فلک ہم کو عیش فتنہ کا کیا کیا تقاضا ہے ۳ متاع بوردہ کو سمجھ ہوئے ہیں قرض ہرن پر
 ہم درویش بے سبب رخ آشنا دشمن کہ لکھتا ہے ۴ شعاع ہر سے تہمت نگہ کی چشم روزن پر
 فنا کو سوئپ کر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا ۵ قرع طالع خاشاک ہے موقوف کلخن پر
 اسد میں ہے کس انداز کا قاتل سے کتنا ہے

۶۔ تو مشق ناز کر خون و دوا عالم میری گردن پر

شعر ۲۱، فرماتے ہیں چاک گریباں کا قیجہ عریانی ہے اور عریانی نشان جنوں ہے اسلئے میرا اپنی عریانی کا احسان نہ ہوں کہ اس نے میرے جنوں کی دستگیری امداد کی اور اس طرح چاک گریبان کا حق میری گردن پر ہے اگر گریبان چاک نہ ہوتا تو میرے آثار جنوں ثابت نہ ہوتے۔

شعر ۲۲، نیزنگ یعنی شہیدہ۔ (۱) یعنی بازو۔ قیدین یعنی ترپین۔ کا غذا آتش زوہ سے مراد دو کا غذا جو مل گیا ہو فرماتے ہیں ہمارا نیزنگ قیابی کا غذا آتش زوہ کی طرح کٹل قیدین پر ہزار آئینہ دل باندھتے ہیں جس طرح جلہے کا غذا میں ہزاروں دل پیدا ہو جاتے ہیں۔ دل سے مراد وہ دشن نقاط ہیں جو کا غذا کے جلنے میں پیدا ہوتے ہیں یا عکس ایسی طرح میرے دل کے جلنے میں ہزاروں دل جو دل کے مکروں سے مراد ہیں، سکے ساتھ جلتے ہیں شاعر نے اس شعر میں قیدین کو کا غذا آتش زوہ سے تعبیر کیا ہے اور اس کے نقطہ ہائے روش کو دلوں سے مشابہ کیا ہے۔

تہا نہ میں، جان و دلم در تب و تاب است
 چوں کا غذا آتش زوہ یک شہر شرم
 (ذو اباطی خونیں)

شعر (۳۳) شاعِ بردہ یعنی بوٹی ہوئی شاعر۔ یہ مضمون بھی بالکل توقعیات میں سے ہے جو لوگ سودگی کے بد فلس ہو جاتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے تئیں مظلوم و ستم رسیدہ و غلام نہ سمجھتے ہیں اور آخر دم تک اس بات کے متوقع رہتے ہیں کہ ضرور کبھی نہ کبھی ہمارا انصاف ہو گا اور ہمارا اقبال پھر عود کرے گا۔ (یا و گار غالب)

شعر (۳۴) بے بیدار یعنی بے بیدار زردہ ہو جانے والا۔ آشنا دشمن یعنی دوستوں کا دشمن۔ فرماتے ہیں ہمارا اس بے بیدار زردہ ہو جانے والے در دوستوں کے دشمن معشوق سے پالا پڑا ہے جو اپنی دیوار کے وزن میں شاعِ مر کو دیکھ کر اسے میری نگاہ سمجھتا ہے اور مجھ پر وزن در سے جھانکنے کی قیمت رکھتا ہے مفہوم یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ تو نے مجھے وزن در سے جھانکا تھا اور یہ شاعر انتہائی ترقی یافتہ نظر تھی۔

شعر (۳۵) گلخن یعنی آتش گاہ، بھڑائی یعنی خانہ و خاشاک یعنی کوڑے اور تھکے۔ فرماتے ہیں اگر تو اپنی حقیقت کے معلوم کرنے کا خواہاں ہے تو فنا ہو جائیو کہ کوڑے اور تھکے کا نصیب گلخن یعنی بھڑائی میں چکنا ہے یعنی جیگا بھڑائی میں جا کر جلتا ہے تباہی میں فروغ پیدا ہوتا ہے مفہوم یہ ہے کہ فنا فی اللہ ہو کر معرفت الہی حاصل کر۔ بغیر فنا ہوئے تو اپنی حقیقت معلوم نہیں کر سکتا۔

شعر (۳۶) فراتے ہیں ہمیں اسد کے حال پر حیرت ہوتی ہے کہ یہ کس انداز کا بسمل ہے جو قاتل سے کہتا ہے کہ تو خونِ ثاق کا خون نہ کر تو شقِ ناز کے ہوا اور مجھے اسی انداز سے قتل کرتا رہ و لوں عالم کا خون میری گردن پر ہو گا۔

۱۔ ۳۴ لازم تھا کہ دیکھو میرا رستہ کوئی دن اور ۱۔ تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور
 ۲۔ مٹ جائیگا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا ۲۔ ہوں در پہ ترے تاحیہ فرسا کوئی دن اور
 ۳۔ آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں ۳۔ مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور
 ۴۔ جلتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو طیس گے ۴۔ کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
 ۵۔ ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف ۵۔ کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور
 ۶۔ تم ماہِ شب چہار دہم تھے مرے گھر کے ۶۔ پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

تم کون سے ایسے تھے کھڑے دوست کے ۷ کرنا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
مجھ سے تمہیں نفرت سی نیر سے لڑائی ۸ بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور
گذری نہ بہر حال یثت خوش و ناخوش ۹ کرنا تنہا جو انہرگ گذارا کوئی دن اور
ناداں ہو جو کتنے ہو کہ کیوں جیتے ہو غائب
۱۰ قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

شعر (۱) یہ تمام غزل زین العابدین عارف کے فوج میں ہے عارف مرزا کی بیوی کے بھانجے تھے مرزا کو
سے کمال محبت تھی یہ ایک نہایت ہی خوش فکر نوجوان تھے علاوہ ازیں مرزا کے لیے ناز شاگرد بھی تھے ان کا انتقال
عنقوان شباب میں ہوا مرزا غالب مد توں ان کے غم میں پریشان ہے اس غزل کے دو دیگر شعرا سے ظاہر ہے کہ یہ
سب جملے ہٹے دل کے نگہ میں تمام اشعار تیر و نشتر میں جو صاحب وق آدمی کے دل کو مجروح کر دیتے ہیں عارف
مردم کے تصور کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ اگر تمہیں مرزا ہی تھا تو میرے ساتھ مرے ہوتے مگر تم نے جلدی کی
اور میرے مرنے کا انتظار نہ کیا اور تم نے راہ عدم کا رستہ تنہا طے کیا العذاب کچھ دن اور تنہا نہ ہو۔ تنہا کیوں
گئے تھے نہ تنہا جاتے اور نہ تنہا رہنا پڑتا۔

شعر (۲) فرماتے ہیں اگر تیرا شاگ مرزا نہ گھسے گا تو میری ناصیہ فرسائی کرنے سے میرا سر تو مٹ جائیگا
تیرے شاگ مرزا پر میری ناصیہ فرسائی صرف چند دن کیلئے ہے مضموم یہ ہے کہ میں عنقریب تم سے ٹاچتا ہوں۔
شعر (۳) فرماتے ہیں ابھی دنیا میں آئے ہوئے تمہیں زمانہ ہی کیا گذرا ہے گویا کل ہی آئے ہو اور آج
ہی کہتے ہو کہ جاؤں۔ میں نے مانا کہ تم ہمیشہ جنیں رہو گے لیکن کچھ دن تو اور بٹھرا جاؤ۔

شعر (۴) فرماتے ہیں، تم جاتے ہوئے کہتے ہو کہ قیامت کو ملیں گے کیا خوب! قیامت کا دن کبھی
اور ہے ہمارے لئے تو تمہارا ہی موت کی وجہ سے آج ہی قیامت ہے۔

شعر (۵) اس شعر میں آسمان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں اے فٹھے آسمان طوفان تو ابھی جوں تھا

اگر یہ کچھ دن اور نہ مرتا تو تیرا کیا بگڑتا؟

شعر (۶) فرماتے ہیں تم میرے گھر کیلئے چودھویں کے چاند تھے تمہاری وجہ سے میرے گھر میں جلا تھا اگر یہ غلط ہے تو تمہارے بعد میرے گھر کا وہ نقشہ کیوں رہا اور یہ سچہ نہ کیوں بن گیا نیز چودھویں کا چاند تو پھر بدیہ گھڑا، مگر ہٹل بقدا ہے قرب کیلئے، جو کر پتہ ہے اور تم تو کیا رنگی چھپ گئے اشاعر نے چودھویں کا چاند رعایت جوانی کے لحاظ سے کہا ہے،

شعر (۷) فرماتے ہیں تم لین دین کے ایسے کون سے گھر سے تھے کہ ادھر ملک الموت نے تقاضا کیا اور ادھر تم نے اپنی جان اس کے سپرد کر دی اسے کچھ دن اور تقاضا کرنے دیتے۔

شعر (۸) فرماتے ہیں میں نے مانا کہ تمہیں مجھ سے نفرت تھی اور تیرے بھی لڑائی تھی مگر سوچو جسے تمہیں جانا نہ چاہیے تھا ابھی کچھ دن بچوں کا تماشا دیکھا ہوتا۔

دیر سے مراد نواب ضیاء الدین احمد خاں متخلص بہ تیر ہیں۔ یہ لہار وکے رئیس اور میرزا غالب کے شاگرد تھے اور عارف مرحوم کو مرزا سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے،

شعر (۹) فرماتے ہیں جہاں تم نے عمر کا اتنا حصہ خوش و ناخوش بسر کیا تھا اسے جوانی کچھ دن اور دنیا میں بسر کر لیتے تو کیا ہوتا؟

شعر (۱۰) فرماتے ہیں تم لوگ نادان ہو جو یہ کہتے ہو کہ عارف کا داغ مفارقت اٹھا کر اے غالب تم کیوں زندہ ہو حالانکہ تمہیں زندہ نہ رہنا چاہیے مگر یہ تمہاری نادانی ہے۔ میں لذت حیات سے بہرہ ور ہونے کیلئے زندہ نہیں ہوں بلکہ میری قسمت میں کچھ دن اور موت کی تمنا کرتا ہے۔

دولت

(۱۱) فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح ہر ہے دغ عشق زینت جیب کفن ہنوز

ہے نازمفلسان زرار دست رفتہ پر ۲ ہوں گل فروش شوخی داغ کفن ہنوتہ
 میخانہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں ۳ خمیازہ کھینچے ہے بیت بیدار فن ہنوتہ
 شعر (۱) اس شعر میں شاعر نے جیب کفن کو صبح سے اور داغ عشق کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے فرماتے ہیں
 تم نے میرے مرنے پر مجھے تن آسانی کا الزام دیا ہے اور یہ سمجھ لیا ہے کہ میں غم عشق سے فارغ ہو گیا ہوں یہ غلط
 ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی مجھے فراغت نصیب نہیں ہوئی اور نہ غم جگر چاک کفن کی ابھی تک زیت بنا ہوا ہے۔
 یعنی شغلہ محنت باقی ہے۔

شعر (۲) فرماتے ہیں میں طرح مفلس لوگ اپنی برباد شدہ دولت پر ناز کرتے ہیں اسی طرح میں ابھی تک اپنے
 داغ غمائے عشق کا ذکر کرتا ہوں جو میرے لئے بہت بڑی دولت تھے اور اب دل کے مٹ جانے سے مٹ چکے ہیں۔

شعر (۳) خمیازہ کھینچنا یعنی انگریزی لینا۔ فرماتے ہیں میرے جگر کے میخانے میں شراب خان کا ایک قطرہ
 بھی باقی نہیں رہا لیکن وہ بہت خوشوار بھی تاک انگریزیاں سے رہا ہے اور میرے خون بدستور پیاسا معلوم ہوتا ہے۔

(۶۵) حریف مطلب مشکل نہیں فہم نیاز ۱ دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر بردار

نہ ہو یہ ہرزہ بیاں نور و ہسم وجود ۲ ہنوز تیرے تصور میں ہیں نشیب و فراز

وصال جلوہ تماشہ ہے پردماغ کساں ۳ کہ دیکھے آئینہ انتظار کو پروانہ

ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتاب پرست ۴ گئی نہ خاک سوتے پر ہوائے جلوہ ناز

نہ پوچھو سعیت میخانہ جنوں محال

۵ جہاں یہ کاسے گردوں ہے ایک خاک انداز

شعر (۱) مرزا صاحب نے اس مضمون میں بالکل ایک نئی شوخی برتی ہے جو شاید کسی کو نہ سوجھی ہوگی۔ فرماتے
 ہیں کسی شکل قصہ کے حل ہونے میں تو مجھ پر نیاز کا فتنہ کچھ کام نہیں دیتا ناچار اب یہی دعا مانگیں گے کہ اعلیٰ و خضر
 کی عروا نہ ہو یعنی ایسی چیز طلب کریں گے جو پہلے ہی دی جا چکی ہو۔ (یادگار غالب)

شعر (۲) بہ ہرزہ یعنی بیکار۔ تیرے تصور میں نشیب فراز ہیں یعنی تیرا تصور نام تمام اور قاصر ہے مطلب کہ وحدت وجود کا عقیدہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ وجود عالم اشیاء کے تنقید تمام اہام سے نجات حاصل ہو جائے۔ نظم صاحب اس شعر کی شرح اس طرح فرماتے ہیں۔ وجود ماسویٰ اللہ سے مراد ہے اور نشیب فراز کا یہی معنی ہے کہ تو وجود کیلئے مراتب سمجھ رہا ہے جن کا مرتبہ علی و جوہر اور مرتبہ ربی امکان ہے اور امکان میں بھی قیام بذاتہ و قیام بغیرہ جو ہر و عرض واحد کیلئے وجود میں پستی و بلندی رکھنا ہے یعنی جاوہر مستقیم یہ ہے کہ ہر شے کو موجود وجود سمجھ اور وجود کے لئے اقسام نہ نکال۔ یہ راستہ بہتر ہے۔

میرے خیال میں اس شعر کو اس طرح سمجھا چاہیے۔ جب تک تیرے تصور میں نشیب فراز ہیں یعنی ماسویٰ اللہ کی محبت ہے اس وقت تک ہستی مطلق کی معرفت تجھے نصیب نہیں ہو سکتی ہے

ہم خدا خواہی و ہم دنیا ئے دوں
(مولانا روم)
ایں خیال است و محال است و جنوں

شعر (۳) جلوہ تماشا، یعنی جلوہ کا تماشا دکھانے والا۔ فرماتے ہیں یہ صحیح ہے کہ وصال وقت طرح طرح کے جلوے دکھائی دلا ہے مگر زحمت انتظار برداشت کرنے کا حوصلہ کہاں سے لائیں انتظار کو آئینہ سے مشابہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ وصال کا جلوہ اسی میں نظر آتا ہے یعنی انتظار کے بعد وصال ممکن ہے۔

شعر (۴) فرماتے ہیں عاشق کی خاک کا ہر ایک ذرہ آفتاب کی پرستش کر رہا ہے۔ خاک بونیکے بعد بھی جلوہ تار معشوق کی آرزو نہ مٹی مطلب ہے کہ جس طرح خاک ہر ایک ذرہ آفتاب کی شعاعوں میں چمکتا اور رقص کرتا نظر آتا ہے اسی طرح خاک عاشق کے ذریعے بھی آفتاب جن یار سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔

شعر (۵) خاک انداز اس برتن کو کہتے ہیں جس میں مکان کا کڑا کرکٹ جمع کر کے پھینکا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں اے غالب میخانہ جنوں کی وسعت کا حال نہ پوچھ۔ یہ آسمان کا پیالہ وہاں خاک انداز یعنی کڑا کرکٹ پھینکنے کے برتن کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۶۶) وسعت سعی کرم دیکھ کہ ستر تا ستر خاک قطعہ گزرے ہے آبلہ پا ابر گریہ بار ہنوز

۱۔ یک قلم کا غدا آتش زدہ ہے صفحہ دشت

۲۔ نقش پا میں ہے تپ گر مٹی رفتار ہنوز

مشعر (۱) فرماتے ہیں کہ میوں کی کوشش کرم کی وسعت کو دیکھو کہ ابر آبلہ پائی کی حالت میں بھی تمام زمین پر گریہ کر رہا ہے۔ ابر کو آبلہ پا قطرات باران کی بنا پر کہا گیا ہے اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ سعی کرم میں اسکے پاؤں میں آبلے پٹ گئے ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنی شان کرم دکھانے میں مصروف ہے۔

مشعر (۲) فرماتے ہیں ہمارے نقش پا (قدم) میں گرمی رفتار کا بخار بھی باقی ہے جس سے تمام صحرا کا غدا آتش زدہ بن گیا ہے۔

(۶۷) کیونکر اس بُت رکھوں جان عزیز ۱ قطعہ کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

دل سے نکلا پہ نکلا دل سے ۲ ہے ترے تیر کا پیکان عزیز

تاب لاتے ہی بنے گی غالب

۳۔

واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

مشعر (۱) اس کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ اگر اس سے جان عزیز رکھوں گا تو وہ ایمان سے یگانہ۔ اس نے جان کو عزیز نہیں رکھتا اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اس بُت پر جان قربان کرنی تو عین ایمان ہے پھر اس سے جان کیونکر عزیز رکھی جاسکتی ہے۔ (یادگار غالب)

مشعر (۲) فرماتے ہیں تیرے تیر کا پیکان جو دل میں تھا وہ بظاہر تو میرے دل سے نکل گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ابھی دل سے نہیں نکلا یعنی اس کا خیال ابھی بدستور موجود ہے۔

مشعر (۳) اے غالب اب برداشت کرنا ہی پڑے گا۔ اس میں شک نہیں کہ واقعہ تو سخت ہو یعنی واقعہ تو ایسا ہے کہ اس میں جان دیدی جائے مگر کیا کیا جائے جان بھی پیاری ہے۔

(۶۸) نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز ۱ میں ہوں اپنی شکست کی آواز
 تو اور آرائشِ خم کا کل ۲ میں اور اندیشہ ہائے دور و دراز
 لاٹ تمکیں فریبِ سادہ دلی ۳ ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گزار
 ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد ۴ ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز
 وہ بھی دن ہو کہ اس متمگر سے ۵ ناز کھینچو بجائے حسرتِ ناز
 نہیں مل میں مرے وہ قطرہ خوں ۶ جس سے شرکاں ہوئی نہ ہو گلزار
 اے تراغمرہ یک قلم انگیز ۷ اے ترا ظلم سربسرا انداز
 تو ہوا جلدیہ گر مبارک ہو ۸ ریشِ سجدہ جبینِ نیاز
 تجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا ۹ میں غریب اور تو غریب نواز
 اسد اللہ خاں تمام ہوا

-۱۰-

وا درینا وہ زند شاہد یار

شعر (۱۱) گلِ نغمہ سے مراد گھلانا۔ یعنی خوشی کی آواز۔ شکست بھی ٹوٹنا۔ فرماتے ہیں نہ میں خوشی کی آواز
 ہوں اور نہ پردہ ساز ہوں۔ میں درحقیقت اپنی شکست کی آواز ہوں جو سراپا درد ہے۔ تجھے عیش و طرب
 کوئی قسب نہیں۔

شعر (۱۲) معشوق سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ تجھے تو صرف اپنے کاکل کے پیچ و خم کی آرائش کی نڈ ہے
 اور میں طرح کے اندیشوں میں مبتلا ہوں کہ دیکھئے یہ آرائش میرے دل پر کیا تم ڈھاتی ہے یا اس آرائش کرنے
 کے بعد تو کیس بزمِ وقیب میں تو نہیں جائے گا۔ یا یہ کہ اور کتنے نئے عاشق پیدا ہونگے مفہوم یہ ہے کہ
 تیری آرائش کا کل میرے کماںِ محبت سے بدگمانی کے باعث سے ہے۔

شعر (۱۳) ہمارے یہ عوی ہائے تمکیں فریب سادہ دلی کی وجہ سے ہیں یعنی ہم برنبائے سادہ دلی ابھی

حک یہ خیال کرتے ہیں کہ ہماری تمکین و قیاد بھی تک قائم رہ سکی لیکن یہ نامکن ہے ہم کب تک ان رازوں کو جو سینہ گداز میں چھپا سکتے ہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ سوز عشق نہیں چھپ سکتا ہے۔

شعر (۱۶) فرماتے ہیں میں تو صیاد کی افقت میں گرفتار ہوں ورنہ اڑنے کے لئے طاقت پرواز منورہ
باقی ہے اگر نہیں اڑتا تو افقت صیاد کی وجہ سے نہیں اڑتا۔

شعر (۱۷) فرماتے ہیں ابھی تک تو میرے دل میں اس تمک کے ناز اٹھانے کی حسرت ہے خداوند
کرے کہ میں بجائے حسرت ناز کے اس کے ناز اٹھاؤں۔

شعر (۱۸) فرماتے ہیں میرے دل میں کوئی قطرہ خون ایسا نہیں جس نے مژگاں کو شاخ گل نہ بنا
دیا ہو شاعر نے اس شعر میں قطرہ خون کو گل اور مژگاں کو شاخ گل سے مشابہ کیا ہے مفہوم یہ ہے کہ دل کا
تمام خون آنکھوں کے راستہ بہہ گیا ہے۔

حضرت اسی لکھنوی نے گلاب باز کو گلاب بازی لکھ کر اس کے معنی خوشی کئے ہیں۔ حضرت بخورد پلوی نے بھی
گلاب باز کو گلاب بازی لکھ کر ایک قسم کا کھیل مراد لیا ہے۔ میرے خیال میں یہ مفہوم صحیح نہیں۔

شعر (۱۹) فرماتے ہیں اے معشوق تیرا غمزہ سرا سرا ناز ہے اور تیرا ظلم سرا سرا ناز ہے۔
شعر (۲۰) فرماتے ہیں تو جلوہ گر ہو اور تجھے تیرے لئے بہت سے سجدے کرنا مبارک ہوں۔ یا
میرا سجدہ کرنا تجھ کو مبارک ہو۔

شعر (۲۱) فرماتے ہیں اگر تو نے مجھ کو پوچھا یا میرا دل پوچھا تو اس میں کوئی ہرج کی بات نہیں۔
اس لئے کہ یہ عین تیری شان کے مطابق تھا کیونکہ میں غریب ہوں اور تو غریب نواز ہے اور غریب نوازی
کی شان کا تقاضا ہے کہ وہ غریب پر ہرمانی کرے۔

شعر (۲۲) اسد اللہ خاں مرگیا۔ ہائے افسوس وہ رند شاہد باز یعنی عاشق کیسا اچھا انسان تھا۔

روایتیں

- (۶۹) مردہ نے وق اسیری کہ نظر آتا ہے ۱ دام خالی نفس مرغ گرفتار کے پاس
 جسگرتشنہ آزار نسی نہ ہوا ۲ جیسے خوں ہم نے بہائی بن ہر خاک کے پاس
 مندھ گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے ۳ خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس
 میں بھی کسکے نہ مرتا جو زبان کے بدے ۴ دشمن اک تیر سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس
 دہن شیر میں جا بیٹھے لیکن اے دل ۵ نہ کھڑے ہوئے خوبان دل آزار کے پاس
 دیکھ کر تھک چن بسکہ نمو کرتا ہے ۶ خود بخود پیچھے ہے گل گوشہ نشین کے پاس

مرگیا پھوڑ کے سر خائب وحشی ہے ہے

”بیٹھتا اس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

شعر (۱) فرماتے ہیں۔ بے ذوق سیری ہے اب تیری تنہا پوری ہوئی۔ مرغ گرفتار کے پاس ایک ام
 خانی نظر آتا ہے چل اور اس میں گرفتار ہو جا۔ قاعدہ ہے کہ پرند جانوروں کو پکڑنے کیلئے جال کے پاس طائران
 گرفتار کے پیچھے رکھ دیتے ہیں اور طائران گرفتار کی آواز پر دوسرے سمجھیں پرندے جمع ہو جاتے ہیں جال پر
 دانہ بچھا ہوا ہوتا ہے وہ اس کے کھانے میں مصروف ہو جاتے ہیں متباد جال کھینچ لیتا ہے۔

شعر (۲) فرماتے ہیں باوجودیکہ ہم نے ہر خار صحرا کے پاس صحرا گردی کی حالت میں لطف خلش حاصل
 کرنے کیلئے اپنے پاؤں کے تلوؤں سے خون کی ایک نسی بہادی لیکن ہمارا جگر جو تشنہ آزار ہے اس کی نسی نہ ہوئی
 اور وہ اور طالب آزار ہوا۔ مفہوم یہ ہے کہ عاشق مصائب عشق کو بخوشی گوارا کرتا ہے۔

شعر (۳) تم اپنے عاشق بیمار کی تیمارداری کو ایسے وقت میں آئے جیکہ اس پر نزع کی حالت طاری ہوئی حزن
 دیدار نے اگر چہ اس کی آنکھیں کھول تو دیں لیکن کھولتے ہی کھولتے بند ہو گئیں اس سے تو نہ آنا اچھا تھا۔

شعر (۱۴) فرماتے ہیں میرے غوار کے پاس جو مجھے نصیحت و ملامت کر کے عشق سے منع کرتا ہے اگر زبان کے بلے ایک تیزی چھری ہوتی جس سے میرا گلا کاٹ دیتا تو میں ملامت و نہائش کی کُند چھری سے زخمی ہو کر سسک سسک کر جان نہ دیتا۔

شعر (۱۵) فرماتے ہیں اے دل شیر کے منہ میں جا بیٹھنا دل آزار معشوق کے پاس کھڑے ہونے سے بدتر ہے بہتر ہے منہم یہ ہے کہ کسی جو فامعشوق سے دل لگانے سے مر جانا کہیں اچھا ہے۔

شعر (۱۶) فرماتے ہیں تیرے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر چن کی قوت تمہارا قدر بڑھ جاتی ہے کہ پھول خود بخود تیرے طرہ دستار کے پاس پہنچ جاتا ہے تاکہ وہاں پہنچ کر تجھے زینت دینے کا شرف حاصل کرے۔
شعر (۱۷) فرماتے ہیں۔ ہائے افسوس غالباً حشی اپنا سر کھوپڑ کر کر گیا مگر ہم کو اب تک اس کی تیری دیوار کے پاس آکر سر بھونکنے کی نیت سے بیٹھا یاد ہے یعنی جیسا سے تیرے دیدار کی خواہش ہوتی تھی تو وہ غریب دیوار کے پاس آکر مجھے جانتا تھا۔

رولف ش

(۱۸) نہ لیوے گر خس جو ہر طراوت بزمہ خط سے ۱ لگا دے خانہ آئینہ میں روئے نگار آتش

فروزِ سخن سے ہوتی ہے جلِ مشکل عاشق

۲ نہ نکلے شمع کے پاسے نکالے گر نہ خار آتش

شعر (۱۸) خس جو ہر سے مراد جو ہر آئینہ فولادی ہے نگار یعنی معشوق۔ فرماتے ہیں اگر جو ہر آئینہ کو بزمہ خط معشوق سے طراوت نہ پہنچے تو معشوق کا جمال جہاں آرا آئینہ میں آگ لگا دے منہم یہ ہے کہ معشوق جب آئینہ دیکھتا ہے تو اس کے چہرے کا خط بزمہ اپنی طراوت سے آئینہ کو اس کے حسن جہاں سوز کے اثر سے محفوظ رکھتا ہے ورنہ آئینہ میں آگ لگ جاتی۔

شعر (۴) فرماتے ہیں فروغ حسن سے عاشق کی شکل حل ہوتی ہے اور مثال یہ پیش کی ہے کہ اگر آگ شمع کے پاؤں سے کاٹا نہ نکالے تو وہ کبھی نہ نکلے فارغ شمع سے مراد شمع کی تپتی یا ڈھیرا ہے جو اس کے اندر موجود ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے شمع روشن ہوتی ہے اگر شعلہ شمع کا جلوہ نہ ہو تو وہ کاٹا کبھی نہ نکلے۔

رولف "ع"

(۱) جاوہ راہِ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع

چرخِ وا کرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ ورا

شعر (۱) فرماتے ہیں شام کے وقت جب آفتاب سفر کے لئے آمادہ ہوتا ہے تو آسمان ماہِ نو کے طلوع سے آفتاب کو رخصت کرنے کے لئے اپنی آغوش کھولتا ہے۔

شاعر نے تارِ شعاع شمس کو جو غروبِ آفتاب کے وقت آسمان پر نمودار ہوتا ہے آفتاب کیلئے جاوہ راہ قرار دیا ہے اور طلوعِ ماہِ نو کو آسمان کی آغوش کشادہ کہا ہے جو وہ آفتاب کو رخصت کرنے کیلئے کھولتا ہے مفہوم یہ ہے کہ شام کے وقت آفتاب سفر کی تیاری کرتا ہے اور آسمان سے رخصت کرنے کیلئے تیار ہے۔

(۲) اینخ نگار سے ہے سوزِ جاوہِ رانی شمع ۱ ہوئی ہے آتشِ گلِ آبِ زندگانی شمع

زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگِ خاموشی ۲ یہ باتِ بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع

کرے ہے صرف پامیائے شعلہ قصہ تمام ۳ بطرِ زہلِ فنا ہے فسانہ خوانی شمع

غم اس کو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ ۴ ترے لڑنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع

ترے خیال سے موجِ ہمتِ راز کرتی ہے ۵ بجلوہِ ریزیِ بادِ بہ پر فشانِ شمع

نشاطِ اربعِ غمِ عشق کی بہسار نہ پوچھ ۶ شگفتگیِ بے شہیدِ گلِ خزانِ شمع

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یارِ پرچہ کو ۷ نہ کیوں ہو دل پہ مرنے کاغذِ گمانی شمع

شعر (۱) بُخ نگارِ معنی چہرہٴ معشوق۔ سوزِ جاودانی سے مراد حیاتِ جاودانی ہے۔ آتشِ گل سے مراد سُرخِ دُخارِ نگ معشوق ہے۔ آبِ ندگانی سے مراد آبِ بقایا آبِ حیات ہے۔ فرطے میں میرے معشوق کے گلِ دُخار کے رنگ سے شمع ہمیشہ جلتی ہے تو گویا آتشِ گل یعنی سُرخِ دُخارِ معشوق شمع کے لئے آبِ بقا ہے مفہوم یہ ہے کہ اگر آتشِ دُخارِ معشوق روشن نہ ہوتی تو شمع کو یہ سوزِ جاودانی یعنی حیاتِ ابدی نصیب نہ ہوتی۔

شعر (۲) فرطے میں اہلِ زبان کی زبان میں خاموشی کا نام موت ہے اور یہ بات محفل میں شمع کی زبانی روشن (معلوم) ہوئی مفہوم یہ ہے شمع جب بجھ جاتی ہے تو اسے شمعِ کشتہ یا شمعِ مُردہ کہتے ہیں اور یہی شمع کا خاموش ہو جانا اور یہی اس کا مر جانا ہے اور اس لئے وہ زبانِ حال سے کہہ ہی ہے کہ خاموشی سے مراد مرگ ہے۔

شعر (۳) ایما یعنی اشارہ، قصہ تمام کرنا۔ زندگی تمام کرنا۔ اہلِ فنا یعنی عارف، فرطے میں شمع صدفِ شعلہ کے اشارہ سے اپنی زندگی ختم کر لیتی ہے اور شمع کی فسانہ خوانی اور اپنا قصہ سنانا اہلِ فنا یعنی عارف کی طرح ہے۔ مولانا نظم اس شعر کی شرح اس طرح فرماتے ہیں: شمع صرف شائے سے سارا قصہ تمام کرتی ہے یعنی شعلہ سے لوگا کر سر سے پاؤں تک فنا ہو جاتی ہے جس طرح صوفیان اہلِ فنا شعلہٴ عشق سے لوگا کر فنا فی اللہ ہو جاتے ہیں اور اپنی ہستی سے گزر جاتے ہیں۔

شعر (۴) فرطے میں اے شعلہ تیرے کانپنے سے شمع کی ناتوانی ظاہر ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حسرتِ پروانہ کا غم کرتی ہے اور تیرا لہزنا محض تیری ناتوانی کی وجہ سے ہے۔

شعر (۵) سنہرا لہزا سنہرا یعنی جنبش کرنا۔ جلوہ بینی یاد سے مراد ہو کا چلنا ہے۔ فسانہ یعنی شمع سے مراد شمع کا لہزنا فرماتے ہیں اے معشوق مجھے ہوا کے چلنے اور شمع کے لرزنے کی قسم تیرے خیال سے میری روح کو ایک جنبش سرور حاصل ہوتی ہے بجلوہ کی تب تفعیہ ہے۔

شعر (۶) فرطے میں غمِ عشق میں جو داغ ہے اسکی بہاد کی خوشی نہ پوچھ اگرچہ یہ داغ مثلِ گلِ شمع ہے جو اسکی بہاد کو تبدیل بہ خزاں کر دیتا ہے مگر وہ گلِ خزانہ شمع ایسا ہوتا ہے کہ بہار بھی اس پر نہا رہے کیونکہ گلِ خزانہ

شمع کی بہار اس کا انجام فنا ہے اور وہ عین بقا ہے اور گل گلشن کی بہار کا انجام خزان ہے اور وہ فنا ہے اور گل داغ
 عشق کی بھی یہی صورت ہے منہ موم ہے کہ غم عشق کے پیر مردہ غم بھی ایسے پر بہا ہیں کہ شگفتگی ان پر مٹی ہوئی ہے۔
 شعر (۱۶) فرماتے ہیں شمع کی جانب سے بدگمانی کا داغ میرے دل پر کیوں نہ ہو جب میں دیکھ رہا ہوں کہ
 وہ مجھ کو بالین یا پر دیکھ کر جل رہی ہے گویا وہ بھی مجھے اپنا رقیب تصور کرتی ہے۔

روایت "ف"

(۱۳) ہم رقیب نہیں کرتے وداع ہوش ۱ مجبوریاں تلک ہوئے اے اختیار حیف
 جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اکبار جل گئے ۲ اے نامتاجی نفس شعلہ بار حیف
 شعر (۱) وداع ہوش سے مراد بیہوش ہونا۔ فرماتے ہیں بزم عشق میں اس کے حال جہانوز کو دیکھ کر
 رقیب کے ڈر سے ہم بیہوش بھی نہیں ہو سکتے اس لئے کہ ہماری بیہوشی سے وہ ہمارے راز عشق سے واقف ہو گیا
 یا محشوق سے بے تکلفی شروع کر دے گا۔ اے اختیار افسوس ہے کہ ہم اس قدر مجبور ہو گئے ہیں کہ ہمیں ہم رقیب
 اپنے ہوش و بیہوشی کا بھی اختیار نہیں رہا۔ ت

مرے خیال میں وہ رند ہی نہیں ساقی

جو ہوشیاری و مستی میں اختیار کرے

شعر (۲) فرماتے ہیں اے نامتاجی آہ شعلہ بار ہزار افسوس ہے تو ہم کو بتدیر کج جلا رہی ہے لیکن
 ہم اس بات کے تصور سے جل رہے ہیں کہ ہم ایک دم کیوں نہ جل گئے۔ مفہوم یہ ہے کہ جو آگ ہمارے سینہ
 میں جل رہی ہے اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ ہم ایک ہی بار جل کر خاکستر ہو جائیں۔ لیکن ہماری نامرادی
 و نامتاجی ایک بار جل جانے سے روکتی ہے۔

روایت

(۱) زخم پر چھڑکیں کھانے والے بچوں کے لیے ہر روز ایک کھانا ہوتا ہے۔ کیا مہرا ہوتا ہے اگر پتھر میں بھی ہوتا ہے۔

گرد راہ یار ہے سامان ناز زخم دل ۲ ورنہ ہوتا ہے جہاں کس قدر سدا ناک

مجھ کو اندانی رہی تجھ کو مبارک ہو جو ۳ نالہ بیل کا درد اور خندہ گل کا ناک

شور جولاں تھا کنار سحر بر کس کا کہ آج ۴ گرد ساحل ہے بن زخم موجہ دریا ناک

داد دیتا ہے مرے زخم جگر کی واہ واہ ۵ یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے جس جانک

چھوڑ کر جانا تین مجروح عاشق حیف ہے ۶ دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں اعضا ناک

غیر کی منت نہ کھینچوں گائے تو فیروز ۷ زخم مثل خندہ قاتل ہے سرتاپا ناک

یاد ہیں غالب مجھے وہ دن کہ وجہ ذوق میں

۸ زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چلتا تھا ناک

شعر (۱) فرماتے ہیں بے پروا لڑکے جو مجھے دیوانہ سمجھ کر پتھر مارتے ہیں میرے غلوں پر کہاں ناک

پتھر کتے پھریں اگر انہیں پتھروں میں جو مجھے مارے جاتے ہیں ناک ہوتا تو کیا مہرا آتا۔ تاکہ ان کے پتھر مارنے سے زخم بھی ہوتا اور ناک بھی چھڑکا جاتا۔

شعر (۲) فرماتے ہیں ہمارے لڑکے زخموں کیلئے تو گرد راہ یار سا ان نازش ہے ورنہ ناک تو دنیا

میں بہت پیلا ہوتا ہے ہمیں اس سے کیا اس شعر میں جو نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ ناک اگرچہ ابتداء زخم کیلئے سخت تکلیف دہ ہے لیکن بعد میں زخم اس سے بھر جاتا ہے لیکن گرد مٹی زخم کو اور زیادہ کرتی ہے بھرتی نہیں۔

شعر (۳) اس شعر میں لف و نشر مرتب ہے۔ فرماتے ہیں مجھے کوننا بیل کا درد اور زانی ہے یعنی بگاڑ ہوا اور تجھ کو خنایہ گل کا ناک مبارک ہو جو مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تجھے حق کی طرح خندہ نکلیں عطا فرمایا ہے اور

اس خندہ نکلیں نے ہیں کا پروردگار دیا ہے اسلئے دونوں قابل مبارکباد ہیں۔ وہ نمک تیرے لئے باعث نیش ہے اور یہ درد میرے لئے باعث فخر ہے۔

شعر (۴) جولاں یعنی گھوڑے کا تیزی سے دوڑنا۔ فرماتے ہیں آج کنار دریا پر کس معشوق طنائے اپنے گھوڑے کو تیزی کے ساتھ دوڑا یا تھا کہ جس کی ٹاپوں سے ساحل کی گرد دریا کی موجوں کے زخموں کے لئے نمک بن گئی ہے۔

شعر (۵) فرماتے ہیں میرا معشوق جس جگہ نمک بکھتا ہے مجھے یاد کرتا ہے درد میرے زخم جگر کی خوب دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر یہ نمک بھی اس کے زخموں پر چھڑکا جاتا۔

شعر (۶) فرماتے ہیں معشوق کا ایسے وقت میں عاشق کے زخمی جسم کو چھوڑ کر چلے جانا قابل نفوس ہے جبکہ دل زخم کا طالب ہے درد دوسرے اعضا و نمک کے خاتمہ کار ہیں۔ یعنی نہ دل میں زخم لگا ہے اور نہ زخموں پر نمک چھڑکا گیا ہے۔

شعر (۷) فرماتے ہیں درد زخم کے زیادہ ہونے کیلئے کسی غیر کا احسان مند نہ ہونگا۔ میرا زخم خندہ قاتل کی طرح از سر تا پا نمک بنا ہوا ہے۔ مفہوم یہ ہے جیسے خندہ قاتل نکلیں ہے میرا زخم بھی ای طرح خندہ اور نکلیں ہے۔

شعر (۸) فرماتے ہیں اے غائب مجھے وہ دن بھی یاد ہیں جبکہ وہ درد شوق ایندہ اطلبی میں تیرے زخموں میں سے نمک کے ذرات گر پڑتے تھے تو میں ان کو پلکوں سے چٹا کرتا تھا (اس شعر میں اس مشہور بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر نمک گرے تو اسے پلکوں سے اٹھانا چاہیئے۔

(۹) آہ کو چاہیئے اک عمر اثر مچنے تک ۱ کون جیتا ہے تیری زلف کے سر مچنے تک
دام ہر مریج میں ہے حلقہ مصدک ہم نہنگ ۲ دیکھیں کیا گزرتے ہیں قطرے پہ گھر مچنے تک
عاشقی جبر طلب اور تمنا بیتاب ۳ دل کا کیا رنگ کروں خون جگر مچنے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن ۴ خاک ہو جائینگے ہم تم کو خبر نہ ملے تک
 پر تو غور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم ۵ میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر پہنے تک
 یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل ۶ گرمی بزم ہے اک قصں شرر ہونے تک

غیم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

تفسیر (۱) اس شعر میں غلط سر خاص طور پر معنی خیز ہے۔ لغت میں اس کے معنی فکر و خیال اور زور و
 قوت و مردار قوم۔ میل و خواہش و بلندی اور ہر ایک شے کا خلاصہ اور کسی کام کا انجام پہنچنا یا فتح ہونا یا لکے گئے
 ہیں اس شعر کی بھی شارحین نے مختلف افسر میں فرمائی ہیں جناب نظم صاحب فرماتے ہیں کہ یہ محاورہ ہے کہ ہم اس بات
 کے سر ہو گئے یعنی سر ہو گئے یعنی جب تک تیری زلف تیرے حال سے باخبر ہو میرا کام تمام ہو جائیگا۔ جناب آقا صاحب
 نے سر ہونے سے وہ معنی لکھے ہیں پہلے معنی تو وہی ہیں جو جناب نظم نے لکھے ہیں لیکن تیرے خیال میں معنی صحیح نہیں ہے
 سر ہونا یعنی باخبر ہونا میں لکھو کے ساتھ ہے نہ کہ میں مفتوح کے ساتھ۔ لیکن حیرت ہے کہ اس لفظ کی انہیں معنی کے ساتھ
 شرح کرتے ہوئے دونوں حضرات میں بعد المشرقین ہو گیا ہے ایک صاحب مشرق کو چاہے ہیں اور ایک مغرب کو
 یعنی کسی صاحب فطرت ہیں کہ یہ ضرور ہے کہ ہماری آہ میں اثر ہوگا مگر بہت دیر میں ہوگا اور میری تیری زلف
 پھیدہ کے سر سے ہم باخبر ہونگے۔ ہمارے خیال میں معنی بھی صحیح نہیں بلکہ دوسرے معنی ہی صحیح ہیں اور ظن
 سید الدین احمد صاحب نے بھی یہی معنی لکھے ہیں یعنی جب تک تیری زلف میرے قبضہ میں آئے یا تیری زلف
 تک میرا ہاتھ پہنچ سکے میری عمر تمام ہو جائے گی۔

میرے خیال میں اس شعر کی تشریح کیلئے عشق و محبت کا ایک تاریخی واقعہ لکھ دینا بھی نہایت ضروری ہے یعنی
 یسوی کا مشہور و معروف عاشق قیس طبری جسے دگ مجنوں کے نام سے یاد کیا کرتے ہیں ایک دن موسم سرما میں آگ کا
 ایک لٹاؤ سامنے رکھے ہوئے جل میں بیٹھا تھا کہ آتش قیہ سلی کا شہر بھی ادھر آگیا اور مجنوں کے پاس بیٹھ گیا۔ مجنوں

نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں سیلی کا خاوند ہوں مجھ کو پوچھا کہ کیا تیرے ہاتھ سیلی کی زلفوں تک بھی پہنچتے ہیں؟ اس نے کہا کہ ہاں پہنچتے ہیں۔ مجھوں نے یہ سنا اور جوشِ حسرت و رقابت سے متاثر و بیاب ہو کر فوراً دیکھنے ہوئے کوئے الاؤ میں سے اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھائے اور چل کر کہا کہ کاش میرے ہاتھ سیلی کی زلفوں تک پہنچتے۔

شعر (۲) رنگ ایک ریائی جا فور ہے جسے گھڑیاں بھی کہتے ہیں۔ کام کے معنی مراد و مقصود کے بھی ہیں لیکن اس جگہ تاو مراد ہے۔ مولانا حالی مرحوم یہ معنی فرماتے ہیں کہ موج میں سینکڑوں لہنگ پھاڑے چلے ہیں لیکن قطرہ پر موتی بنتے تک کیا کیا آفتیں گزرتی ہیں؟ مطلب اس شعر میں ادا کیا گیا ہے۔ وہ صراحتاً یہ کہ انسان کو درجہ کمال تک پہنچنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

شعر (۳) اس شعر میں لفظ رنگ بھی خاص طور پر معنی خیز ہے۔ لغت میں لفظ رنگ کے ۳۳ معنی لکھے ہیں لیکن اس شعر میں صرف جلد و تدبیر کے معنی لئے جائیں گے ایک اور شبہ کا بھی اس جگہ رفع کر دینا ضروری ہے کہ کوئی ہاتھ رنگ کروں تو رنگ کر دن کا ترجمہ نہ سمجھ لیں کیونکہ رنگ کر دن کے معنی ہیں دغا و فریب کرنا۔ عاشقِ صبر سے یہ مراد ہے کہ تین عشق و محبت ہے کہ صبر سے کام لیا جائے ورنہ جلد بازیوں سے تو کام اور بھی بگڑ جاتا ہے لیکن عاشقِ بیچارہ بھی کیا کرے کہ دل کی تمنائیں چلن نہیں لینے دیتیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ جب تک جگر کا خون ہوئیں اس وقت تک کیا تدبیر و علاج کروں کہ دل ضبط میں ہے اس شعر میں لفظ رنگ اور خون میں بھی رعایت معنوی ملحوظ رکھی گئی ہے کیونکہ لفظ رنگ خون کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

شعر (۴) یہ شعر نہایت حد ف ہے اس میں کوئی پیچیدہ گہمتی نہیں کہ سلجھائی چلے تغافل یعنی غفلت خاکِ جاؤں جے یعنی ہمیں موت آجائے۔ یہ شعر بھی ایک طرح سے قریب قریب شعر اول کا ہم معنی ہے یعنی جب تک تمہیں ہمارے حال کی خبر ہو کم زندہ نہیں رہ سکتے۔ حضرت خواجہ میر دردؒ نے بھی اسی مضمون کو اس سے پہلے دوسرے لفظوں میں اس طرح ادا کیا ہے۔

کی تو تھی تاشیر آہ آتشیں نے اس پہ بھی
جب تلک پہنچے ہی پہنچے راگھ کا یاں ڈھیر تھا

شعر (۵) پر تو بمعنی سایہ، عکس، روشنی۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شعلہ آفتاب یعنی
دھوپ شبنم راویں کو فنا کر دیتی ہے اسی طرح اگر آپ مجھ پر نظر عنایت کرتے تو میں بھی فنا ہو جاتا۔ چونکہ
مرزا غالب وحدت الوجودی مشرب رکھتے تھے اسلئے اسکے صوفیانہ معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس عنایت
سے دراصل میری فنا بھی عین بقا تھی۔ شیخ علی حسینی کا بھی ایک شعر اسی رنگ کا ہے۔

گراں جاں تر ز شبنم نیست جسم ناتوان من
اگر میبود با من روئے گرمی آفتابش را

شعر (۶) جناب آسی نے اس شعر میں لفظ شرار کے معنی شعلہ لکھے ہیں جو ہماری دانست میں
صبح نہیں شعر کا مطلب ہے کہ اے نادان زمانہ حیات بہت قلیل ہے گرمی محض میں اسی قدر ہے کہ جتنا
عرصہ یک چنگاری کو اڑا کر اسکے بجھنے میں لگتا ہے ذوق مرحوم نے بھی ایک شعر اسی مضمون کا لکھا ہے
کیا اعتبار ہستی ناپائدار کا ؟

چشمک تھی برق کی کہ تبسم شرار کا !

شعر (۷) اس شعر میں لفظ شمع سے انسان کی سراپا سوز یعنی حسرت و غم میں جلنے والی زندگی
مراد ہے اور جب تک موت نہ آجائے انسان اس سے ٹھنھی نہیں پاسکتا جس طرح جب تک صبح نہیں ہوتی
شمع جلتی رہتی ہے آغا جان عیش نے بھی خوب کہا ہے۔

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات

ہنسکر گذار یا اے رو کر گزار دے

حضرت ذوق نے اس سے بھی بہتر الفاظ میں فرمایا ہے۔

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے
لھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

روایت گ

(۷۶) اگر تجھ کو ہے یقین اجابت عائد مانگ ۱ یعنی بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ

آتا ہے داغ حسرتِ دل کا شمار یاد
۲۔ مجھ سے سرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

شعر (۱) اجابت یعنی قبولیت۔ شعر کا مطلب ہے کہ اگر تجھ کو اپنی دعا کی قبولیت کا یقین ہے تو تو
کوئی مکان مانگ سوائے اس عا کے کہ تجھ کو دل بے مدعا ملے یعنی وہ دل کہ جس کی کوئی خواہش یا آرزو ہی نہ ہو۔
شعر (۲) اس شعر کے ذریعہ مرزا غالب نے بتا دی ہے کہ اگر تجھ سے میرے گناہوں کا حساب
نہ لے لیا کر۔ درپردہ مقصد یہ ہے کہ گناہوں کا حساب کیونکر دوں کیونکہ وہ شمار میں نہیں آتے کہ جب ان کو گناہ
ہوں تو داغ جو تو نے دنیا میں پیئے ہیں ان کی تیرا دہنی ہے کہ جس کثرت سے میرے گناہ ہیں ان کی گنتی یاد نہیں
آتی۔ گناہ اور داغوں کی مساوات یہ مراد ہے کہ جب کسی گناہ کا ترک ہو تو یہ سبب غم و مصیبت کے اس کے خاطر
خواہ نہ کر سکا۔ کوئی نہ کوئی حسرت ضرور باقی رہ گئی۔ مثلاً شراب پی تو وصل نصیب نہ ہوا اور وصل میرزا
تو شراب نہ پی۔ پس جتنے گناہ کئے ہیں اتنے ہی داغ حسرت دل پر کھائے ہیں (یادگار غالب)

اسی مضمون کو مرزا غالب نے ایک اور شعر میں اس طرح ادا کیا ہے سے

نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی طے داد

یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

روایات

- ۱۔ بے کس قدر ہلاک فریب و فائے گل ۱ بیل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
- ۲۔ آزاد بی نسیم مبارک کہ ہر طرف ۲ ٹوٹے پڑے ہیں حلقہ دام ہوائے گل
- ۳۔ جو تھا سوچ رنگ کے دھوکے میں مر گیا ۳ اے فائے مالہ لب خویش نوا کے گل
- ۴۔ خوشحال اس قیب سیمت کا کہ جو ۴ رکھتا ہو مثل سایہ گل سرسبائے گل
- ۵۔ ایجاد کرتی ہے اُسے تیرے لئے بہار ۵ میرا قیب ہے نفسِ عطر سائے گل
- ۶۔ شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے ۶ مٹائے بے شراب دل بے ہوائے گل
- ۷۔ سلوت سے تیرے جلوہ حسنِ غیور کی ۷ خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ بادائے گل
- ۸۔ تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک ۸ بے اختیار دوئے ہے گل رقصائے گل

غالب مجھے ہے اس سے ہم آغوشی آرزو

جس کا خیال ہے گل جیبِ قبا کے گل

شعر (۱) یعنی بیل و فائے گل کی امید پر ایسی فریب خوردہ (مٹی ہوئی) اور ثبات رنگ پر یقین کئے
 بیٹھی ہے کہ اس کی اس تو ہم پرستی پر پھول خندہ زنی کر رہے ہیں گویا پھولوں کا کھلنا ہم معنی خندہ ہے بیل
 کی اس خلل دماغی کا مرزا غالب اس سے پہلے بھی ایک شعر میں خاکہ اڑا چکے ہیں

بیل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل

کہتے ہیں جس کو عشقِ خلل ہے دماغ کا

شعر (۲) اس شعر میں نسیم سے مراد راصل نسیم گل ہے اور فائے گل سے مراد شوق و اشتیاق کی
 ہے اور حلقہ دام کے ٹوٹنے سے غنچوں کا شگفتہ ہونا مراد ہے مطلب ہے کہ وہ نسیم خوشبو کہ جو غنچوں کے شگفتہ

ہو نہ ہے نکلی ہے اسے آنا داند پھر نابارک ہو کیونکہ وہ ایک طرح کی تندرست رہا ہوئی ہے اس شعر میں فقط نسیم اور لفظ ہوا کی معنوی رعایت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔

شعر (۱۳) اس شعر میں مرگیا سے مراد انتہائے عشق و محبت لیکن قلضی سید احمد صفا فرماتے ہیں کہ چمن میں کوئی پھول تھا اور سبج رنگ کے دھوکے میں مرگیا یعنی اس ہموکہ میں کہ سننے اس رنگ کو مستقل پائندہ سمجھا افسوس ہے کہ اب پھول دھوکے میں آنے پر خوئیں نوا یعنی بڑی دلسوز اور غمناک داز میں نالہ کر رہے ہیں اور ان کی حالت قابل افسوس ہے ہمارے خیال میں یہ تو ایک قسم کی دور از فہم معنوی کھینچا تانی ہے مولانا اسی نے کسی قریب معنی لکھے ہیں یعنی لوگ پھول کے نالہ خوئیں نوا کو رنگ کر فریختہ ہو رہے ہیں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ہارے پھول کا گریہ خوئیں کس قدر بے اثر ہے حیرت ہے کہ اسی صاحب نے گریہ خوئیں کہاں سے پیدا کر دیا۔ غنوں کے چٹنے کو تو ہم نالہ خوئیں سے تعبیر کر سکتے ہیں اور یہ خوئیں تو بلی بھی نالہ خاموش کے ہم معنی سمجھی جائیگی۔

شعر (۱۴) سایہ گل سے عاشق مستانہ اور گل سے مراد معشوق ہے مطلب ہے کہ وہ حریف میرہ مست بھی نہایت ہی خوش نصیب و زود یوانہ بکار خوش ہشیار ہے کی حالت رکھتا ہے جو اپنی رہبستی میں بھی اپنا سر محبوب کے قدموں پر رکھ کر ہمیشہ پڑا ہے۔

مرزا دکن نے بھی اپنی زبان میں قریب قریب یہی مضمون لکھا ہے

خس کھا کے داس یار کے قدموں پہ گر پڑا

بہوش نے بھی کام کیا ہشیار کا

شعر (۱۵) نفس عطر سائے گل سے مراد خوشبو ہے مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ ہار پھولوں کو اس لئے

خفگفتہ کرتی اور ان میں اس لئے خوشبو پیدا کرتی ہے کہ تیرا دماغ اس سے موطر ہو اور تو فکشت چمن کرے اور وہ

پھول تیرے گلے کا ہار بنیں۔ یا تیرے لئے پھولوں کی سبج تیار کی جائے۔ گویا ایسی حالت میں پھول ہیرے

نقیب ہنرے کیونکہ تیرے دل میں ان کا شوق اور محبت ہوگی۔

مشعر (۱۶) جناب طباطبائی اور قاضی سعید الدین صاحب نے ایک جیسے معنی لکھے ہیں یعنی فرماتے ہیں کہ
 دُک مجھے پریشانی سے کرنا اور شراب پینے پر اعتراض کرتے ہیں تو میں ان دونوں چیزوں کو کیونکر چھوڑ سکتا ہوں
 کیونکہ اگر زہ نہ بہا میں میرا شیشہ شراب سے اور دل ہوائے گل سے خالی ہوتا ہے تو مجھ کو بہار سے شرمندگی ہوتی ہے
 ہمارے خیال میں یہ ایک فضول کھینچا تانی ہے مولانا اسی نے جو نہایت مختصر مطلب ظاہر کیا ہے وہ بہت
 صحیح اور قریب الفہم ہے بلکہ درد اور حسرت و سوز میں ڈوبا ہوا ہے جسے ہم اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں
 کہ موسم بہار میں جب میرا شیشہ بوجہ بے مائی اور ناداری شراب سے اور دل تنہائے میری گل سے خالی ہوتا ہے تو
 مجھے بہار سے شرمسار ہونا پڑتا ہے۔

مشعر (۱۷) سلطنت یعنی دربارِ رعب مطلب ہے کہ چونکہ تو ایک غیور حسین ہے اور تو نہیں چاہتا کہ
 تیرا عاشق تیرے گل عارض کے سوا کسی اور گل کی طرف بھی آنکھ اٹھا کر دیکھے اسلئے تیرے حسن کے دیدار و رعب
 سے میں ایسا رعب ہوں کہ پھولوں کی رنگینی میری نگاہوں میں بزمِ رنگِ خون نظر آتی ہے اور میں انہیں ایک
 خون آلودہ شے سمجھ کر نفرت سے دیکھتا ہوں۔

مشعر (۱۸) اتفاقاً یعنی گدی اور مجازاً پیچھے مطلب ہے کہ یہ جو ایک پھول کے بعد دوسرا پھول
 کھلتا چلا جا رہا ہے گویا ایک پھول کے پیچھے دوسرا پھول پے در پے دوڑا چلا آتا ہے کہ شاید حسنِ جن میں
 تو جلوہ افروز ہے۔ فارسی میں ایک شعر اسی مضمون کا ہے

تا گل بزمِ رنگ بوئے کہ ماند کہ در جن!

گل در پس گل آمدہ در جستجوئے گل!

مشعر (۱۹) ہم آغوشِ آرزو میں اخصانہ منقوب ہے یعنی آرزوئے ہم آغوش، یعنی میں اس محبوب
 سے ہم آغوش ہونے کی خواہش رکھتا ہوں کہ جس کے خیال کو پھول نے بصورتِ گل اپنے جیبِ تنہا
 کی زینت بنا رکھا ہے۔

دولف صم

(۱) غم نہیں پڑتا ہے آزاد کو پیش ازیک نفس ۱ برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
 محفلیں برہم کرے ہے گنجہ باز خیال ۲ میں ورق گردانی نیرنگ یک بتخانہ ہم
 باوجود یک جہاں ہنگامہ پیدا کی نہیں ۳ ہیں چراغان شبستان دل پروانہ ہم
 ضعف ہے نے قناعت سے یہ ترک جستجو ۴ ہیں وبال تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم
 دامن الجس اس میں ہیں لاکھوں تنائیں اسد
 ۵- جانتے ہیں اس دل پر خوں کو زنداں خانہ ہم

شعر (۱) انا قاضی صاحب اس شعر کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ہم آزادوں کو دم بھر سے زیادہ غم نہیں
 ہوتا چنانچہ ہم اپنے ماتم خانہ کی شمع کو برق سے جو ایک لمحہ میں غائب ہو جاتی ہے روشن کرتے ہیں کیونکہ اس میں
 زیادہ روشنی کی ضرورت ہی نہیں یعنی بالفاظ دیگر آزادوں کو غم نہایت ہی عارضی اور فوری ہوتا ہے اور ان
 کے ماتم خانہ کی روشنی بجلی ہے کہ جس کی چٹمک بھی دم بھر سے زیادہ نہیں۔

ہماری رائے میں اس شعر میں ایک نفس سے مراد ایک آئینہ ہے جسے برق تپاں تعمیر کر سکتے ہیں مطلب
 یہ ہے کہ اگر ہمیں کوئی صدمہ پہنچا بھی ہے یا ہماری آرزوؤں کا خون ہوتا ہے اور دنیا ہماری نگاہوں میں اندھیر
 ہو جاتی ہے تو ہم آئینہ کی بجلی سے اسے روشن کر لیتے ہیں یعنی صرت ایک کر کے پھر تمام مصناؤں کو بھول جاتے ہیں
 شعر (۲) گنجہ فطرینج وغیرہ کی طرح از قسم بانی ایک کھیل کا نام ہے مطلب شعر کا یہ ہے کہ ہمارا
 خیال گزشتہ صحتوں اور محفلوں کی یاد ہمیں لاتا رہتا ہے یعنی ایک خیال کے بعد دوسرا خیال پیدا ہونا محفلوں کو برہم
 کرنا ہے بتخانہ سے مراد سبکی تصویر گنجہ ہے یعنی ہم پرانی محفلوں کی تصاویر کے ورق طٹ پٹٹ کر خولے ہیں
 شعر (۳) مطلب ہے کہ باوجودیکہ ہم تنائوں اور رزوں کا ایک جان اپنے دل میں آباد کئے ہوئے ہیں

لیکن پھر بھی اس میں کسی قسم کی گرم بازاری اور شور و شب کی رونق نہیں اور ہماری تمنائیں ان چوہوں کی مثال ہیں جو پروانے کے دل میں جلتے ہیں۔

ہمارے خیال میں ہنگامہ پیدائی کی جگہ اس شعر میں لفظ ہنگامہ پیرائی ہو گا۔ واللہ اعلم،
شعر (۸۹) مطلب ہے کہ اولو العزم لوگوں کے لئے قناعت ایک قسم کا سہارا ہوا کرتی ہے لیکن ہم
نے جو یہ ترک جستجو کی ہے تو یلہ زلزلے قناعت یعنی تھوڑی چیز پر راضی ہو جانے کے خیال سے خوں جکھ پکاری
پست ہستی اور کمزوری کی وجہ سے ہے اسلئے ہماری یہ کم ہستی جسے لوگ قناعت سمجھے جیسے ہیں ہمت مردانہ کی
تکیہ گاہ نہیں ہو سکتی بلکہ برعکس اس کے ایک قسم کا وبال ہے۔

شعر (۹۰) دائم الحبس۔ ہمیشہ کی قید یا عمر قید مطلب ہے کہ ہمارے سینہ پر خوں کی لاکھوں ٹوس
جو کبھی بر نہیں آئیں یعنی کبھی ہمیں امانوں اور حسرتوں کو نکالنے کا موقع نہیں ملا اور وہ ایک دم سے ہمیشہ
کیلئے قید ہو چکی ہیں اس لئے ہم اپنے سینہ کو قید خانہ ہی سمجھتے ہیں۔

(۹۱) بہ نالہ حاصل دبستگی فراہم کر
متاع خانہ زنجیر جز صد معلوم

شعر (۹۱) فراہم جمع۔ متاع۔ اناشہ البیت۔ دل و دولت۔ صد۔ آواز مطلب ہے کہ تعلقات
دنوی جسے متاع خانہ زنجیر سے قید کیا گیا ہے اس میں سوائے چیخ پکار، شور و شیون اور نالہ و فریاد کے
ارکھا ہوتا ہے شاعر کہتا ہے کہ اگر تو حقیقت خاطر یا دل بھلاؤ گا ساہان چاہتا ہے تو بس حاصل دبستگی ہی
ہے کہ تو نالہ و فریاد کیا کر۔

(۹۲) تجھ کو دیار غیر میں مارا وطن سے دور رکھ لی مرے خدانے مری بکسی کی شرم

وہ حلقہ ہائے زلفت کہیں میں ہیں اے خانا
رکھ لیجو میرے دعوای و ارستگی کی شرم

شعر (۱) دیا غیر مبنی پردیس مطلب ہے کہ غریب الوطنی یعنی پردیس میں ہر شخص کو ناگوار ہوتا ہے لیکن اس پر بھی خدا کا شکر اسلئے ادا کیا گیا ہے کہ اگر وہاں بے گور و کفن پڑے ہے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ کسی شخص میں جانتا کہ کون تھا اور کس مرتبے کا آدمی تھا لیکن وطن میں مرنا جہاں ایک نہ واقف حال ہو لیکن خریدار اور غنچہ دار کوئی نہ ہو وہاں مرنے کی اس طرح مٹی خراب ہوتی سخت رسوائی اور ذلت کی بات ہوتی پس خدا کا شکر ہے کہ اس نے پردیس میں مار کر میری بیسی کی شرم رکھ لی اس میں گو بظاہر خدا کا شکر ہے مگر فی الحقیقت سر اسراہیل وطن کی شکایت ہے جس کو عجیب پیرایہ میں ظاہر کیا ہے۔ (یادگار غالب)

مولانا ناطق نے بھی اسی خیال کو اس طرح ادا کیا ہے

رونے والے نہ تھے غربت کی اجل پر نہ سہی

سننے والا تو وہاں کوئی دل زار نہ تھا

شعر (۲) دارستگی آزادی بکین گھات مطلب ہے کہ معشوق کی زلف کے حلقے یا حلقہ

ہائے زنجیر تعلقات دنیوی مجھے اسیر کرنے کی گھات میں ہیں اور میں نے اپنے آپ کو آزاد مشور کر رکھا ہے پس یا الہی مجھے ان تعلقات یا زلف محبوب کی گرفتاری سے بچالینا ورنہ میرا دعویٰ آزادی غلط ہو جائیگا

زلفِ دل

گوں دام بخت خفتہ سے یکاب خوش وے

(۸۱)

غالب یہ خون ہے کہ کہاں سے ادا کروں

شعر (۱) لفظ دام کے بہت معنی ہیں لیکن اس جگہ قیمت یعنی ایک قسم کے تگہ سے مراد ہے مطلب ہے کہ میر

فصیحہ تو مجھے ہیں وہ میں خود بخواب یعنی جاگ ہا ہوں دل تو یہ چاہتا ہے کہ بخت خفتہ کے دام سے ایک

میں بھی تیار تبادا کروں لیکن مشکل یہ ہے کہ مٹی فیندی میری قیمت میں ہیں نہیں آتا دلو ہو تو کیونکر ہو؟

(۸۲) وہ فراق اور وہ وصال کہاں ۱ وہ شبِ روز و ماہ و سال کہاں؟
 فرصتِ کار رہا تھے شوق کسے ۲ ذوقِ نظارہ جمال کہاں؟
 دل تو دل وہ دماغ ہی نہ رہا ۳ شورِ سودائے خط و خال کہاں؟
 تھی وہ اک شخص کے تصور سے ۴ اب وہ رعنائی خیال کہاں؟
 ایسا آساں نہیں لمبوراونا ۵ دل میں طاقتِ جگر میں حال کہاں؟
 ہم سے چھوٹا قمار خانہ عشق ۶ واں جو جاویں گہ میں تل کہاں؟
 فکر دنیا میں سر کھپاتا ہوں ۷ میں کہاں اور یہ وبال کہاں؟
 مضحل ہو گئے قویٰ غالب

۸ وہ عناصر میں اعتدال کہاں؟

شعر (۱) یہ تمام غزل ایک ہی رنگ، ایک ہی مضمون اور ایک ہی خیال کی ہے۔ مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ نہ تو اب صدمہ ہے فراق کا خوف ہے ورنہ ہی وصال کی لذتوں سے بہرہ مند نہ ہونے کا خیال ہے نہ وہ راتیں نہ مرادوں کے دن نہ وہ یہاں کے صیغے نہ وہ نئے سال کی مسترتیں۔

شعر (۲) اب وہ وقت ہی نہیں رہا کہ شوق و اشتیاق سے کوئی خاص اہتمام محبت کیا جائے کیونکہ بدار حیدر کا اب دل میں ذوق و جذبہ ہی نہیں رہا۔

شعر (۳) دل تو خیر ایک طرف رہا وہ تو مردہ ہو ہی چکا تھا لیکن اب یہ پہلا سادماغ بھی نہیں رہا۔ چچیں میں حسن و عشق کے خیالات کی جلوہ سادانیاں تھیں۔

شعر (۴) رعنائی، خوبصورتی مطلب ہے کہ ہمارے خیالات میں جو طرح طرح کی خوبصورتی تھی وہ اب نہیں رہی کیونکہ وہ ایک حسین ہی کے تصور و خیال کی ممنون احسان تھیں۔ سبحان اللہ رعنائی خیال کا بڑا شعر کی جان ہے۔

شعر (۵) مطلب ہے کہ جیسا پیلے دیدہ خونبار کو اٹک خوئیں بہانا آسان تھا اب جبکہ دل بھگڑ گیا ہ
 طاقت افعال ہی نہیں ہی اور خون ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ دیدہ خوئیں بھی اب جلتے نظر آتے ہیں تو کیوں روئے؟
 شعر (۶) تارخانہ۔ جہاں جو اکھیلارائے مطلب ہے کہ تارخانہ عشق میں تو نقد دل کی بازی مگتی
 ہے۔ دولت حواس کی شرط لگائی جاتی ہے مگر یہاں تو اب وہ دل ہی رہا نہ دماغ ہی رہا اب ہم تارخانہ عشق
 میں جہاں تو کس بل بوتے پر جا رہے؟

شعر (۷) مطلب ہے کہ میں تو اب فکر دنیوی میں سرگرداں رہتا ہوں اور دن رات تفکرات و فکر
 میں مغموم رہتا رہتا ہوں بھلا عشق و محبت کا وبال اب کون سرمولے؟

شعر (۸) عناصر آب و آتش و خاک و باد۔ پرانے حکما کا یہ ایک مسلمہ نظریہ ہے کہ انسان انہیں اربعہ صر
 کے مجموعہ کا نام ہے گو جدید سائنس نے اس نظریہ کی تعلیق کر دی ہے کہ عناصر صرف چار تک ہی محدود نہیں کیا
 بلکہ انکی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے لیکن مرزا غالب کے زمانہ میں چونکہ یہ نظریہ مسلمات میں داخل تھا اس لیے
 مرزا صاحب نے صحیح فرمایا ہے کہ عناصر میں اعتدال ہی نہیں ہا تو لازمی ہے کہ میرے قویٰ میں اضمحلال و ضعف اور
 ناقویٰ پیدا ہو جائے کیونکہ ازلہ اصول طبیعتانی عناصر میں اعتدال نہ رہے تو انسانی صحت میں فرق آ جاتا ہے۔

(۹) کی وفا ہم سے تو غیر اسکو جفا کہتے ہیں ۱ ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں
 آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے ۲ کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھتے کیا کہتے ہیں
 اگلے وقتوں میں یہ لوگ نہیں کچھ نہ کہو ۳ جوئے و نغمہ کو اندوہ رہا کہتے ہیں
 دل میں آجائے ہی ہوتی ہے جو فرصت غش سر ۴ اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں
 ہے میرے سرحد اراک سے اپنا مسعود ۵ قبضہ کو اپنی نظر قبضہ منا کہتے ہیں
 پائے افکار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے ۶ خار رہ کو تر سے ہم ہر گیا کہتے ہیں
 اک شہر زل میں ہے اس کوئی گھر اُسکا کیا ۷ آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں

دیکھئے لاتی بے اس شمع کی نخت کیا رنگ ۸ اس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں

وحشت و شیفہ اب مرثیہ کہوں شاید

۹- مرگیا غالب آشفہ ذرا کہتے ہیں

شعر (۱) اس شعر کی شرح نہ تو جناب علیا طباطبائی صانے کی ہے اور نہ ہی قاضی سعید الدین صانے۔ مرن
 اتنا کہہ کر کہہ کی بھی فاعل معشوق ہے یعنی معشوق نے باقی مطلب صاف ہے۔ اے چل دیتے ہیں البتہ جناب آسی صاحب نے
 کچھ شرح کی ہے یعنی آپ فرماتے ہیں کہ ہم سے معشوق نے وفا کی تو دشمن کو جفا کہتے ہیں اور معشوق کو ظالم کا خطاب
 دیتے ہیں مگر یہ کئی نئی بات نہیں ہے یہی نیا کا قاعدہ ہے کہ اچھوں کو برا کہا ہی کرتے ہیں اس میں معشوق کو اچھا کہہ کر
 اپنے ساتھ وفا کرنے پر مجبور نہیں لاتی ہے، ہم اس خطوط و حدانی والے مکڑے کی شرح کو تو بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں لیکن
 پیسہ جتہ کو پسندیدہ لگا ہو سے نہیں دیکھتے کیونکہ اس میں اس شعر کی کوئی خاص غیبی نہیں ظاہر کی گئی۔ ہماری ٹٹے
 میں اس شعر کا مطلب اس طرح ظاہر کرنا چاہیے کہ چونکہ معشوق ہم سے فاکر رہا ہے اور رقیبوں کو اس کا یہ فعل بہت برا
 معلوم ہوتا ہے لہذا انہیں کیونکہ گوارا ہو سکتا ہے کہ معشوق ہم سے مراکم محبت قائم رکھے اور اس چلائے کی پر وہ
 اسے بدنام رسوا اور اس کی تشہیر کر رہے ہیں اور بظاہر کسی کو اس لئے بدنام کیا جاتا ہے کہ اس کے افعال کو ظلم و جفا سے
 تعبیر کیا جائے لیکن حقیقت معشوق کا یہ فعل اچھا ہے اور دنیا والوں کا یہ تصور ہے کہ وہ اچھوں کو برا کہا کرتے ہیں۔

شعر (۲) خاطر بسنی دل بطلب ہے کہ آج ہم اس خیال سے اے اے پاس جا ہے ہیں کہ اپنے دل پریشانی
 کا حال کہیں گے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کھٹکا لگا ہوا ہے کہ نہیں معلوم اے اے سامنے جا کر اے اے رعب حسن سے ہماری کیا
 حالت ہو اور جو کچھ ہم کھنا چاہتے ہیں ہاں کہہ بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ یا جو کچھ ہم کھنا چاہتے ہیں اسے منکر وہ کس طرح
 پیش آئے اور کیا کہتے ہیں کبھی عر کا مشورہ ہے کہ ع خدا جانتے وہ کیا پوچھیں ہمارے گمنہ سے کیا نکلے !

غالب مصطفیٰ خاں شیفہ فرماتے ہیں سے

اس سے میں شکوہ کی جا شکر ستم کرایا کیا کر دل میں تھا وہی زباں پر آیا

شعر و صفا، جناب طباطبائی صنائے اس شعر پر ایک چھپھلتی نظر ڈالتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور مبہم سی شرح فرمائی۔ جذباتی مسئلے کچھ اس سے زیادہ۔ جناب آسی صاحب نے کسی قدر وضاحت سے کام لیا ہے۔ لیکن پھر بھی فیر سی بخش اور شعر کا اصل مفہوم ابھی تک پردہ اخفا ہی میں ہے۔ آسی صاحب فرماتے ہیں کہ ”مے و نغمہ کو پرانے آدمی کہتے ہیں کہ اندوہ ریا اور غم غلط ہے اور آج کل کے زمانہ میں صفت یلانی نہیں ہے کہ اندوہ غم اس سے کم ہو جائے سو ان لوگوں سے اس بنا پر جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے شراب و نغمہ میں پہلے یہ خاصیت ہوگی جیسا کہ لوگ کہتے ہیں اگرچہ آج نہیں ہے۔“

ہمارے خیال میں مرزا غالب نے یہ شعر لکھ کر شراب و راک کی نسبت جو قدیم مسئلہ نظریہ چلا آتا تھا اسکی تعریف کرتے ہوئے مے و نغمہ کے افعال خواص پر ایک نہایت ہی گہری اور فلسفیانہ نظر ڈالی ہے یعنی مرزا غالب کا مطلب ہے کہ مے و نغمہ دنیوی غم و اندوہ کو رفع کر سکے تو کر سکے لیکن عشق و محبت کیلئے یہ اندوہ یا اور غم غلط کرنے والے نہیں ہو سکتے کیونکہ شراب کا یہ خاصہ ہے کہ عشق و محبت کی حالت میں اگر اسے استعمال کیا جائے تو بجائے اسکے کہ غم بھاری جاتا ہے بلکہ محبت کی آگ اور تیز ہوتی ہے اور معشوق کا خیال اور زیادہ بڑھ جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی خوش آواز موسیقی دے کسی عاشق مزاج کے سامنے درد و محبت میں ڈوبی ہوئی غزل سوز و نرم کیسے لگائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عاشق کا درد و محبت اور غم عشق اور زیادہ ہوگا۔ ہم نے خود متعدد دفع اس حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے کہ ایک شخص کا رہا ہے اور دوسرا عاشق مزاج پھر ان نصیب زار زار رو رہا ہے۔ دیکھئے یہ شعر بھی اسی فلسفہ کی تائید کر رہا ہے۔

محبت میں کوئی ڈوبی ہوئی جب وہ غزل گائیں

تو میرا درد دل ظاہر ہر بزمِ شک و حسرت ہو

ایک اور شعر بھی اس کی تائید میں سن لو

بتا دے اے پری زہرہ جہیں شیریں گلوں پر جو دل میں چھید کر ڈالے یہ گناکس سے سیکھا ہے

شعر (۱۴) اس شعر کی تشریح جناب آسی نہایت اچھی اور طباطبائی جتائے مختصر مگر لحاظ مفہوم جامع کی ہے مطلب ہے کہ شاعر نے صرف نالہ سا کا نام نہیں لیا بلکہ اس کا کیا حال ہے اور وہ بطور استفہام پوچھتا ہے کہ نالہ رسا اور کیا ہوتا ہے؟ یہی ناکہ غش سے فائدہ ہوا اور نالہ دل میں آجود ہوا اس صورت میں گویا اسے معلوم ہی نہیں کہ نالہ سا اسکو کہتے ہیں کہ جسکی رسائی اشرک ہوئی ناکامی اور حرماں نصیبی چربہ کر رکھ دیا گیا ہے۔

شعر (۱۵) قبلہ جس کی طرف بحالت نماز مسلمان سجدہ کرتے مطلب ہے کہ ہم قبلہ کی سجدہ نہیں کرتے بلکہ قبلہ کو صرف قبلہ نہ تصور کرتے ہیں کیونکہ اس میں یکسوئی اور یکجہتی کا تعین ہے ورنہ ہمارا مسجد و مسجد تو وہ ہے کہ جو ادراک یعنی عقل و ہوش فہم و فراست کی حد سے بہت دور و رکت جتا سے منزہ و مبرا ہے ۶

بیوٹے قبلہ سجدہ ہے مگر مسجد تو ہی ہے

شعر (۱۶) ہر گیا۔ ہر گیا۔ عربی میں یسوع اہنم اور ہندی میں لکھنا لکھنی اور چھینا چھنی بھی کہتے ہیں کتب طبعیہ میں سے پنج قعات بری کہتے ہیں کہ جو شکل میں مثل انسانوں کے ہوتی ہے کہ جنکے منہ ایک دوسرے کے سامنے ہوتے ہیں روایت مشہور ہے کہ جو شخص اس جڑھ کو اپنے پاس رکھتا ہے وگا سپر مریاں ہوتے ہیں بعض لوگ سواج مکھی کو بھی ہر گیا کہتے ہیں۔ اوگا ر یعنی زخمی،

شعر کا مطلب ہے کہ تجھ کو ہمارے زخمی پاؤں پر کہ جس میں تیری راہ کے کانٹے چھبے ہوئے ہیں جس دن سے جم آیا ہے ان کانٹوں کو ہم کانٹے نہیں بلکہ ہر گیا سمجھتے ہیں کیونکہ انکی وجہ سے تجھے ہم پر رحم آیا۔ اس شعروں لفظ رحم اور لفظ ہر کی معنوی مناسبت بھی ہے۔

شعر (۱۷) ہوا یعنی سانس اور سر سے مراد روح حیوانی ہے جو بمنزلہ ایک شرابے کے ہلے سکی سوزش و حرارت ہم کیوں گھبراہٹیں گے بلکہ ہم تو اسی آگ کو بھڑکانے اور سلگانے کیلئے ہوا کھاتے ہیں یعنی ہمارا سانس لینا محض اشتعال حرارت کے خیال۔ میرے ہمارے دوسرے یعنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہمارے دل میں ہش عشق کا اثر ایک شرابہ ہے اس سے ہم کیا خوف کھائیں گے اس لئے تو ہم اسے ہوا یعنی بیچ کہتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے جھلے

اور طرف کے مقابلے میں بہت کم ہے ہمیں تو آگ مطلوب ہے جناب طباطبائی صاحب نے بھی اس پر خوب روشنی ڈالی ہے یعنی اس شعر میں کوسہ تہف نے تو ایک قصیدہ شمر یہ کی طرح نظم کر دیا لیکن دورانِ خون کا مسئلہ جب سے ثابت ہوا ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ واقع میں ایسا ہی ہے کہ ہر سانس میں ہوا سے روح حیوانی کو اشتعال مطلوب ہے اور جو ہوا کہ نکلتی ہے یہ بعدیہ ویسی ہی ہے جیسی ہوا کہ چرغ کی و سے پیدا ہوتی ہے اس شعر سے مصنف کی فلسفیانہ تدابیر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اسی خیال کو مرزا غالب نے ایک اور پیرایہ میں بیان کیا ہے
 زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
 غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

شعر (۸) نخت، غرور و تکبر مطلب ہے کہ ہم جو اسکی ہلکی غلط یا صحیح بات پر آمنا و ماندا کہنے کو غور کرتے ہیں اور اسے ہر ایک ناز و خسرے کی بلائیں لینے لگ جاتے ہیں اور اسکی سجاوکتوں پر بھی واہ وا اور سبحان اللہ کہہ سکتے ہیں اب دیکھئے اس متاثر ہو کر اس غرور و تکبر کیا تنگ لاتا ہے جی اس کا کیا نتیجہ پیدا کرتا ہے۔

شعر (۹) وحشت سے مراد غلام علی خاں وحشت اور شیفتہ سے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مراد ہیں دونوں حضرات حکیم مہین خاں مہین کے مشہور تلامذہ ہیں تھے البتہ جناب شیفتہ حکیم مہین خاں کے رفقاء ہی تھے (مرزا غالب بھی اصلاح لیا کرتے تھے مرزا خاں نے نہایت ہی حسرت بھر لہجہ میں اپنی بلکی کی موت کا رونا دیا ہے سنا پوچھئے تو اپنا مرثیہ خود ہی لکھ گئے ہیں مطلب ہے کہ یارانِ محفل اور نکتہ شناسانِ سخن تو رہا کٹھ گئے شاید غلام کا مرثیہ وحشت و شیفتہ ہی لکھیں تو لکھیں۔

(۸۷) آبرو کیا خاک اس گل کی کہ گلشن میں نہیں ۱ ہے گریباں ننگ پیرا میں جو دامن میں نہیں
 ضعف سے گریہ کچھ باقی مے تن میں نہیں ۲ رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں
 ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہ آفتاب ۳ ڈرے گئے گھر کی دیواروں کے روضہ میں نہیں

کیا کہوں تار کی زناں غم اندھیر ہے ۴ پنڈیر صبح سے کم جس کے وزن میں نہیں
 روتی ہستی ہے عشق خانہ ویراں سے ۵ انجمن بے شمع ہے گر برق خرمین میں نہیں
 زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن ۶ غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں
 بسکہ ہم میں اک ہزار کے مارے ہوئے ۷ جلوہ گل کے سوا اگر داپنے دامن میں نہیں
 قطرہ قطرہ اک ہیوا ہے نئے ناسور کا ۸ خوں بھی ذوق درد سے فارغ مے تن میں نہیں
 لیگی ساتی کی نخوت قلم آشامی ہری ۹ موج مے کی آج رگ ہینا کی گردن میں نہیں
 ہونشا ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود ۱۰ قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مے تن میں نہیں

بھی وطن میں ان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر
 بے تکلف ہوں ہشت خس کہ گلخن میں نہیں

شعر (۱) اس شعر میں لفظ برد اور لفظ خاک نے آب خاک کی مشابہت اور لفظ ننگ اور لفظ پیر میں
 نے ایک خاص غایت معنوی پیدا کر دی ہے اس شعر کی جناب اس اور جناب قاضی نے جانے اور جناب طباطبائی صاحب نے جنس
 بیانہ اور مبہم کی شرح کی اور اصل بات کو کھول کر بیان نہیں کیا خیر اس شعر کا مطلب ہے کہ جو پھول باغ میں نہ
 کٹے اس کی کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے یعنی وہ پھول جو جنم میں کھس کر مر جائے اور خاک میں ملی جائے تو ان پھولوں
 کا ہونا نہ ہونا برابر ہے وہ پھول نہ کسی کے گلے کا ہار جسے نہ کسی نے گلدستہ بن کر محفل میں کھانا نہ کسی کی دستار کا طرہ
 بنے اور نہ ہی زیب بستر ہوئے اسی طرح وہ گریبان لباس کے لئے باعث شرم ہے کہ جو دامن میں نہ ہو اور گریبان
 راز میں بھی پہنچتا ہے جب وہ چاک ہو جائے اور چاک ہوا تو گل سے مشابہت ہو جائیگی۔

شعر (۲) گریہ۔ روم اس شعر میں مرزا غالب نے گریہ کو مخاطب کیا ہے یہ بی ایک قسم کی جدت ہے مطلب ہے
 کہ گریہ یہ یہ خیال کرتا ہو کہ عاشق خوں آنسو کیوں نہیں دتا تو مرزا غالب جواب دیتے ہیں کہ غم و اندوہ کی وجہ سے
 میں اتنا غم و ناتواں ہو گیا ہوں کہ اب مجھے میں خون نام کو نہیں پتا اور حقد ر بھی میرے بدن میں خون تھا وہ اس طرح

خشک ہو گیا ہے کہ جس طرح رنگ خام اڑ جایا کرتا ہے۔

لفظہ ان ہی سر شعر میں خاص طے پر توجہ طلب یعنی اگر جسم عاشق میں خون ہوتا تو عاشق ضرور خشک ہو جاتا اور پھر دامن سے خشک غنٹیں پونچھے جاتے تو دامن خون سے رنگین ہو جاتا۔ جب آنسو ہی خون کے نہیں تو دامن پر خون کیسے نظر آئے؟

شعر (۳۳) روزن، سورن، ارشدان۔ اجڑائے نگاہ آفتاب سے مراد سوج کی روشنی کے فے ہیں شاولند کیا ہی پیاری ترکیب! لفاظی ہے مطلب ہے کہ محبوب کی دیواروں کے روزنوں میں جو ذرے نظر آ رہے ہیں حقیقت میں یہ ذرے نہیں ہیں بلکہ نگاہ آفتاب کے منتشر اجزا ہیں جو ان روزنوں میں آکر جمع ہو گئے ہیں یعنی آفتاب ہی اس جبین پردہ نشین کو روزن دیوار سے ٹاکتا جھانکتا ہے۔

شعر (۳۴) تاریکی۔ اندھیرا۔ زندان۔ قید خانہ۔ پیہ۔ روٹی مطلب ہے کہ میں اپنے قید خانہ غم کی نیا اور اندھیرے کا حال کیا بیان کروں کہ تو ایسا تاریکی و ظلمت کہہ بنا ہوا ہے کہ اگر اس کے روزن میں روٹی رکھ دیا جائے تو وہ فوراً صبح بن جاتی ہے حالانکہ روٹی روزن میں اسے رکھی جاتی ہے کہ روشنی بند ہو جائے اور تاریکی زیادہ ہو جائے اور یہ شدت تاریکی کا سبب کہ روٹی رکھنے سے فوراً صبح کا گمان ہوتا ہے اور مرزا، حبیب سے بھی ایک قسم کا اندھیرا یعنی غضب سمجھتے ہیں۔ اسی خیال کو مرزا غالب اکثراً جگہ اس طرح بیان کرتے ہیں

عیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے خواب کی

شب ہے ہو جو رکھ دیں پیہ دیواروں کے روزن میں

شعر (۱۵) خرمن۔ یہ لفظ دو طرح پر آتا ہے یعنی خلتے مکسورے بھی اور خٹے متورے بھی بالکسر صاف کٹے ہوئے غلہ کا ڈھیر یا بغیر صاف کٹے ہوئے ہر چیز کا ڈھیر اور بالفتح اس غلہ کا ڈھیر کہ ڈبھی نہ کو فٹہ۔ خوشوں میں ہو مطلب ہے کہ زندگی کی تمام لذت عشق خانہ خراب کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ یہ شعر بھی اس شعر کی تشریح کا موید ہے۔

دل کو آباد کیا عشق میں ویراں ہو کر
گھر کی آرائشیں کیں بے سرو سامان ہو کر

یادگار غالب میں اس کی شرح اس طرح کی گئی ہے کہ تمام دنیا میں جو رونق اور چل چل رہا ہے وہ عشق و محبت کی بدولت ہے خواہ زن و فرزند کی محبت ہو خواہ لڑ و دولت خواہ ملک ملت کی خواہ کسی اور چیز کی پس اگر خرم میں برقی نہیں یعنی دلوں میں محبت نہیں تو اسکی مثال اس انجن کی ہے جن میں خیم کی روشنی نہیں

شعر (۶) چارہ ہوئی۔ علاج۔ سوزن۔ سوئی۔ مطلب ہے کہ غیر حوزہ خوں کے سوانے پر طعنہ زنی کر رہا ہے اور وہ یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ میں زخموں کی تکلیف کی وجہ شاید اپنا علاج کر رہا ہوں لیکن اس نادان کو خبری نہیں کہ میں تو ایک ایسا نڈا ہوں کہ رکھتا ہوں یعنی سوئی جب مانگے لگاتی ہے تو اسکی نوک سے بھی تو ایک نغمہ کی ایذا پہنچتی ہے اور ہم اس ایذا میں بھی ایک قسم کی لذت محسوس کرتے ہیں۔

شعر (۷) افغن۔ قبر۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ ہم ایک بہار ناز کے کشتہ و مقبول ہیں اور اسکی تصور میں ہم نے جان دی اسلئے ہماری قبر میں گرد و خاک نہیں کھائی دیتی۔ بلکہ ہر طرف گل و گلزار ہی کی بہا ہے مرزا صاحب اس قسم کا ایک اور مضمون اس طرح ادا کرتے ہیں سے

ہے غیاں حُسن میں حُسن عمل کا سہ خیاں
خدا کا اک در ہے میری گور کے اندر کھٹا

شعر (۸) ہیولی۔ مادہ۔ قاعدہ ہے کہ ہیولی سے ایک صرت فنا ہوتی ہے اور دوسری پیدا ہوتی ہے مطلب ہے کہ میرے بدن میں ہر ایک قطرہ خون ایک نئے ناسور کا مادہ ہے یعنی جس جہر جگہ خون کے قطرے گرے گئے وہاں ناسور ڈال دینگے اور خون چونکہ تمام بدن میں دورہ کرتا ہے اسلئے ہر قطرہ ناسور ڈالتا ہوا نکلتا چلا جائیگا یعنی میرا خون بھی تلاش در میں دورہ کر رہا ہے اور ذوق درد کا اس میں مادہ ہے۔

شعر (۹) تلم آشای۔ سمندر پی جانا۔ رگ گردن بطور مجاز غرور و تکبر۔ خیاں مرزا غالب

ایک جگہ لکھتے ہیں سے

خطر ہے رشتہ الفت رگ گردن نہ ہو جائے

غروب دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے

مینا۔ شیشہ شراب مطلب ہے کہ ساقی کے پاس جو مینا ہے تھکا سپرہ مغرور تھا اور تریا ہوا تھا کہ اتنی شراب کون پی سکتا ہے باپنی دریا ولی پر نازاں تھا لیکن میں ایسا بد فوٹ اور قلم آشام ثابت ہوا کہ ساقی کا نشہ غرور ہرن ہو گیا اور شیشہ مے میں کوئی موج مے نہ رہی یعنی میں تمام کا تمام شیشہ صاف کر گیا۔ اور ساقی سے ابھی اور تقاضا تھا کہ ساقیا اور بھی لا اپنی قلم آشام کی مثال ایک شاعر نے اس طرح دی ہے غم کے خم پی جاتے ہیں رہتے ہیں پر ہشیار ہم!

شعر (۱۰) اشارہ در فشردن سے ہے جس کے معنی ہیں پچھڑنا۔ بھینچنا۔ مطلب ہے کہ ضعف نے مجھ کو چاروں طرف سے اس قدر دبایا ہے کہ میری ناتوانی بھی ظاہر نہیں ہو سکتی اسلئے کہ وہ جو کثرت ناتوانی سے جھک جاتا ہے اور جس سے کہ ناتوانی ظاہر ہوتی ہے، وہ بھی چاروں طرف سے ناتوانی کے غلبہ کی وجہ سے جھک نہیں سکتا کیونکہ جھکے تو کہ ہر جھکے پس میری ناتوانی ظاہر ہو تو کس طرح ہو؟ (ہدیہ سعید)

شعر (۱۱) گلخن اور گلخن دونوں طرح آتا ہے یعنی آتش خانہ اور خاسترخانہ لیکن اس جگہ مضموم سے مراد ہے در یہ مخفف ہے گل خانہ کا یعنی گل رخن مخفف خانہ کا۔ ہندی میں اسے بھارکت ہیں جہاں غلہ بھونا جاتا ہے۔ غالباً مولانا حاکمی نے گلخن مکتور ہی لکھا ہے پناچہ آپ فرماتے ہیں کہ اپنے کو منت خست اور وطن کو گلخن سے فتنہ دی ہے مطلب ہے کہ جس طرح پھونس گلخن میں ہوتا ہے تو جلتا ہے وہ گلخن میں بینق تاتا تو کچھ قدر نہیں جوتی۔ یہی حال میرا ہے کہ وطن میں تو جلتا تھا اور اب پردیس میں تو بے قدر ہوں۔

لیکن مولانا سید ہاشمی صاحب نے مولانا حالی کی اس مضموم پر اعتراض کیا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ رقم ایون کو اس معنی میں اختلاف ہے شعر کا اصل مطلب معلوم ہوتا ہے کہ میں پردیس کیس بھی میرے مخفی حیران ہوں

نہ ہو سکے اور دونوں جگہ میں ایسا ہی ناکارہ سمجھا گیا جیسا کہ گھانٹوں کا ایک ٹھیر جو بھٹی میں نہ ڈالا جائے
 و محض ایک کوڑا ہے اور بادی النظر میں بالکل بیکار اور بے حقیقت شے ہے حالانکہ اگر وہ اپنے موزوں تمام
 یعنی ٹکڑیوں میں ہوتا تو اس کے کمالات ظاہر ہوتے اور وہ روشن اور منور ہو جاتا جس اور ٹکڑی کے اس نادر مضمون
 کو مرزا صاحب نے ایک اور شعر میں بھی تحریر کیا ہے :

فنا کو سرپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
 فروغ طابع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

ہماری خیال میں مولانا طباطبائی نے بھی اس شعر کی تشریح میں ایک خاص بات پیدا کی ہے چنانچہ فرماتے
 ہیں کہ ظاہر ہے کہ مشتاق اپنے وطن میں ہے تو غارِ ناد میں ہے اور اگر وطن سے باہر نکل کر کہیں قدم رکھا تو
 جادوب کشوں نے نکال باہر کیا وطن میں اذیت اور غربت میں قوت کا سامنا ہے اس کیلئے فروغ اور شان اگر
 ہے تو گلخن میں ہے۔ اس شعر میں مذاق تصوف ہے یعنی جس طرح ہر شے آگ میں گر کر آگ ہو جاتی ہے اسی طرح
 عارف کو شہادتِ حقیقی کے ساتھ اتحاد حاصل ہو جاتا ہے اور نہیں تو ایک مشبہ جس ہے جو وطن عدم اور غربت
 امکان اور امکان پر جس طرح عدم سابق ہے اسی طرح عدم لاحق بھی ہے کہ امکان جو دین الہی کا نام ہے۔
 جو ممکن عدم سے آیا ہے وہ عدم میں چلا بھی جائیگا پس حیاتِ ابدی اس میں ہے کہ واجبِ وجود سے ملتی ہو
 جائے اور فنا فی الذات ہو کر ترانہ انا ولا غیر بنیاد کرے۔ چونکہ مرزا غالب و حریت الوجودی مذہب
 رکھتے تھے اس لئے یہ شعر ان کے حسبِ حال ہو سکتا ہے۔

۸۵۱) عمدے سے طبع ناز کے باہر نہ آسکا ! ۱ گراک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کیوں
 طلقے ہیں چشمائے کشادہ نسوئے دل ۲ ہر تار زلف کو نگہ سرمہ سا کیوں
 میں اور صد ہزار نوائے جگر خزش ۳ تو اور ایک شہ نہ شنیدن کہ کیا کیوں
 ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل چاہ ۴ ہے یہ خدا نہ کردہ تجھے بے وفا کیوں

شعر (۱) یعنی میں سکی بہ تمام و کمال تائش کری اور اسکے ناز و ادرا کی طبع سمرائی سے عہدہ برائشیں ہو سکتا اگر اسکی صرف کوئی ایک ہی ادا ہو تو سمجھوں کہ میں نے یہ فرض ادا کر دیا اور اس قضیے سے خارج ہو گیا۔
 مجھے نہایت افسوس ہے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شارحین کلام مرزا غالب نے اس شعر کی شرح فرماتے ہوئے لفظ قضا پر غور نہیں فرمایا اور انہوں نے اس جگہ لفظ قضا سے موت کے معنی اخذ فرمائے ہیں حالانکہ یہ قطعی غلط ہے۔ لیس قضا کے معنی ہیں حکم کرنا۔ ادا کرنا۔ تمام کرنا، بیان کرنا اور وہ عبادت جس کا وقت گزر گیا ہو وغیرہ وغیرہ جناب طباطبائی صاحب لہذا اتنا کہہ کر ٹال گئے ہیں کہ شعر صاف اور پیدے مصرعہ میں میں محذوف ہے جناب قاضی صاحب فرماتے ہیں یعنی میں اس کے ناز کی پوری تعریف نہیں کر سکتا اگر اس میں ایک ادا ہو تو میں اسے اپنی قضا سمجھوں لیکن وہاں تو جان کی لیمو سینکڑوں ادائیں ہیں۔

اب ذرا جناب آسی حسنا کی شرح بھی سن لیجئے فرماتے ہیں میں اس کے ناز کی تعریف نہیں کر سکتا اگر اس میں ایک ادا ہو تو یہ کہہ کر فراغت پا جاؤں کہ اس پر میری جان جاتی ہے مگر یہاں تو ہزاروں ادائیں ہیں۔
 قارئین کتاب ہم داد طلب ہیں کہ وہ ہماری مختصر مگر جامع شرح پر بھی غور فرمائیں کہ کوئی شرح صحیح ہے۔
شعر (۲) یعنی تیری زلفوں میں جو جھپٹے پڑے ہوئے ہیں ایسے ہیں جیسے کھلی ہوئی آنکھیں گریا حلقہائے زلف کی آنکھیں بھی میرا دل چھیننے کی تاک میں ہیں اور جس حالت میں کہ حلقہائے زلف کو آنکھوں سے تشبیہ دی ہے تو مناسب ہے کہ ہر تار زلف کو نگاہ سرگیں کہہ دیں۔

شعر (۳) قوا۔ آواز۔ مجازاً نالہ و فریاد یعنی مطلب یہ ہے کہ جب تو میری فریاد سنتا ہے نہیں تو مجبوراً مجھے خاموش ہونا ہی پڑتا ہے اس مضمون کو ذوق مرحوم نے اس طرح ادا کیا ہے۔

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں

وہاں ایک خاموشی مرے سب کے جواب میں

شعر (۴) متفعل، شمر مرہ خدا نہ کر دے یعنی خدا ایسا نہ کرے۔ مرزا صاحب کی اس مضطربانہ گفتگو

سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو مجبوجب بیوفا کنسا کسی صورت میں پسند نہیں ملتی ہے کہ مجھ میں اور میرے گمان میں ایک بحث کی صورت پیدا ہو گئی ہے یعنی میرا گمان تو مجھے بیوفا سمجھتا ہے اور میں تجھے وفادار کنسا چاہتا ہوں پس اسے ظالم تو خدا را اپنی بیوفائی سے باز رہا اور مجھ کو میرے گمان کے سامنے شرمندہ شرمسار نہ کر یعنی جب اسکی آنکھوں کے سامنے محشوق کی بیوفائی کا نقشہ آتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس کے بیوفا کہنے پر مجبور پاتا ہے لیکن سچا چوکنا کھانا ہے اور خدا سے دعا مانگتا ہے کہ خدایا مجھے وہ دن نہ دکھانا کہ مجھے اسے بیوفا کنسا پڑے۔

(۸۶) مہرباں ہونے کے بدلہ لا مجھے چاہو جس وقت ۱ میں گیا وقت نہیں ہوں پھر بھی نہ سکوں
ضعف میں طعنہ انگیزار کا شکوہ کیا ہے ۲ بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ کٹھا بھی سکوں
زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
۳ - کیا قسم ہے تیرے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

شعر ۱۱۱ انقطاع تعلقات سے بعد عرصہ دراز گزر جائے اور پھر ایک فریق کو دوسرے فریق سے ضروری کام کیلئے ملنے کی خواہش ہو اور وہ دوسرے تو تعلقات پیدا کرنے چاہے تو ضروریہ خیال پیدا ہو گا کہ شاید یہ شخص ناراض ہو چکا ہے سرے بلانے پر آئے یا نہ آئے لیکن مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اگر آپ مہربان ہو کر مجھے بلانا چاہیں تو میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا اور میں کوئی وقت نہیں ہوں کہ جا کر پھر نہ آ سکوں اس شعر میں دو دفعہ لفظ وقف آنا خاص طور پر یعنی خیر اور لطف انگیز ہے اس غزل کے قافیوں شعر ایک ہی رنگ کے ہیں حکیم مومن خاں مومن سے کلام میں اس رنگ کے اکثر شعرا پائے جاتے ہیں

دل آگ ہے اور لگاؤں گے ہم
کیا جانے کسے جلاؤں گے ہم

شعر ۱۲ سر نہ اٹھانا۔ شرمندہ ہونا یا ضعف سے سر نہ اٹھانا کے معنی میں آتا ہے لیکن اس جگہ یہ مفہود ہے کہ دشمن جو ضعف ناتوانی کی حالت میں دیکھ کر جواہر دینے یا انتقام نہ لینے کا مجبوعہ ہے ہے

نہیں بات کوئی سر تو نہیں ہے کہ اٹھا رہے سکوں گا۔ میں تو باوجود ضعف کے اسے برداشت کر لوں گا۔
شعر (۳۴) جب کہتے ہیں کہ ان کو نساں کا کام کرنے کی قسم ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس کا کام
 کے کہنے سے انکار ہے پس عاشق معشوق سے سننے کی قسم کیونکر کھا سکتا ہے کہ وہ ہر کچھ رتی رے ملنے کی قسم
 نہیں ہے کہ میں کھا بھی نہ سکوں۔ زیادہ کا رغبہ۔

(۱۸۷) ہم سے کھل جو بوقت ہے پرستی ایک دن ۱ ورنہ ہم چھڑیں گے رکھ کر غدر مستی ایک دن
 غرہ اوج بنائے عالم امکان نہ ہو ۲ اس بلندی کے نصیبوں میں ہر پستی ایک دن
 قرض کی پیتے تھے لیکن سمجھتے تھے کہ ۳ رنگ لائیں ہماری فائدہ مستی ایک دن
 نغمہ ہائے غم کو بھی اٹل غنیمت جائے ۴ بے صدا ہو جائیگا یہ سارا ہستی ایک دن
 دھول دھپا اس سر اپنا ناز کا ثبوت نہیں

۵۔ ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشہ سی ایک دن

شعر (۱۸۸) کھل جاؤ یعنی بے تکلف ہو جاؤ مطلب ہے کہ مرزا صاحب اپنے ایک معشوق سے ازراہ شوخی و
 ظرافت عرض کر رہے ہیں کہ وہ نوشی کے وقت ہم سے بے تکلف ہو جاؤ ورنہ ہم خود بے تکلف ہو جائیں گے کہ جس کی
 چھڑ چڑ پر نازاں نہیں ہوں ناکینکہ ہم سے پاس پہلے ہی معقول عذر ہو جو وہ ہے کہ نشہ کی حالت میں ہم سے
 ایسی حرکت ہو گئی اس شعر میں بے پرستی سے بے نوشی مراد لی گئی ہے۔

شعر (۳۵) غرہ۔ غرور و ناز۔ اوج۔ بلندی۔ عالم امکان۔ دنیا۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ تو دنیاؤں کو جہاں
 بلندی عمارات پر غرور و نازاں ہو ورنہ سمجھ کہ میں ہمیشہ اسی شان شوکت رہوں گا۔ یا ہمیشہ دنیا میں ہوں گا
 ورنہ دنیا کی بلندی عمارت سی طرح قائم رہے گی۔ ایک ایک دن ضرور ہی اس عروج کو ذلت و اس کمال کو زوال
 آئے گا۔ بصورت تقدیر نہ بھی اور بصورت قیامت بھی۔ اوج و پستی میں صنعت تفساد ملحوظ رکھی گئی ہے۔
شعر (۳۶) رنگ لائیں یعنی کسی بھی دن جھگڑا پیدا کر لیں مطلب ہے کہ مرزا غالب شراب تو میخانہ

سے اٹھار پتے تھے لیکن ساتھ ہی دل میں بھی کھٹکا لگا ہوا تھا کہ کسی ن رسوائی کی نوبت نہ آجائے یعنی میخانہ والے تقاضانہ کر میٹیں نہ فاقہ مستی یعنی تنگ دستی سے ہم مجبور ہیں۔ اور آخر مرزا صاحب کو روز بد دیکھنا نصیب ہوا جس کی بنا پر یہ شعر کہ لایا۔ چنانچہ مذکورہ آبجیات میں لکھا ہے کہ ایک فقہ مرزا بہت قرضدار ہو گئے قرضخواہوں نے مالش کر دی جو اب یہی میں طلب ہوئے مفتی صدر الدین آزادہ کی عدالت نفی جس وقت پیشی میں گئے یہ شعر پڑھا لیکن ہے میخانہ والوں کا قرضانہ نہ ہوا اور مرزا صاحب اپنی دیگر خانگی ضروریات کیلئے قرض لیتے رہے ہوں اور فاقہ مستی کی روایت کے لئے کا لفظ استعمال کیا ہو۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دنیا کے نظام لوگوں نے، ہل کمال لوگوں کی کوئی عزت اور قدر نہ کی۔ اور ان کو ذلیل و رسوا کر کے پھینکا۔

شعر (۴) یعنی اے دل اگر خوشی کے نغمے نہیں تو نہ سہی تو غم کے نغموں کو ہی غنیمت سمجھ کہ آواز تو آ رہی ہے کیونکہ ایک زمان ایسا ہو گا کہ تیرا سانس ہی ٹوٹ جائیگا۔ اور اس سے کوئی آواز نہ نکلے گی یعنی نہ خوشی کی آواز اور نہ غم کی آواز ایسی مضمین کو مرزا صاحب نے ایک اور جگہ ان الفاظ میں لکھا ہے

ایک ہنگامہ یہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی

میز اس شعر میں لفظ نغمہ اور لفظ غم کی لفظی مناسبت قابل غور ہے۔

شعر (۵) دھو دھوپ۔ مار پیٹ۔ ہاتھ پائی۔ دراز دستی۔ مطلب ہے کہ دنگہ مشتی یا مار پیٹ کر نا تو اس نازنین کی عادت نہیں یہ جو کچھ ہماری گت بنی یہ ہمارے ہی اعمال کی سر ہے کیونکہ کچھ گستاخانہ پہل ہم ہی سے واقع میں آتی تھی۔

۱۔ ہم پر جفا سے ترک و فکاگماں نہیں
۲۔ ہم پر سس ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
۳۔ ہم غمزہ مستحکم کو ہم عزیز
۴۔ تاہم ہاں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں

۱ بوسہ نہیں نہ ڈیکھے۔ دشنام ہی سہی ۶ آخر زباں تو رکھتے ہو تم۔ گردہاں نہیں
 ۵ ہر چہ تہ جائگہ ازبئی قہر و عتاب ہے ۵ ہر چند پشت گرمی تاب و تواں نہیں
 ۶ جاں مطرب ترانہ بل من مزید ہے ۶ لب پر وہ سنج زمزمہ الاماں نہیں
 ۷ خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم ۷ دل میں چھری چھو مشرہ گر خوشکایاں نہیں
 ۸ ہے ننگ سینہ دل اگر آتشکدہ نہ ہو ۸ ہے عار دل نفس اگر آذر نشان نہیں
 ۹ نقشاں نہیں جنس میں بلا سے ہو گھر خراب ۹ دو گز زمیں کے بلے بیاباں گراں نہیں
 ۱۰ کتنے ہو کیا لکھا ہے تری سر نوشت میں ۱۰ گویا جیس پہ سجدہ بت کا نشان نہیں
 ۱۱ پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی ۱۱ روح القدس اگر چہ مرا ہمزباں نہیں

جاں ہے بہائے بوسہ فلی کیوں کہے ابھی

۱۲ محال ہے کہ جانتا ہے کہ نیم جاں نہیں

شعر (۱) یعنی وہ جو ہم پر جفا کرتے ہیں اسے نہیں کہہ سکتے ہم پر کسی قسم کی بیوفائی کی مدگانی ہے
 یا انہی کی وفائوں کا امتحان نہ نظر ہے نہیں نہیں کیا ہرگز نہیں وہ تو یونہی ایک قسم کا مذاق اور لگی کر ہے اس
 اس شعر میں لفظ جفا خاص طور پر معنی خیر ہے عوام الناس لفظ جفا سے ظلم و ظم کے معنی اخذ کیا کرتے ہیں
 جو قطعی غلط ہے کیونکہ ظلم و ظم اور شے بے اور جفا اور شے ظلم و ظم علوانت اور دشمنی کے موقع پر پیدا ہوتا ہے
 اور جفا میں ایک قسم کی شان محبت پنہاں ہوتی ہے مثلاً سے

اس میں بھی محبت کی دیکھی ہے جھلک میں نے

کیونکہ نہ پند آئے انداز جفا مجھ کو

شعر (۲) غالباً یہ شعر حد میں کہا گیا ہے کہ خدائے پاک کی حمد کس حد سے ادا کروں کہ موقع پر میری خیر
 نیا ہے اور ہمیشہ مدا کرتا ہے اور پھر مجھ سے گفتگو ہے بول چال و اگر تاویل کیجئے تو رنگ نعلین سے بی باہر

نہیں یعنی وہ غیار سے میری حالت دریافت کرتا ہے مگر مجھ سے براہ راست کبھی بات نہیں کرتا مگر زرا صاحبان نے
اسی رنگ کا ایک اور شعر اس طرح لکھا ہے۔

کیوں نہ ہو بے اتفاقی اس کی خاطر جمع ہے

جانتا ہے مجھ پر ستمائے پنهانی مجھے

یعنی یہ مجھ سے بے اتفاقی کیوں نہ کرے وہ اس سے مطمئن ہے کہ ہم یوں جو کسی کسی سے اس کا حال
پوچھ لیا کرتے ہیں وہ اسی میں خوش اور مجھ ہے۔ (آسی)

شعر (۳۳) لفظ عزیز عربی زبان کا لفظ ہے اور عربی میں لفظ عزیز کے معنی عزت والے کے ہیں لیکن
دوسری میں پیر کے معنوں میں آیا ہے مطلب ہے کہ ہم کو اس کا ختم پیر یا معلوم ہوتا ہے اور چونکہ ہم شوق سے اس کے
ختمہ مشق تہہ بنے ہتھے ہیں اس لئے وہ ہمیں عزیز تر رکھتا ہے لہٰذا اس کی نامہ ربانی سے بھی سکی حیرانی کی ایک شان
پائی جاتی ہے یا نذر بیاں حکیم مومن خاں تومن کے کلام میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے چنانچہ اسی زمین میں ان
کی بھی ایک غزل ہے جس کا ایک شعر یہ ہے

باتیں تری وہ ہو شر باہیں کہ کیا کیوں

جو کوئی راز داں ہے مرا راز داں نہیں

شعر (۳۴) دشنام گالی مطلب ہے کہ ہم نے آپ کو سہ من طلب کیا تھا لیکن اس پر آپ صیغ
میں چوبہ بوسہ من نہ دینے سے ہم نے تسلیم کر لیا کہ آپ ہم سے کچھ ہی نہیں دیکھتے نہ شاعروں کے معنوی کی نہ مگر
نہ دلی ہونہ من ہوتا ہے لیکن زبان تو ہے پس جب بان سے سوال بوسہ پیرا رض ہو گئے ہو تو گالیں ہی دیدو۔

شعر (۳۵) سرخندہ جتنا کچھ جس قدر پشت گرمی تاب تو اس گرمی تاب توں برداشت نہیں کر

تہہ شربت گویا۔ بل من مزیدہ اور زیادہ طلب کرنا۔ زمزمہ راگہ۔ لامان۔ خدا اپنی پناہ میں رکھے۔ تہاہ ٹانگنا

سردہ من زمزمہ لامان میں یعنی لبے امان کی آواز نہیں نکلتی۔ اس شعر میں لفظ پردہ یا پردہ سنج خاص

طو پر معنی خیز ہے فسوس ہے کہ شاعر چین کلام غالب کے لفظ پردہ کی اس جگہ کوئی وضاحت اور تشریح نہیں فرمائی۔
 آدھم تپتیں کہ لفظ پردہ اس جگہ استعمال کیا گیا ہے بات اصل میں ہے کہ فارسی موسیقی دانوں نے اپنی موسیقی کے بارہ مقام یعنی بارہ پرے مقرر کئے ہیں یعنی جس طرح ہندوؤں میں چھ راگ مشہور ہیں اسی طرح فارسی میں بارہ مقام یا بارہ پرے مشہور ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ رہادی حسین۔ راست۔ حجاز۔ برنگ۔ کوچک۔ عرق۔ صفا پاں۔ نو عشاق۔ رنگہ۔ بوسلیک۔ تو گویا پردہ کے معنی راگ بگئے اسی طرح پردہ سر کے معنی گویا کے ہیں پس جس طرح نفسہ سنج یا زمر سنج کے الفاظ استعمال ہو کر کہتے ہیں اسی طرح مرزا غالب اس جگہ پردہ سر کی جگہ پردہ سنج رکھ دیئے اب شعر کا مطلب سمجھنے کیلئے نہایت آسانی ہو جائیگی یعنی ہر چند کہ قمر و خطاب سے جان کھلی ہو رہی ہے اور مجھ میں برداشت کرنے کی طاقت نہیں لیکن پھر بھی میں الامان نہیں پکارتا بلکہ میری جان نہایت طرب انگیزی سے دل میں مزید کا ترانہ گا رہی ہے کہ اگر کوئی اور بھی متم باقی ہے تو میں اسکی خواہشمند ہوں اس شعر میں الفاظ مطرب۔ ترانہ۔ پردہ اور زمر سنج کی معنوی رعایتیں قابل داد ہیں۔

شعر (۸۹۷) دنیم۔ دو مکرے۔ مژہ۔ پلک۔ خونچکاں۔ لہو ٹیکانے والا۔ آذر۔ آگ۔ بھی نہیں۔ نس
 آہ۔ آئندہ۔ آگ کا گھر۔ مطلب ان دونوں شعروں کا یہ ہے کہ اگر تیرا دل عشق نے دو مکرے نہیں کیا تو خبر دوں
 سے اسکے دو مکرے کر دے کیونکہ ایسا دل جس پر عشق کا وار نہیں ہے سے کاٹ دینا ہی بہتر ہے۔ اسی طرح کمری
 پلکوں پر نصرت خون نظر نہیں آتے یعنی تیری آنکھوں سے اشک خوں نہیں ٹپکتے تو دل میں چہرے بنیو
 دے کیونکہ یہ آنکھوں تک ایسا خون نہیں پہنچاتا مرزا صاحب ایک اور جگہ بھی لکھتے ہیں کہ

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قابل
 جب آنکھ ہی سے نہ چکا تو پھر لہو کیا ہے؟

اسی طرح وہ دل سینہ میں پسنے کے قابل ہی نہیں کہ جو آتشکدہ بنا ہوا نہ ہو اور وہ سانس یا آہ دل کیلئے
 موجب شرم و رعب ہو آتش فشاں یا برق تپان بن جائے۔ مندرجہ ذیل شعراء بھی انہیں خیالات کی تائید کرتے ہیں

ایسا دل تو سینے میں ہنسنے کو قابل ہی نہیں
 جو حینوث جینور کا تمنائی نہ ہو
 ایسے سر کو ٹھکروں کے چپوڑ دینا چاہیئے
 جو ترماے گیسوئے مشکیں سودائی نہ ہو
 وہ عبادت ہی نہیں ہو اور وہ سجدہ ہی نہیں
 تیرے قدموں پر اگر انی جیسائی نہ ہو

شعر (۹) گراں بداروں جنگا مطلب ہے کہ اگر میرے یوانہ پن اور وحشت مزاجی سے گھر ویران
 ہڈی بے زکبانشان ہے کیونکہ میرے گھر کی زیادہ سے زیادہ سو گز زمین ہوگی لیکن اسکے عوض میں صحرا ملیگا
 کہ جس کی زمین ہمارے گھر کے مقابلہ میں گنا زیادہ وسیع ہوگی۔ یہ سودا تو ایک طرح سے بہت فائدہ بخش ہے
 گھر بیاہوتا ہے تو ہماری بلا سے۔

شعر (۱۰) سر نوشت، تقدیر جیسی۔ پیشانی مطلب ہے کہ اے دہمنو! میری قسمت اور میری تقدیر
 سے تعلق کیا لہجہ ہے ہو۔ کہ انہیں میری پیشانی پر سجدوں کا نشان نظر نہیں آ رہا گو یا یہ صاف نظر آ رہا ہے
 کہ نبیوں یعنی حینوں کے سامنے سجدے کرنا میری تقدیر میں لکھا ہے۔

شعر (۱۱) روح القدس۔ جبریل علیہ السلام۔ یہاں ہمزبان کے لفظ میں بہام ہے۔ ظاہر معنی تو
 ہیں کہ انسان اور فرشتہ کی زبان ایک نہیں ہو سکتی۔ اور دہر دہس میں یہ اشارہ ہے کہ جیسی فصیح میری
 زبان ہے ویسی روح القدس جبریل علیہ السلام کی نہیں (یا دگر شائب)

شعر (۱۲) ہڈے بوسہ قیمت بوسہ میلانا اسی اس شعر پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں کہ اسکے ایک بوسہ
 کی قیمت جوں ہے مگر وہ ابھی مجھ سے نہیں کہتا کہ اگر اپنی جان دیدو تو ایک بوسہ لو کیونکہ وہ جانتا ہے کہ شائب
 یعنی نیچان نہیں ہے جب میں نیچان ہو جاؤں گی تب وہ مجھ سے کہیگا کہ جان دو اور بوسہ سے لا۔ میں جان
 نہ دیتی رہ جاؤں گی تو اس وقت یہ کہیگا کہ نیچان اسکی قیمت نہیں ہے بلکہ پوری جان اسکی قیمت ہے اس
 پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جان سے مراد روح کا جسم میں ہونا ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک روح جسم میں
 ہے تب تک جان ہے۔ انفسا وثلث باقی نہیں ہا کرتی ہوتی ہے تو پوری ہوتی ہے اور نہیں ہوتی تو بالکل نہیں

ہوتی۔ مگر شاعر نے معشوق کی ستم ظریفی کا ایک نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے۔

ہمائے خیال میں لفظ جان، قوت و طاقت کے معنوں میں بھی آتا ہے ممکن ہے کہ مرزا صاحب نے یہی معنی لئے ہوں یا جس طرح نیم مردہ کا لفظ مستعمل ہے نیچان بھی انیس معنوں میں ہے تو پھر ظاہر ہے کہ ایسی نیم مردہ حالت میں کوئی دوسرہ بنا بھی چاہے تو کیا خواہش اور کیا لذت حاصل ہو سکتی ہے؟

(۸۹) مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں ۱ ایک چکر ہے مگر پاؤں میں زنجیر نہیں
شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں ۲ جادو غیر از نگہ دیدہ تصویر نہیں
حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے ۳ جادو راہ و فاجز دم شمشیر نہیں
رنج نو میدی جاوید گوارا رہیو ۴ خوش ہوں گر نالہ ز یونی کش تاثیر نہیں
نہر کھجی تا ہے جہاں زخم سر اچھا ہو جائے ۵ لذت سنگ باندازہ تقریر نہیں
جب کرم رخصت بیا کی وگستاخی ہے ۶ کوئی تقصیر بجز خجالت تقصیر نہیں

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناتھ

آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

شعر (۱) چکر۔ پھرنے کی دھت۔ کہتے ہیں کہ اس کے پاؤں میں چکر ہے یعنی اس کو پھرنے کی دھت ہے کہتا ہے کوئی تدبیر مجھے دشت نوردی سے روک نہیں سکتی۔ پس زنجیر جو اس غرض سے میرے پاؤں میں ڈالی گئی ہے اسے زنجیر نہ سمجھو بلکہ چکر سمجھو۔ (یادگار غالب)

اس تخیل کی تائید مندرجہ ذیل شعر سے بھی ہوتی ہے۔

ہمیا ر محبت کا بڑھتا ہے مرض اس سے

اے چارہ گرو دیکھو میری نہ دوا کرنا

شعر (۲) دشت جنگل۔ جادو۔ وہ باریک راہ جو سیدھی جنگل کو جائے۔ اور صرف آمد و رفت کی

نہ جہ سے جس کی نمود ہو۔ غیر از نگہ تصویر حیرت کے سوا۔ معدوم۔ اسی حنا شوح فرماتے ہیں کہ مجھ پر شوق جنوں
 لے جھک کی طرف لئے جاتا ہے کہ جہاں سوائے نگاہ دیدہ تصویر کے کوئی راستہ نہیں یعنی جہاں راستہ
 بالکل معدوم ہے یا جہاں سوائے جادو حیرت کے اور کوئی راستہ نہیں۔

اس خیال کی تائید مندرجہ ذیل شعر سے بھی ہوتی ہے۔

گم گشتگان حیرت منزل کو ڈھونڈتے ہیں
 دل ان کو ڈھونڈتا ہے وہ دلوں کو ڈھونڈتے ہیں

شعر (۱۳) لفظ دم کے بہت معنی ہیں لیکن اس جگہ صرف تلوار کی تیزی مراد ہے یعنی مرزا قاسم
 نے پناہ و ریزہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ عشق و محبت میں جو کچھ آزار اور دکھ پہنچتا ہے اسکی لذت کو کچھ نہیں
 پہنچتے ہیں بلکہ یہ اس لذت آزار کو فراموش کرنا اور جی بھر کے لذت اندوز ہونا چاہتے ہیں جیسا کہ شیوہ عشاق پر مشابہ
 اس کی لذت کو مجھ سے لے چھپے کوئی درد دل کی دوا نہیں نہ سمجھو۔

یہ سے روئے اعلیٰ و عشق کی لذت بے نصیب تاج حزیں کو خگر آزار کر دیا

لیکن انیسویں ہجری کے یہ وفاسوائے تلوار کی دھار کے اور کوئی نظر نہیں آتی اور دم شمشیر ایک دم
 تکرار و تکرار میں ہی دم (خون) بی لیتی ہے اور لذت آزار کی حسرتیں ہمارے دل ہی دل میں آ جاتی ہیں۔
 اس شعر میں لفظ جادو۔ دم شمشیر اور راہ فانی مناسبتوں و رعایتوں سے بہت صحیح محض میں استعمال ہوا۔
 شعر (۱۴) نویدی جادو۔ ہمیشہ کی ناامیدی، زبونی۔ عاجزی، بد حال، مطلب ہے کہ مجھے ہمیشہ کے
 لئے نہیں اور نا امید رہنا منظرِ زور مجھے اس سے رنجیدگی نہیں اور نہ ہی اسے اپنی ذات و عاجزی بھٹائیوں
 لیکن یہ ذات و عاجزی گوارا نہیں کہ میرا مالہ تاثیر کا احسان نہ ہو اس قسم کے خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے

زندگی درد و نعت سے ہی وابستہ ہے

کیوں ہو شرمندہ احسان سے یا کوئی

شعر (۵) جہاں جس وقت لذتِ سنگ باندازہ تقریر یعنی پتھر کھانے (پتھر کا زخم کھانا) میں نچا
ایسی لذت حاصل ہوتی ہے کہ زبان سے اس کا مزہ بیان نہ نامشکل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس وقت سر کا زخم
ہو جاتا ہے تو وہ پتھر کھانے لگ جاتا ہے یعنی زخمِ سنگ کھانے کی پھر حسرت پیدا ہوتی ہے۔ سر کھجانا ایک
عام محاورہ ہے جس کے معنی سر کو بی کی خواہش کرنے کے ہیں۔

شعر (۶) کرم بخشش۔ ہر بانی۔ تفسیر اول بمعنی گناہ۔ تفسیر بمعنی کوتاہی۔ خجالت۔ شرمساری۔ مطلب
یہ ہے کہ اگر کریم ازراہ کرم بیباکی و گستاخی کی اجازت دے تو اس وقت گناہ کرنے میں کوتاہی کرنا ایسا
بڑا گناہ ہے۔ امیر علیائی فرماتے ہیں سے

موقوف جرم ہی پہ کرم کا ظہور تھا

بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا

شعر (۷) یعنی اے غائب ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے جو شیخ امام بخش ناسخ کا ہے کہ جو حضرت میر
تقی میر دہلوی کو شاعری اور سخن آفرینی میں استاد نہیں مانتا وہ خود حقیقت شاعری سے بے نصیب ہے
بلکہ وہ جاہل ہے ذوقِ مرحوم بھی ایک غزل میں لکھتے ہیں کہ سے

نہ ہوا پار نہ ہوا امیر کا انداز نصیب

ذوقِ یاروں نے بہت زور غزل میں را

متِ مردِ یک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں

(۹۰)

میں جمع سویدائے دل چشم میں آئیں

شعر (۸) مردِ یک دیدہ۔ آنکھ کی پتلی۔ سویدائے دل۔ دل میں ایک سیاہ نقطہ ہوتا ہے اسے سویدائے

قلب کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میری آنکھ کی پتلی میں نہ نگاہیں نہیں ہیں بلکہ آنکھ کے دل میں ہیں جمع ہوئی ہیں

یہی ایک قسم کا سیاہ دھواں ہی ہوتا ہے اور آنکھ کی پتلی بھی سیاہ اور سوداے دل بھی سیاہ اسلئے ان کی رعایتوں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

۹۱) برشکال گریہ عاشق بے یکجا چاہیے ۱ کھل گئی مانند گل سو جاے دیوار چمن

الف گل سے غلط ہے دعویٰ وارستگی

۲۔ سرو ہے باوصف آزادی گرفتار چمن

شعر (۱) برشکال۔ برسات کھل گئی۔ پھٹ گئی۔ مطلب ہے کہ گریہ عاشق نے برسات کی صورت

اختیار کر لی ہے اور عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ برسات کے دنوں میں اکثر مکانوں کی دیواریں پھٹ جاتی ہیں پس سیلاب گریہ عاشق سے گل صد چاک کی طرح دیوار چمن بھی کھل گئی یعنی شق ہو گئی ہے۔

شعر (۲) وارستگی۔ آزادی۔ سرو کو آزاد کہا جاتا ہے۔ مطلب ہے کہ کوئی سیاسی آزاد اور وار

ہو آزاد مزاج ہو دنیا میں عشق و محبت کے پھندے سے نہیں چھوٹ سکتا۔ (یادگار غالب)

۹۲) عشق تاثیر سے نوامید نہیں ۱ جانیاری شجر بید نہیں

سلطنت ست بدست آتی ہے ۲ جام نے خاتم جمشید نہیں

ہے تجلی تری سامان وجود ۳ ذرہ بے پرو تو خورشید نہیں

راز معشوق نہ رسوا ہو جائے ۴ ورنہ مہربانی میں کچھ بھید نہیں

گردش رنگ طریقے در ہے ۵ غم محرومی حسا وید نہیں

کتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ

۶۔ ہم کو جینے کی بھی آئید نہیں

شعر (۱) نوامید۔ ناامید کا مخفف ہے مطلب ہے کہ عشق میں تاثیر و جذبہ دل سے الیس نہیں ہوتا

ناہیے میں اپنے آپ کو فنا کر دیا اور جان سے دنیا رنگ لایا کرتا ہے کیونکہ یہ عشق کوئی بیدار درخت نہیں

کہ اس میں کوئی پھل ہی نہیں آتا ہے

ہرگز اثر دل کبھی زائل نہیں ہوتا

وہ گون ہے جو جذب کا قائل نہیں ہوتا

شعر (۲) اس شعر میں لفظ جام اور لفظ خاتم و حبشہ خاص طور پر معنی طلب ہیں۔ جام پہلے شراب اور نام ایک شہر کا بھی ہے۔ جام جہاں نما یا جام جہاں میں بادشاہ کی محسوس نے بنایا تھا کہ جس کے تمام زمانے کا حال معلوم ہوتا تھا اور ایک جام بادشاہ حبشہ سے بھی نسبت رکھتا ہے اب لفظ حبشہ کی تشریح بھی ضروری ہے کہ لفظ حبشہ ایک بادشاہ کا نام ہے۔ اگر یہ لفظ خاتم یمنین، آب بخت، باد، آصف، ماہی طبع و غیرہ کے ساتھ منقول ہوتا اس سے مراد سلیمان علیہ السلام ہوتے۔ اور اگر سرد، آئینہ، آب حیدر وغیرہ کیساتھ منقول ہوتا اس سے مراد سکند بادشاہ ہوگی۔ اور اگر یہ لفظ جام، شراب، نرم چش، نور و نور وغیرہ کیساتھ استعمال ہوتا اس سے مراد حبشہ بادشاہ ہوگی اور خاتم کے معنی انگوٹھی کے ہیں اب اس شعر کے سمجھنے میں بہت آسانی ہو جائیگی مطلب یہ ہے کہ جام شراب بمنزلہ ایک سلطنت ہے کہ جو حبشہ کے زمانے سے سست بدست منتقل ہوتی چلی آتی ہے پھر بھلا ہمارے ہاتھوں تک جام تھے کیوں پہنچا کیونکہ یہ جام کے تھانہ کہ حبشہ کی انگشتی کہ اس پر صرف اسی کا نام رکھا ہوتا۔ وہ تو صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاتم صبی انگشتی تھی کہ جو صرف انہیں کے لئے مخصوص تھی۔

شعر (۳) یہ شعر درحقیقت توحید و جود کے رنگ میں لکھا گیا ہے۔ تجلی یعنی آشکارا کرنا۔ روشن کرنا جلہ گری، غلبہ رانی، وجود معنی مطلب پانا۔ ہستی معنی عالم اسباب میں ظاہر ہونا۔ مجازاً جسم و بدن چونکہ وحدت وجودی صوفیوں کی اصطلاح میں ایک جود اللہ تبارک تعالیٰ کا جاننا اور اس کے ماسوا جو وجود عالم اسباب میں ہیں انکو محض عقیدات و تعینات سمجھنا ہے جیسے دریا میں موج، حباب، بھونڈا اسی طرح قطرات، برف، زلہ وغیرہ کو پانی ہی تصور کیا جاتا ہے اس لئے اب اس شعر کا مطلب سمجھنا چاہیے کہ جس طرح آداب کے عکس روشنی کے بغیر ذرا کا وجود ظاہر نہیں ہو سکتا اسی طرح بغیر تیری تجلی کے عالم امکان کا وجود میں آنا ناممکن محال ہے۔

نیری جلوہ آرائی سے ہی ظہور کائنات ہے۔

مرزا صاحب اسی مضمون کو ایک اور جگہ اس طرح لکھتے ہیں

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے

پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

مولانا حسرت نے اس کے صحیح مختصر صوفیانہ معنی لکھے ہیں یعنی جس طریقے سے ذرے میں پرتو خورشید

نظر آتا ہے اسی طرح تمام موجودات عالم تیری ذات کا مظہر ہیں۔

مشعر (۱۴) مطلب ہے کہ شاید لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ اس میں کیا بھید ہے کہ ہاوجود اس معشوق

بہر جانی کی بیوفائیوں کے عاشق تنگ آکر اور کچھ کھا کر نہیں مر جاتا لیکن مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں بھید غیر

کوئی نہیں میں تو محض اس خیال سے کچھ کھا کے نہیں مر جاتا کہ اس کے میرے معشوق کی اور سوائی ہوگی بشہد

ہوگا کہ فلاں بیوفا کا عاشق کچھ کھا کے مر گیا ہے ورنہ مر جاتا کچھ بڑی بات نہیں ہے جیسے اس خیال کو اس

شعر میں ایک دوسرے پیرایہ میں شاعر نے ظاہر کیا ہے یعنی بطور طنز کہا ہے کہ

نہمت نہ کوئی دیگا اب تو تمہیں کسی کی

وتم یہ مرنے والے کچھ کھا کے مر گئے ہیں

مشعر (۱۵) گردش رنگ طرح مراد محفل عیش و مسرت کی رونق کا ناپائدار راہ زند وال پتہ پر ہونا

ہے یا زمانہ عیش کا ہم رنگ انقلابات زمانہ ہونا ہے ایک معنی تو اس کے یہ ہو سکتے ہیں کہ مجھے خوشی حاصل ہوئی

کے ساتھ ہی زوال مسرت کا ایسا جانگزا کھٹکا لگا ہوا ہے کہ جو میرے لئے موجب تکلیف ازیت ہے

اس سے تو یہی بہتر ہے کہ ہمیشہ کے لئے محروم طرب ہو جاؤں۔

دوسرے معنی اس کے یہ ہو سکتے ہیں کہ اسے نادان سمجھے اس عالم بے ثبات چند روزہ عیش و مسرت زوال کا

تو خوف لگا ہوا ہے اور آخرت کی محرومی جو ہمیشہ کی محرومی ہوگی اس کا کوئی غم و فکر اور ڈر نہیں؛

شعر (۶) ایک شہر و شل ہے کہ دنیا بامید قائم۔ یعنی انسان امید کے سہارے پر زندہ ہے لیکن مرنا فنا فرماتے ہیں کہ جیت یقینی بات ہے کہ زندگی ہی کا کوئی اعتبار نہیں پھر ہم کس امید پر زندہ رہ سکتے ہیں۔

بقول شخصے کیا بھروسہ ہے زندگی کافی کا آدمی بلبلا ہے پانی کا

ترے دلے پرستگار بھی اور صبر کرتے اگر اپنی زندگی پر ہمیں اعتبار ہوتا

(۹۳) جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں ۱ خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

۲ دل آشفنگاں خال کج دہن کے سویدا میں سیر ارم دیکھتے ہیں

۳ ترے سرو قامت سے اک قد آدم قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

۴ تماشا کر اے محو آئینہ داری تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

۵ سراغ نفث نالہ لے داغ دل سے کہ شبر و کا نقش قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیں غالب

۶ تماشا ئے اہل کرم دیکھتے ہیں!

شعر (۱) خیاباں۔ یاغ کی کیاری۔ خیاباں خیاباں کثرت کیلئے استعمال ہوا ہے۔ ارم وہاں

کہ جسے بادشاہ شہزاد جس نے خدائی کا دعویٰ بھی کیا تھا، نے بارغ جنت کے مقابلے میں تیار کیا تھا مطلب

یہ ہے کہ ہر نقش قدم میں وہ رنگینی اور بہار آفرینی ہے کہ وہ ہمیں خیاباں ارم کی صورت میں نظر آ رہا ہے

شعر (۲) کج۔ گوشہ۔ سیر تماشا مطلب ہے کہ ہم عاشق مزاج لوگ ترے دہن بے نشان کے

خال سیاہ میں عدم کا تماشا دیکھتے ہیں کیونکہ دل تو عاشق، عشق تو دل کے دہن کے وجود ہی کے قائل

نہیں دوسرے سیاہی میں بھی کچھ نظر نہیں آتا اور کچھ نظر نہ آنا بھی صورت عدم سمجھنا چاہیئے۔

شعر (۳) اسکے ایک معنی تو یہ ہیں کہ تیرے سرو قامت فتنہ قیامت کم ہے اور دوسرے یہ معنی ہیں

کہ تیرا قد اسی میں سے بنایا گیا ہے اسلئے وہ (فتنہ قیامت) ایک قد آدم کم ہو گیا ہے (یادگار غالب)

شعر (۱۳) مطلب ہے کہ اے آئینہ کو دیکھ کر اپنے ہی حسن و جمال پر فریفتہ اور محو ہو جانے والے ہمارے
 نب بھی دیکھ کہ ہم تجھے کس حسرت دیکھ رہے اسکے ایک اور معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اے آئینہ کو دیکھ کر حیران ہونے
 والے آئینہ کو چھوڑا اور ہماری طرف دیکھ کہ ہم تجھے جو آئینہ دیکھ کر خود بصورت آئینہ بنے ہوئے ہیں۔
 شعر (۱۴) سیرغ کھنچ لطف گری بخار۔ بشرو۔ رات کو چلنے والا مطلب ہے کہ جس طرح صبح
 و رات کے مسافر یا چور کے نقش قدم کا پتہ چل جاتا ہے اسی طرح میرے اپنے دل سے میرے نالہ شب
 کی تیش کا پتہ چل جائے گا۔

شعر (۱۵) اہل کرم یعنی سخی لوگ مطلب ہے کہ یہ جو بڑے بڑے لوگ دنیا میں دلمند بنے ہوئے
 ہیں تو ہم ازراہ دلگی ان کی آزمائش کر رہے ہیں کہ آیا ان میں کچھ سخاوت کا مادہ بھی ہے یا نہیں؟ یا کہ صرف
 اپنی ہی تن پروری یا شکم پوری کر رہے ہیں اور انہیں اہل احتیاج کی مصیبتوں اور ضرورتوں کا بھی احساس ہے
 یا نہیں؟ مرزا صاحب ایک اور شعر بھی اسی مضمون کا ہے۔

چھوڑی اسد بن ہم نے گدائی میں دلگی
 سائل بنے تو طالب اہل کرم ہوئے

(۱۶) ۱۔ ملتی ہے غم سے یار سے نار التباب میں ۱۔ کافر ہوں گرنہ ملتی ہو راحت عذاب میں
 کب سے ہوں کیا بتاؤں جہاں خراب میں ۲۔ شہنائے ہجر کو بھی رکھوں گرجاب میں
 تا پھر نہ انتظار میں مند آئے عمر بھر ۳۔ آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں
 قاصد کراتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں ۴۔ میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
 مجھ تک کب آنکی بزم میں آتا تھا دور جاہ ۵۔ ساتی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں
 جو منکر وفا ہو قریب اس پہ کیا چلے ۶۔ کیوں بدگمانوں دوست گشتن کے باب میں
 میں غلطیوں فصل میں غیب قریب سے ۷۔ ڈالا ہے تم کو وہم نے کس سچ و تاب میں

میں اور حظ وصل خدا سازیات ہے ۸ جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
 ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے ۹ ہے اک شکن پڑی ہوئی طرف نقاب میں
 لاکھوں لگاؤ ایک چہرہ نا نگاہ کا ۱۰ لاکھ بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
 وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے ۱۱ جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں
 وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے ۱۲ جس سحر سے سفینہ رواں ہو شراب میں
 غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی

۱۳۔ پیتا ہوں روز ابر و شب ماہتاب میں

شعرا ۱) التہاب، آگ کا بھڑکنا، شعلہ زن ہونا۔ نو۔ عادت، مطلب ہے کہ اس سائنس نراج معشوق
 کی عادت غفلت کا ہونے اور بھڑک ٹھنک ہے اور آگ میں بھی چونکہ یہی خاص ہے اس لئے اگر مجھے عذاب تار میں
 مبتلا کیا جائے تو میں اس میں بھی ایک قسم کی راحت محسوس کروں گا۔ کیونکہ محبوب کی ہر ادب مجھے مرغوب محبوب اور آگ
 کی صفت محبوب کی خصلت ملتی جلتی ہے تو اس آگ کو اگر میں موجب تکلیف سمجھوں تو ایک قسم کا کفر ان اہمیت ہوگا
 شعرا ۲) جہان خراب۔ دنیا مطلب ہے کہ میں کیا بتاؤں کہ میری عمر سوخت کس قدر ہے یعنی اگر
 اپنی زندگی کے ۷۰ سال کا حساب کروں اور ساتھ ہی فرقت کی لمبی راتوں کو بھی جمع کرتا جاؤں تو میں اپنی عمر کا
 پورا پورا حساب بیان ہی نہیں کر سکتا کیونکہ ہجر کی ایک ایک لمبی رات ہزار ہزار سال کے برابر گذرتی رہی ہے
 حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ اس مضمون کو اس سے پہلے بیان کر گئے ہیں۔

نہ ہے عمر دراز عاشقاں گیر شب ہجراں حساب عمر گیر بند
 ایک اردو کے شاعر نے اس مضمون کو دوسرے پیرایہ میں بیان کیا ہے
 کیا کیا درازی شب غم جا نگداز ہے
 عاشق کی عمر خسرو سے بھی کچھ دماز ہے

شعر (۱۳) اس شعر میں نظام معشوق کی ستم ظریفی کا ایک عجیب پہلو دکھایا گیا ہے یعنی معشوق نے خواب میں وعدہ کیا ہے کہ میں تمہارے پاس آؤں گا اب یہ زعمی ہو گیا کہ دن بھر تو عاشق جاگتا ہی رہے گا۔ لیکن اس خیال میں اسے رات بھر بھی جاگنا پڑے گا کہ شاید رات کو ہی کبھی وقت وہ وعدہ کی بنا پر شریف بنے آئے کہیں ایسا نہ ہوں کہ میں سو جاؤں اور وہ دروازہ بند دیکھ کر واپس چلا جائے اس طرح تمام عمر جاگنے ہی میں گزر جائے گا۔ تاخیر تمہارا عمر کا روگ، تنہا ہی سب بڑھ کر ظلم کی بات یہ ہے کہ اگر کہیں عاشق کو نیت نہ آجائے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے خواب میں پھر دیدار معشوق ہو جائے۔

شعر (۱۴) پہلا مصرعہ صاف ہی دوسرے مصرعہ میں بطور طنز کے کتا ہے کہ جو کچھ وہ جواب میں لکھیں گے مجھے معلوم ہے یعنی وہ کچھ نہیں لکھنے کے اسلئے قاصد کے واپس آنے سے پہلے ایک اور خط لکھ لیں (یا دیکار غالب)۔ شعر (۱۵) اس شعر میں پہلے مصرعہ کے بعد اتنا جملہ محذوف ہے: ”پھر راج جو خلاف عدالت جام کی نوبت مجھ تک پہنچی ہے“ اس محذوف نے شعر کا زنجیر بہت بلند کر دیا ہے۔ ایسا حذف جس پر قرینہ دلالت کرتا ہو اور جو الفاظ حذف کئے گئے ہیں وہ بغیر ذکر کئے دونوں مصرعوں میں بول رہے ہوں محسنات شعر میں شمار کیا جاتا ہے (یا دیکار غالب) ممکن ہے کہ رقیبوں کی سازش سے ساقی نے جام منسوب میں ہر کی آمیزش کر دی ہو۔

شعر (۱۶) مطلب یہ ہے کہ میرا معشوق جو کسی کی وفا اور اخلاص کا قائل ہی نہیں ہوتا (میر کسی قییب کے جیسے دعاوی و فائدہ محبت کا کیا فریب جادو چل سکتا ہے پس ایسی حالت میں مجھے اپنے دوست کی نسبت ہرگز بدگمان نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ غیر سے میل جول رکھنے کی بنا پر غیر کی دوستی و وفا کا بھی قائل ہو گیا ہے۔

ہی قسم کا ایک شعر پہلے بھی آچکا ہے

دشک کتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف

عقل کتنی ہے کہ وہ بے جرم کس کا آشنا

شعر (۱۷) مضطرب۔ بیقرار مطلب یہ ہے کہ میں تو رقیب کے خوف سے سچ لطف وصال کے موقع پر بھی

بچپن ہو رہا ہوں کہ خانہ خراب قریب آجائے لیکن ہم نے تمہیں کس پیچ و تاب میں مبتلا کر رکھا ہے کہ تم مجھ سے بھی زیادہ گھبرائے ہو یعنی مجھے تو قریب کے خوف سے واقعی گھبرانا چاہیے لیکن تمہیں کس کا خوف ہے جو گھبرائے ہو قریب اگر ابھی جائے تو تمہاری بلا سے تم کیا اسکے بدل ہو اور وہ تمہارا بگاڑ ہی کیا سکتا ہے؟ بقول شمس

خوف رقیب و اقربا میرے لئے قریب ہے

ڈرتا نہیں خراسے جو غیرے کیوں ڈرا کرے

شعر (۸) حفظ۔ نصیب۔ خوشی۔ خدا ساز بات، تقدیری معاملہ۔ خدا کی قدرت۔ مطلب ہے کہ بھلا میں اور میرے نصیبوں میں اصل کی خوشی۔ یہ تو خدا کی خاص عنایت و قدرت ہے۔ مناسب ہے یہ تھا کہ اس نعمت غیر مترقبہ کے شکر و خوشی میں اپنی جان ہی بطور نذر پیش کر دیتا یعنی مجھے شادی مرگ ہو جانا لیکن اضطراب مسرت میں میرا ت بھول گیا۔

شعر (۹) افسوس ہے کہ جناب آسی جناب طباطبائی اور جناب قاضی صاحب نے اس شعر کی شرح قریب قریب ہم معنی الفاظ میں فرمائی ہے اور کسی نے بھی لفظ طرقت کے معانی میں غور نہیں فرمایا مثلاً آسی صاف فرماتے ہیں کہ نقاب میں جو ٹکڑی پٹری ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معشوق کے ماتھے پر ٹکڑی پٹری ہوئی ہے وہ ہم سے برہم ہے حالانکہ لفظ طرقت بفتح تین تو بمعنی کنارہ۔ جانب کسی چیز کا حصہ یا ٹکڑا لیکن اس شعر میں یہ لفظ بفتح اول اور سکون ثانی موزون ہوا ہے جس کے معنی ہیں آنکھ۔ پاک ہلانا۔ دیکھنا۔ گوشہ کنارہ۔ کمر پہ سونے چاندی کا جسکو ڈاب کہتے ہیں۔ گھوڑے کی ساخت کے معنوں میں بھی آتا ہے لیکن اس جگہ یقیناً بمعنی چشم نقاب لفظ مستعمل ہوا ہے پس تنا ہی اشارہ کافی ہے کہ ان معنوں کے ساتھ شعر کی شان کس قدر بڑھ گئی ہے۔ تیوری کا لفظ دہلی میں بوزن فاعل استعمال ہوتا ہے اور لکھنؤ میں بوزن فاعل۔

شعر (۱۰) سبحان اللہ کیا پاکیزہ شعر ہے مرزا ضایہ فرماتے ہیں کہ تیرا ایک نگاہ کا چرانا لاکھوں ٹکڑوں سے بڑھ کر ہے اور تیرا ایک غصہ میں بگڑنا لاکھوں بناؤں کے برابر ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ مرزا غالب کے اس شعر کی

سادگی اور سبب غلطی پر لاکھوں نگینیاں لاکھوں سخن آفرینیاں اور لاکھوں بناوٹیں یعنی صنائع و بدائع تران
ہیں اہل ذوق و وجدان ہی اس کی داد دے سکتے ہیں۔

شعر (۱۱) خس ترکا۔ گھاس۔ یہ شعر ایک حالت متعجبانہ کا پتہ دیتا ہے یعنی حیرت کا مقام ہے کہ میر
نالکی اس بے رحم کے دل میں پرکاش کے برابر بھی کوئی وقعت اور تاثیر نہیں حالانکہ میرا نالہ تو ایسا ہے کہ
وہ آفتاب کے دل میں بھی شگفتا کر دیتا ہے۔

شعر (۱۲) سحر۔ جاوہ۔ بھینہ کشتی۔ سراب۔ وہ ریت جو موسم گرما میں تابش آفتاب سے جنگل میں ایک
تشنہ لب سفر کر پانی کی طرح نظر آتی ہے اور چاندنی رات میں بھی یہی جھوکا ہوتا ہے کہ آب و ایں ہو حزن ہے یہ شعر
بھی دراصل شعر بابا ہی کے دنگ میں لکھا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ میں اس معشوق سنگدل کا دل نرم کرنے کیلئے
ایسے ایسے زبردست سحر جادو سے کام لیا ہے کہ جس سحر سے سراب یعنی ریت میں کشتی چلنے لگ جائے لیکن تعجب
ہے کہ ایسے سحر سے میری مطلب براری نہیں ہوتی۔

شعر (۱۳) روز بہر جس دن آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہوں شب ہا شباب۔ چاندنی رات مطلب
یہ ہے کہ اسے غالب گو میں نے شریک پنا ترک کر دیا ہے لیکن ابرا اور چاندنی رات کو دیکھ کر طبیعت چل جاتی
ہے اس لئے ان دونوں میں ضرورتی لیتا ہوں۔

(۱۵) کل کیلئے کہ آج نہ خست شراب میں ۱ یہ سوتے تھن ہے ساتی کوثر کے باب میں
ہیں آج کیوں فیل کہ کل تک تھی پسند ۲ گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں
کیوں جاں نکلنے لگتی ہے تن سودم سماع ۳ گر وہ صد اسمانی ہے چنگ رباب میں
نہ میں بے خوش عمر کہاں دیکھئے تھئے ۴ نے ہاتھ پاگ پر ہے نہ پا ہے کاب میں
اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بعد ہے ۵ جتنا کہ وہم غیر سے ہوں بچ و تاب میں
اصل شہود و شاہد و شہود ایک ہے ۶ حیران ہوں پھر مشاہدہ ہی کس حساب میں

ہے مشتمل نمود صور پر وجود کبدر ۷ یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں
 شرم کلائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی ۸ ہیں کتنے بھجاب کہ ہیں یوں حجاب میں
 آرائش جمال سے غافل نہیں ہنوز ۹ پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں
 ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود ۱۰ ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں غیب میں
 غالب ندیم دوست سے آتی ہے بچے دوست
 "مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں"

شعر (۱۱) اکل سے مراد قیامت خست کنجوسی بولے نکل۔ بدگمانی۔ ساقی کوثر حضرت سول اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم کوثر جو صفت مطلب ہے کہ اے ساقی! تو قیامت خیال سے آج کنجوسی نہ کر یعنی ہمیں فراخلی سے
 شراب پلا۔ تیرا اس قسم کی خست کرنا حجاب ساقی کوثر کی شان میں گستاخی و بدگمانی کا ہم معنی ہے کیا آج تیرے
 زیادہ شراب پلا دینے سے کل وہ بھی تنگدلی سے کام لیں گے۔

شعر (۱۲) مطلب ہے کہ اس شعر میں آدم اور فرشتوں کے اُس قصہ کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید
 میں مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو فرشتوں کو کہا کہ کیا تو دنیا میں اس شخص یعنی
 نوع کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو اس میں فساد و خونریزی کرے وہاں سے ارشاد ہوا تم نہیں جانتے جو کچھ میں جانتا
 ہوں اور پھر آدم سے ان کو رکڑ لوائی اور حکم دیا کہ فرشتے آدم کو سجدہ کریں۔ کہتا ہے کہ ہم آج دنیا میں اس
 کیوں ذیل میں کل تک تو ہماری ایسی عزت تھی۔ (یادگار غالب)

شعر (۱۳) سماع۔ سننا۔ اصطلاح صوفیائے کرام میں عشق الہی اور راز و نیاز کے مضامین خوش گلو
 قیوں کے جائیں، چنگ اور باب ساز و کس نام ہیں۔ چونکہ بوقت سماع حالت جلد میں اکثر سامعین کی روحیں شوق طاقا
 کے جذبہ متاثر ہو کر پرواز کر جاتی ہیں لیکن مرزا حقا ایک عجیب پیرائی میں بلو و استفہام و تبلیہ مع فرماتے ہیں کہ اگر
 چنگ و باب میں خدا ہی کی آواز سائی ہوئی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی سماعت سے سامعین کی جان ہوا ہو

جاتا ہے کیونکہ اس کی صدا تو جان بخش اور مدوح افزا ہے۔ مولاناظم کا شعر بھی اس رنگ میں خوب موزون ہوا ہے۔

صدائے چنگ سے مجھ کو یہی آواز آتی ہے
کوئی کہتا ہے اب پڑے سے ہم باہر نکلتے ہیں

شعر (۱۴) خوش گھوڑا اس شعر میں انسان کی مجبوری کی طرف اشارہ ہے سوار کی بے اختیاری اور گھوڑے کا اس کے قابو سے باہر ہو جانا چاہا یک سواری کی زبان اس سے بہتر نہیں بیان ہو سکتا اور عمر کو ایسے بے قابو گھوڑے سے تشبیہ دینا حق تشبیہ کا حق ادا کر دیا ہے۔ (یادگار غالب)

شعر (۱۵) حقیقت، اصلیت، بعد، دوری، غیر۔ اس لئے خدا۔ یہ شعر بھی عین تھوفا و وحدت الوجودی رنگ میں ہے مطلب ہے کہ جتنا مجھے غیرت کا وہم اور دردھوکا ہے اور غیر کو سمجھتا ہوں اتنا ہی میں اپنی اصلیت سے دور ہوں اس شعر کی تشریح قواب مصطفیٰ خاں شیفتہ تلمیذ حضرت مولانا ان اشعار سے بخوبی ہو سکتی ہے۔

وہ نظر ہوں کہ میرے دریا میں گم ہوا
وہ سایہ ہوں جو مجھ ہوا آفتاب میں
سناک کی یہ مراد کہ مجھ سے ہوا نفس بھی
رہن کی یہ مراد کہ رہ رہ ہوا خواب میں
سیاس میں مجھ اور وہ سب علیحدہ
آئینہ میں ہے آئینہ آئینہ آب میں

شعر (۱۶) یہ شعر بھی مرزا صاحب کے شعر بالا ہی کی طرح سراسر تصوف و وحدت الوجود کے رنگ میں دیا ہوا ہے۔ شہود کے معنی ہیں حاضر ہونا۔ دیکھا جانا اور اصطلاح تصوف میں وہ حالت جو مراتب کثرت سے گزر کر بقا، توحید عبادی پہنچ جائے اور تمام خلق میں صورت خالق نظر آئے اور شاہد کے معنی حاضر، دیکھنے والا۔ شہود جو چیز دیکھی جائے۔ شاہدہ۔ دیکھنا۔ حاضر ہونا۔ رویہ ہونا۔ وغیرہ۔

اس شعر کی شرح جناب طباطبائی صاحب نے بہت خوب فرمائی ہے یعنی جب تمام عالم وجود واحد موجود ہے تو شاہد و شہود ایک ہی ہوئے اور ایک سو اور دوسرا موجود نہیں ہے اور اس کا بھی وجود و شہود کوئی شے عارضی نہیں ہے بلکہ وجود عین ذات موجود ہے اس لئے کہ اگر ذات میں اور وجود میں مغایرت ہو تو ذات اس کے وجود کی طرف تعلق

ہوگی اور اس کا ازلی وابدی اور سرمدی ہونا ثابت نہ ہوگا۔ غرض کہ وجود شہود بھی علیٰ شانہ و شہود ہے اور شاہدہ
 میں مغائرت ہونا ضرور ہے اور جب مغائرت ہی یہاں نہیں تو پھر شاہدہ کیسا جس کی امید آخرت میں لوگ
 رکھتے ہیں لیکن کہتے والے یوں بھی کہتے ہیں سے

جب تک کہ حجابات ہستی میں مقید ہیں

یہ رنگ شہود اس کا دھند کہ نظر آتا ہے

شعر (۷) مشتمل۔ شامل ہونے والا۔ چاروں طرف احاطہ کرنے والا۔ نمود۔ ظہور۔ صدور۔ جمع صورت
 یہ شعر بھی دراصل شعر بالا ہی کی تفسیر ہے مطلب ہے کہ قطرہ موج و حجاب کی دراصل کوئی ہستی نہیں اور یہ جو مختلف
 صدق نظر آ رہی ہیں دراصل وجود بجز کاپتہ دیتی ہیں اس شعر کی تشریح مندرجہ ذیل اشعار سے بخوبی ہو سکتی ہے

میں نے جو نظر ڈالی عرفاں حقیقت میں

توحید کا وہ یا بھی قطرہ نظر آتا ہے

وحدت کی نظر ڈالے توحید کے عاشق ہیں

وہ جلووں کی کثرت میں یکساں نظر آتا ہے

ساتی کی محبت کا وہ یا ہے بے پایاں

ہر قطرہ یہاں مجھ کو دیا نظر آتا ہے

شعر (۸) اس غزل کے پے پے کثرت اشار و صوفیانہ توحید سے لگیوں تکلیف ہیں اس شعر کا یہ مطلب ہے
 کہ شرم کاوائے معشوقانہ ہے وہ یہ کہاں تریں اخل ہے کہ اگر کوئی غیر بھی موجود نہ ہو تو خود بخود شرم ٹپکے جا رہے
 ہو ورنہ انکی حجاب مینی پردے میں پسینے کی غرض یہ ہے کہ وہ آزاد ہیں اور وہ اگرچہ حجاب میں ہیں مگر ان کا یہ حجاب
 بھی ایک قسم کی بے حجابی ہے کیونکہ حجب کرنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ کوئی انکی اوائے معشوقانہ نہ دیکھنے پائے
 لیکن عاشق سے اس طرح چھپ جانا بھی ایک کھلی ادا ہے پس ایسے حجاب ضرور بے حجابی پائی جاتی ہے، مولانا سرت
 مردانی نے بھی اس خیال کو بہت اچھے پیرایہ میں ظاہر فرمایا ہے

چھپے جو مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی

وہ ہ ہمتے ہمتے نہ دیکھے کوئی ادا میری

شعر (۹) آرائش جہاں۔ بناؤ سنگار۔ دائم ہمیشہ مطلب ہے کہ گو میرا محبوب ایک پردہ نشین معشوق ہے اور اسے ضرورت نہیں کہ کوئی اسکے حسن و جمال سے بہرہ مند رہے لیکن وہ پھر بھی اپنے بناؤ سنگار سے فارغ نہیں مولانا صاحب ثنائی صاحب فرماتے ہیں کہ نقاب ستارہ ہے عالم قدس سے اور آئینہ اس میں مکان و مایکون ہے اور آرائش جمال سے فارغ نہ ہونا کل یوم ہونی شان ہے۔

شعر (۱۰) مولانا حلال اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں کہ تمام موجودات عالم میں حق ہی حق نظر آئے اس کو شہود کہتے ہیں اور غیب الغیب سے مراد مرتبہ احدیت ذات ہے جو عقل و ادراک بصر و بصیرت سے زیادہ اور ہے کہتا ہے کہ جس کو ہم شہود سمجھے ہوئے ہیں وہ درحقیقت غیب الغیب ہے اور اس کو غلطی سے شہود کہنے میں ہماری ایسی مثال ہے جیسے کوئی خواب میں دیکھے کہ میں جاگتا ہوں پس گو وہ اپنے تئیں بید سمجھتا ہے مگر فی الحقیقت وہ خواب ہی میں ہے یہ اشارہ بالکل نئی ہے اور اس سے بہتر مثال اس مضمون کی نہیں ہو سکتی۔

شعر (۱۱) بوتراب۔ کنیت حضرت علی کی۔ ندیم۔ مصاحب ہمیشہ مطلب ہے کہ حضرت علی چونکہ خدا کے مصاحب ہیں اور مصاحب ہمیشہ بھی میرے دست کے۔ اور دوست مراد اس جگہ خداوند تعالیٰ کی ذات پاک ہے اسلئے حضرت علی کی بندگی کرنا دراصل خدا کی بندگی کرنا ہے اسی قسم کا مضمون ناسخ نے بھی ایک جگہ لکھا ہے کہ بیعت خدا سے ہے مجھے بالواسطہ نصیب

دست خدا ہے نام سرے دستگیر کا

چونکہ حضرت علی کو عید اللہ بھی کہتے ہیں اس لحاظ سے اس جگہ دست خدا سے مراد حضرت علی ہیں لیکن ہماری رائے میں یہ شعر غلط ہے یہ عوی اور یہ شعر اس صوبت میں صحیح ہو سکتا تھا اگر حضرت علی کی زندگی میں ناسخ صاحب نے حضرت علی سے بیعت کی ہوتی۔

۱۹۶۱ جبرائیل لکھوؤں کہ میٹوں جگر کو میں ۱ مقدور ہو تو ساتھ رکھوں فہمہ گر کو میں
چھوڑا نہ رشک کہ تیرے گھر کا نام لوں ۲ ہر اک سے چوہتا ہوں کہ جاؤں کہ گھر میں

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار ۳ اسے کاش جانتا نہ تیری رگدڑ کو میں
 ہے کیا جو کسے باندھے میری بلا سے ۴ کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں
 لودہ بھی کہہ ہے میں کہ بے نام ننگ ہے ۵ یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں
 چلتا ہو تھوڑی دیر ہر اک تیز رو کے ساتھ ۶ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں
 خواہش کو احمقوں نے پرستش یا قرار ۷ کیا پوچھا ہوں اُس بُت بیدار کو میں
 پھر بخودی میں بھول گیا راہ کوئے یار ۸ جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خیر کو میں
 اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا ۹ سمجھا ہوں دلپذیر متابع ہنر کو میں
 غالب خدا کرے کہ سوارِ سمنبد ناز

۱۰- دیکھوں علی بہادرِ عالی گھر کو میں

شعرا (۱) لکھ کر۔ بحالتِ ماتم و غم چلا کر رونے والا مطلب ہے کہ میرے دل و جگر دونوں زخمی ہو چکے
 ہیں اب میں حیران ہوں کہ دل کا رونا روؤں یا جگر کا ماتم کروں اور نہ ہی بوجہ غم غمسی مجھ میں نئی طاقت ہے کہ
 اجرت دے کر کسی ماتم کرنے والے کو بلاؤں۔

شعرا (۲) مطلب ہے کہ تیری محبت میں فکسک یعنی رقابت کا خیال اور جذبہ اس قدر میرے رگڑ پے
 اور دل و دماغ میں سرایت کر گیا ہے کہ میں کسی سے تیرے گھر کا نام لیکر پتہ دریافت کرنا بھی باعثِ رشک و
 رقابت سمجھتا ہوں اور بحالتِ اضطراب یوں کی طرح ہر ایک سے پوچھتا ہوں کہ میں کدھر کو جاؤں؟

شعرا (۳) مطلب ہے کہ جب مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تیری نشست و برخاست اب رقیبِ ناتواں
 ہی کے گھر پر رہتی ہے تو ناچار بار بار تیری تلاش میں مجھے رقیب ہی کے گھر آنا پڑا۔ افسوس صد افسوس مجھے یہ
 معلوم ہی نہ ہوتا کہ تیری آمد و رفت اسکے گھر میں ہے اور مجھے یہ اتنے ہی معلوم نہوتا کہ مجھے ایسی ذلت برداشت
 نہ کرنی پڑتی۔ حضرت مومن مرحوم نے اس خیال کو اور بھی نہایت عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے

اس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا ذلیل

میں کو چہ رقیب میں بھی بسر کے بل گیا

شعر (۱۴) کمر کستا، کمر باندھنا کسی اہم کام اور محنت کی تیاری کے لئے ہوا کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ
مشیتِ جبر مجھے دھکی دے یا پے کہ میں تھراؤں قتل کے لئے کمر بستہ ہو گیا ہوں تو ایسی جھوٹی دھکیلوں میں
بادلوں کے کیچھے معلوم نہیں کہ میرے مشوق کے تو کمر ہی نہیں وہ کیا کس کمر باندھے گا؟

شعر (۱۵) مطلب ہے کہ بس بی وفا کی خاطر ہم دنیا میں بے ننگ نام ذلیل اور رسوا ہوئے نباہ
وہ برہنہ ہوئے اب بھی ہمارا حاقف نہیں بننا اور ہم سے دور بھاگتا ہے بلکہ لٹا ہم پر طعن کرتا ہے کہ اچھے ننگ
و نام سے میر کیا واسطہ؟ شاعر کہتا ہے کہ افسوس اگر مجھے پہچان باتوں کی علم ہوتا تو میں پناہ گزینا نہ بننا ہوتا۔

شعر (۱۶) طالب راہ خدا کو جو حالت ابتدا میں پیش آتی ہے اس کو اس تمثیل میں بیان کیا گیا ہے طالب
اول تو جس شخص میں کوئی کوشش یا وجد و سماع و جوش و خروش دیکھتا ہے اسکے ہاتھ پر بعت کرنے کا ارادہ کرتا
ہے در اسکے ساتھ ساتھ پھر تا ہے پھر جب کوئی اس سے بڑھ کر نظر آتا ہے تو اس کا تعاقب کرتا ہے اور وہ
اس تفریب اور تزلزل کی یہی توبہ ہے کہ وہ کا ملین کو سپین نہیں سکتا۔ (یادگار غالب)

مولانا نے جو شرح فرمائی ہے وہ صحیح ہے، لیکن ہماری رائے میں تو مرزا غالب نے آج سے بہت عرصہ
پہلے کمال کے لیڈروں اور لیڈر گروں کے افعال و حرکات کا صحیح چربہ تار کر رکھ دیا ہے۔

شعر (۱۷) بطور طنز مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ لوگ کیسے جاہل و نادان ہیں کہ اپنی خواہشات نفسانی کی
نہ پر میری نسبت بھی یہی خیال کئے جیسے میں کہ میں ابھی نہیں کی طرح کسی جذبہ نفسانی کے تحت اس بت کی
توجہ کر رہا ہوں مگر میری محبت صادق کو وہ پرستش قرار دے رہے ہیں لہذا میری محبت جو پرستش کے درجہ تک
نہن کی ہے یہ تو ایک کمال خصوص کا نمونہ ہے یا میں اسے بت سمجھ کر پوچھ ہی نہیں کرتا۔ بقول شخص سے

اللہ کی پرستش اس بت نے ہے سبھائی وہ تو خدا کا گھر ہے بیت الصنم نہیں ہے

یا س

دنیا نے انہیں دیکھا ہے معشوق مجھ کو

پر مجھ سے نہ پوچھو کہ وہ کیا کچھ نظر آئے

شعر (۸) بخوری اپنے آپ میں ہونا اپنے ہوش و حواس کو گم کر دینا۔ مطلب ہے کہ میں پھر ایک
 دھڑکے کو چے میں جا کر اپنے ہوش و حواس کھو آیا ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ میں اب کہاں ہوں اور کس
 یا رکھاں ہے اسلئے اب اپنے ہوش و حواس اور دل و جان کی بھی خبر نہیں لاسکتا کہ ان پر وہاں کیا گندی اور
 وہ کس حال میں ہیں جیسے یہ کہا گیا ہے س

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
 کچھ ہماری خبر نہیں آتی

شعر (۹) اپنے یہ یعنی اپنے آپ پر۔ اہل دہر۔ اہل زمانہ، مرغوب۔ دلپسند۔ متاع۔ سلطان نفس بخش
 مطلب ہے کہ میں اپنی غلط فہمی سے دوسرے اہل دنیا کو بھی اپنے جیسا سمجھ رہا ہوں یعنی جس طرح میں علم دوست
 ہوں اہل نون کی عزت و قدر کو نا ضروری سمجھتا ہوں دوسرے لوگ بھی شاید ایسے ہی ہونگے بلکہ اس کا
 میں متاع ہنر ایسی عزیز جنس نہیں کہ لوگ اہل ہنر کی قدر کریں بقول شخصہ
 اب شخصیت کی قدر ہے قدر ہنر گئی

شعر (۱۰) ستمند ناز اٹھکے سلیوں اور خراہاں خراہاں چلنے والا گھوڑا۔ عالی گھر۔ بلند مرتبہ، عالی نسب
 بہت بڑی ذات والا۔ یہ ایک عاثرہ شعر ہے۔ علی بہادر کوئی مرزا غالب کے ممدوح ہونگے باقی مطلب صاف ہے
 (۱) ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں ۱ غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں
 وعدہ سیر گلستان ہے نہ ہے طالع شوق ۲ مردہ قتل مفید ہے جو مذکور نہیں
 شاید ہستی مطلق کی کمر ہے عالم ۳ لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں
 قطرہ پنا بھی حقیقت میں ہے ریا لیکن ۴ ہم کو تقلید تنک ظرفی منظور نہیں

حسرت اپنے دق خرابی کو طاقت رہی ۵ عشق پر عریضہ کی گوں تن بخور نہیں
 میں جو کتنا ہوں کہ ہم لینگے قیاس نہیں ۶ کس سحرنت سے کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں
 ظلم کر ظلم اگر لطف دینے آتا ہے ۷ تو تغافل میں کسی ناک سے معذور نہیں
 صنادور کی کش پیمانہ جسم میں ہم لوگ ۸ واٹے وہ بادہ کہ افشردہ انگور نہیں
 ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب

۹ - میرے عوی یہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

شعر (۱) مطلب ہے کہ اس ظالم کو مجھ سے ایسی علاوت اور دشمنی ہوگئی ہے اور میرے نام اور ذکر سے
 ایسی چڑ اور ضد ہے کہ اگر کوئی برائی اور شکایت کے ساتھ بھی ذکر کرے اور نام لے تو اسے متناگوار نہیں اور
 چونکہ میرے رقیب کی عادت میں داخل ہے کہ ہر وقت میری برائی اسکے سامنے کرتا رہتا ہے تو کیا حجب
 ہے کہ میرے رقیب کی ادا اس کی اس بات پر بگڑ جائے بقول شخصے سے

اس حالت ابر میں پنہاں ہے بتخت کیا

وہ میری سفارش ہے غیروں کی شکایت بھی

شعر (۲) خوشا بہت خوشی کی بات ہے الف آخر میں واسطے افادہ معنی کثرت کے ہوا کرتا ہے طالع
 بہت نصیب، شردہ، خوشخبری، مقدرہ وہ چھوڑا ہوا اور پوشیدہ لفظ جو عیادت میں بوقت تحیر پر لکھا نہ جائے
 لیکن اسکے معنی لئے جائیں مطلب ہے کہ اس نے میرے ساتھ ملکر میرے حسن کا وکھ کیا ہے اور میں بھی یہی
 جانتا تھا کہ کسی دن مجھے یہ بات حاصل ہو، اگر واقعی اس کا یہ وعدہ سچ ہے تو یہ میرے شوق و دلکی بہت بڑی خوش
 قسمتی ہے لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ درپردہ لفظ مقدر کی طرح سے میرا قتل کر دینا منظور ہے جس کا اس
 نے ذکر نہیں کیا خیر کچھ بھی ہو مجھے یہ بھی منظور ہے۔

شعر (۳) تا بہ معنی محشوق بہتی مطلق ذات باری تعالیٰ۔ مولانا حسرت فرماتے ہیں کہ شاعر نے

دنیا کے موبہوم ہونے کی یہ علت بیان کی ہے۔ کہتے ہیں کہ غلامِ شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے اور اس سے نئی یہ مبرور ہوتی ہے کہ شہار کی کمر نہیں ہوتی اسی طرح وجودِ عالم بھی موبہوم ہے لیکن ہم کہ یہ بھی منظور نہیں ہے کیونکہ جب کہنے ہیں کہ عالم شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے تو اگرچہ اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ عالم معدوم ہے لیکن یہ جو بعض اثبات ہے کا لفظ شے معدوم کیلئے کسی طرح استعمال کرنا نہیں چاہیے۔

مشعر دوم، نکتہ ظرفی، کم ظرفی، برتن کہ چھپا ہوا نامہ مطلب ہے کہ ہماری ہستی بھی جو بظاہر ایک قند معلوم ہوتی ہے و حقیقت یلین ڈریا ہے کیونکہ قطر ڈریا سے جدا نہیں لیکن ہم یہ بھی مناسب نہیں سمجھتے کہ منقوئے نکتہ ظرفی کی بنیاد پر نعرہ ناسخ لگانا شروع کر دیا تھا ہم بھی اپنے آپ کہ نا ابر کئے گئے ہیں اور دعویٰ خدائی کرنے لگے ہیں چنانچہ حضرت خواجہ سید بہاد الدین شہنشاہ نقشبند فرماتے ہیں کہ اگر عزیزانِ راقیہ کے سر بہوں میں کوئی شخص منظور کے زمانہ میں ہوتا تو منظور کا قند زباں دار ملک جان مریدانیش کی پیمائش مراد ہے یعنی آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں منظور کے زمانے میں ہوتا تو منظور کا امر مقام سے خالی تھا۔ راصل بہ ایک حالت اور مقام ہوتا ہے جس میں سے ساکب کی ضرورت گزرتا جڑ نہ ہے۔ بندہ اس قدر تو اس مقام سے نکل جاتے ہیں لیکن تھوڑی استعداد کے اسی میں پھنسے رہتے ہیں اور اپنے آپ کو فہم گئے لگ جاتے ہیں حالانکہ اس حالت کو دوام اور قرار نہیں لیکن عوام بھی انکے اس منی و ذوق کی حالت کے نام کو دوام پر محمول کر لیتے ہیں جو صریح غلطی ہے۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر لوہے کا آگ میں ڈالا جائے تو وہ کچھ عرصہ گ میں رہنے کے باعث آگ کے خواص ضرور پیدا کرے گا اور اس حالت میں ہم لوہے کو بھی آگ ہی کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس وقت آگ اور لوہے میں کوئی سبابت نظر نہیں آتی لیکن یہ واجب ٹھنڈا ہو جائے تو ہم اسے آگ نہیں کہہ سکتے۔

مشعر (۵) عربہ جنگجوئی، گول، ڈھب، مطلب ہے کہ عشقِ خانہ خرابی مجھے ایسا ناتوان و کمزور کر دیتا ہے کہ میں اب اس جنگجو کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اپنی اس بے بسی پر مجھے افسوس ہے کیونکہ اب صلوات

عشق برداشت کرنے کی مجھ میں طاقت ہی نہیں رہی ۔

شعرا (۱۱) رعونت ۔ غرور و تکبر برکشی ۔ مطلب یہ ہے کہ میں اس سے چھڑنے کی غرض سے کہتا ہوں کہ
قیامت میں تو میرے ہی قبضہ میں ہوگا ۔ تو وہ عجب غرور سے کہتے ہیں کہ میں ابھی کوئی حور ہوں جو تو مجھے صل
کر گیا یعنی ہماری شان مجھ حور سے بھی بڑھ کر ہے ۔ ایک اور جگہ مرزا صاحب کہتے ہیں :

ان پرینہ ادوں سے لیٹے خالد میں ہم انتقام

قدرت حق سے سی حوریں اگر واں ہو گئیں

شعرا (۱۲) درینج ۔ حسرت و افسوس ۔ تکلیف ۔ تغافل ۔ غفلت ۔ تمام سارہین کلام غالب نے لطف
درینج کے قریب قریب ہی معنی کئے ہیں کہ اگر تجھے لطف و مہربانی کرنے میں کچھ تکلیف محسوس ہوتی ہے حالانکہ
یہ معنی اس وقت پیدا ہو سکتے تھے جب لطف درینج کی بجائے درینج لطف ہوتا ۔ ہماری رائے میں اس شعر کے معنی
یہ ہیں کہ اگر مجھے تکلیف پہنچانے ہی میں تجھے لطف حاصل ہوتا ہے تو ظلم ہی کر کیونکہ بجائے مہربانی کرنے کے
تجھے ظلم کرنے میں تو کوئی عذر نہیں ہو سکتا پس تو تغافل سے کام لے تیرا شیوہ ستم سے تغافل نہیں پسند
نہیں میں اسکو تیری مہربانی سمجھوں گا کہ تو نے مجھ پر ظلم کیا اور لوگ بھی کیس گے کرے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی

باقی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

شعرا (۱۸) وردی ۔ شراب کی تلچھٹ ۔ پیمانہ حم ۔ جام حبشید ۔ رائے ۔ افسوس ۔ یادہ ۔ شراب ۔ فشردہ
نچوڑ ۔ مطلب یہ ہے کہ شراب نگوری چونکہ بادشاہ حبشید کی ایسی دکرہ ہے ہم اسی کے پیرو ہیں یعنی شراب نگوری
ہی پیتے ہیں خواہ اسکی تلچھٹ ہی کیوں نہ ملے بجا وہ بھی کوئی شراب ہے کہ جو انگور کا پھوڑ نہ ہو ایک طرح
سے ہیں ہر ایک دوسری شراب کی حالت پر افسوس بھی آتا ہے کہ ہم نے اسے منہ نہیں لگایا ۔

شعرا (۱۹) افغوری شعرائے ایران میں ایک بہت بڑے پائے کا شاعر گزرا ہے اور مرزا غالب کو اس کا

دنگ بہت مرغوب تھا۔ مرزا دانا فرماتے ہیں کہ چونکہ میں زیادہ مشہور نہیں ہوں اسلئے مجھے خفائی سمجھنا چاہیے۔ یعنی ظہوری کا مد مقابل خفائی بمعنی مخفی۔ اس شعر میں لفظ ظہوری اور خفائی کا لفظی تقابل ہے۔ ازراہ حسن عقیدت ظہوری کی نسبت مرزا صاحب فارسی میں لکھتے ہیں ے

بہ نظم و تنشیر مولانا ظہوری زندہ ام غائب
رگ جاں کردہ ام شیرازہ اوراق کتابش را

- (۹۸) نالہ جز حُسن طیب اے تنم ایسا دہنیں ۱ ہے تقاضائے جفا شکوہ بیداد نہیں
عشق و مزدوری عشرتگر خسرو کیا خوب ۲ ہم کو تسلیم نہ کو نامی فریاد نہیں
کم نہیں وہ بھی خرابی میں پے سعت معلوم ۳ دشت میں ہے مجھے وہ غلش کہ گھریا دہنیں
اہل بنیش کو ہے طوفان حوادث کتب ۴ لطمہ موج کم از سیلی اتار دہنیں
ہائے محرومی تسلیم و بُرا حال وفا ۵ جانتا ہے کہ ہمیں طاقت فریاد نہیں
دنگ نمکین گل ولالہ پریشاں کیوں ہو ۶ گر چراغان سہرا نگذریا دہنیں
سید گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں ۷ مرزدہ اسے مرغ کہ گلزار میں حیا نہیں
نفی سے کرتا ہے اثبات تراوش گویا ۸ دی ہے جلے دہن اسکو دم ایسا دہنیں
کم نہیں جلوہ گری میں تے کچھ ہے بہشت ۹ ہی نقشہ ہے ویسے اس قدر آباد نہیں
کرتے کس مُنہ سے ہو غربت کی شکایت غائب

۱۰ تم کو بے مری یاران وطن یاد نہیں

شعرا و ادا طلبت ہے کہ اے ظالم عشق! میں جو نالہ فریاد و رگہ و فغاں کا شور اٹھائے رکھتا ہوں تو یہ اسلئے نہیں کہ سعاد اللہ مجھے تیری شکایت نہ نظر ہے نہیں میری فریاد میں بھی ایک قسم کا طلب پہنا ہے

یعنی میں چاہتا ہوں کہ تو مجھ پر اور بھی ظلم کرے پس جب میں کثرت سے نالہ کرونگا تو تو اور بھی برہم ہو کر مجھ پر جفا کرے گا۔

شعشعر (۲۲) یہ شعر بطور طنز و تشبیہ لکھا گیا ہے یعنی یہ بات جو لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے کہ فریاد سے بہت بڑا کام کیا کہ اس نے خسرو کے عشر تکدہ کیلئے پیادہ کاٹ کر درودھ کی نذر نکالی تاکہ فریاد کو اسکے حوالہ میں شیریں کا اصل نصیب ہو اور فریاد نے یہ جو کچھ کیا عشق صادق کے جذبہ کی بنا پر کیا اور فریاد کیا دنیا یا کھسے کوئی نیک کام کر گیا۔ سچ پوچھیے تو ہمیں اس سے قطعی انکار ہے کیونکہ یہ ایک غیور عاشق کی شائق فریاد ہے کہ وہ اپنے رفیق عشر تکدہ کی محسوس کیلئے اپنی جان کو مصیبت میں ڈالے۔ ہم تو اسے مزدوروں کا کام سمجھتے ہیں۔

شعشعر (۲۳) یعنی میرا گھر بھی ویران و خراب ہونے میں جنگل سے کم نہیں لیکن اتنا وسیع نہیں کہ میرے حلیا و دیوانہ اس میں آزادی سے دشت فارسی کر سکے پس میں اسی لئے جنگل میں مارا مارا پھرتا ہوں اور اس میں مجھے وہ عیش حاصل ہے کہ مجھے اپنا گھر یاد ہی نہیں رہا۔ لیکن حضرت دوست اس کے برعکس فرماتے ہیں کہ

جامیں وحشت میں سوئے صہرا کیوں

کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی

شعشعر (۲۴) لفظ موج موج کا تھپڑا۔ سیلی۔ طمانچہ۔ حوادث۔ مہائب۔ مکتب۔ در رسہ۔ اہل منیش۔ قصیدہ مصلحت ہے کہ کچھ دار و لوگ کثرت حوادث سے ناراض ہو کر ہمت نہیں ہار دیا کرتے بلکہ یہ باتیں انہیں دین عبرت کا کام دیتی ہیں اور طوفان حوادث کا ہر ایک ٹکڑا انہیں تباہی کا طمانچہ معلوم ہوتا ہے۔

شعشعر (۲۵) محرومی۔ ناکامی۔ بُرا حال۔ بد حالی۔ مطلب ہے کہ ہم جو تسلیم و رضا کے خیال سے اس کے منہ پر صبر کرتے اور وفاداری سے منہ نہیں مٹاتے لیکن فوس ہے ہماری اس ناکامی تسلیم اور بد حالی نے ہم کو اس نے ہمارے صبر و وفا کو تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ ہم فریاد کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔

شعشعر (۲۶) چاروغ را باند۔ باد۔ وہ چرخ جو ہوا کے راستہ میں رکھا ہوا۔ تملکین۔ حجازاً قدر و منزلت

مطلبت ہے کہ اگر گل و مالہ تیر ہوا میں جسنے واسے ہزار غلوں کے مانند نہیں تو کیا دیکھ ہے کہ انکی زنگ تنی جلدی اڑ جاتی ہے۔ پریشانی ناک سے لگا اڑنا مراد ہے اور تمکین گل و مالہ سے جودہ و رونق بھی مراد ہے۔

شعر (۷) سبد ٹوکرا۔ تے، نیچے بگیں۔ پُسل توڑنے والے۔ خردہ۔ خوشخبری۔ صیاد۔ شکاری۔ مطلب ہے کہ اسے بیل تیرے لئے خوشی کا موقع ہے کہ تجھے جس نے گرفتار کیا ہے وہ صیاد نہیں بلکہ گھچیں ہے اور اس کی قید بھی تیرے لئے خوشی کا محل ہے کہ اس نے بجائے نفس میں بند کرنے کے بچھو لوں کو کہے میں بند کیا ہے اگرچہ قید ہے لیکن بچھو لوں کی نجات تجھے حاصل ہے بیشک ایسی قید۔ تو ہر عاشق کیلئے سجت و صل ہے کہ جس میں اس کا معشوق بھی موجود ہو۔

شعر (۸) نفی، نہیں، ثبات۔ ہاں۔ ثبات کرنا۔ تماوش ٹپکنا۔ دم ایجاد۔ پیدائش کے وقت جائے دہن سے مراد بچے دہن ہے مطلب ہے کہ میرے معشوق جو ہر بات کے جواب میں نہیں ہیں کتاب ہے کیا اس کو پیدائش کے وقت دہن کی بجائے صرف نہیں ملی لیکن اس کے نہیں کہنے سے یہ تو بہت چلتا ہے کہ اسے ضرور کوئی چیز ملی ہے جس سے نہیں کا لفظ ادا کرتا ہے۔

شعر (۹) جلوہ گری سے مراد اس جگہ شمس و آرائش ہے مطلب ہے کہ بہشت کا نقشہ اگرچہ تیرے کو چہرہ ہی کے مانند ہے لیکن پھر بھی وہ تیرے کو چہرہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ جو رونق تیرے کو چہرہ میں ہے وہ اس میں نہیں تیرے کو چہرہ میں ہر وقت ہجوم عشق رہتا ہے اور وہاں یہ بات نہیں ہے۔

شعر (۱۰) غربت، مسافرت، بے مہری۔ ناقدر دانی۔ سنگدلی۔ بے پروائی۔ مطلب ہے کہ اسے غائب مگر پردیس میں بوجہ نہ واقفیت تیرے کمال کی لوگ قدر نہیں کرتے تو تمہیں انکی اس بے وقوفی پر نالہ نہیں ہونا چاہیئے اور انکی شکایت نہیں کرنی چاہیئے کی تمہیں اپنے اہل وطن کی کثرت یاد نہیں، انہوں نے تیرے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا تھا اور تیری کیا عزت و قدر کی تھی۔ فاقوں پر فاقے تجھے آتے رہے۔ قرض خواہوں نے ہدایتوں میں تمہیں گھنچا دیا۔ قید خانہ بھجوا دیا وغیرہ وغیرہ اسی مضمون کا ایک شعر پہلے بھی گزر چکا ہے۔

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشتبہ جس کہ کلہن میں نہیں

(۹۹) دونوں جہان دیکھے وہ سمجھے کہ خوش رہا ۱ یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں
کتاب تھکے ہر مقام پہ و چارہ گئے ۲ تیرا پتہ نہ پائیں تو بنا چارہ کیا کریں
کس شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم ۳ ہو نعم ہی جائگداز تو غمخوار کیا کریں
شعر (۱) دونوں جہان سے مراد دنیا و آخرت مطلب ہے کہ بظاہر تو یہ بڑی بات معلوم ہوتی ہے
کہ خدا نے ہمیں دونوں جہان دیئے لیکن کچھ کی بات ہے کہ اس جہان یعنی دنیا میں ہیں کس شمع کی راحت اور
آرام ملا بچپن میں دوسرے کے محتاج ہوش منجالاتو فکر معاش غم روزگار بوی بچوں کے تفکرات بہاریاں۔
مہبتیں ضیعی میں بیجا رگی۔ ایسا دوسرے جہان کو لیجئے کہ مدتوں قبر میں مٹنے لگتے رہو۔ پھر پھر اٹھو، یوم الحساب
ہنہ مہ شہر و رخت کا کھٹکا۔ کیا کیا مصیبتیں ہیں ہماری پوشی پر اس بھ کہ نہان نلو باجوہ لا اسی پر خوش ہے
لیکن یہ تو سماوی تھان عبودیت ہو کہ ہم اس پر چھپ چکے اور خیال کیا کہ اپنے خالق و مالک و معبود کے سامنے
تکرار کرنا شیعہ عبودیت نہیں اور ہمیں شرم آگئی کہ ہمارا حق ہی کیا ہے کہ جو اس کے بجائے کچھ اور مانگیں
یہ برابر ثابت کریں۔ قناعت ہی اچھی ہے۔

شعر (۲) ہر مقام سے مراد اس جگہ مقامات سلوک معرفت ہیں جو اہل تصوف و تحقیق کو ملنے کو
پڑتے ہیں۔ مطلب ہے کہ تیری تلاش و جستجو میں جس قدر اہل طلب لکھے وہ اصل منزل مقصود تک پہنچ سکے۔
۱۔ وہ اوقات کوئی بھی مقام میں تھک کر رہ گیا کوئی کسی مقام میں یعنی کوئی شے و تصور میں گیا، و کوئی جدید
ربا زید و غیرہ کیونکہ تیری ذات تک پہنچنا انسانی طاقت سے پہرے آخر یہ وہ تھک کر رہ جائیں
نویا کریں اور پھر بے بڑی بات یہ ہے کہ تیرا پتہ ملنا ہی ناممکن ہے۔ خواجہ میر درد فرماتے ہیں

شب روز اسے درد پئے ہیں جس کے کسی نے بھی اس کو نہ سمجھا نہ دیکھا
اور یہ شعر بھی خوب ہے

تجھ سے ملنے کا کوئی بھی راستہ ملتا نہیں
کون سا پتھر مری قسمت میں جاٹا ہو گیا

شعر (۳) مصرعہ اولیٰ میں استفہام اقرار ہے۔ ہوا خواہ۔ خیر خواہ۔ مطلب ہے کہ کیا ہم اس محفل
شعریں خیر اندیش ہیں یعنی ہمیں اس کے گھل گھل کے جان دینے پورا کر سکے گریہ غم پر ضرور رحم آ رہا ہے لیکن
کیا کریں یہ مرض ہی ایسا اور یہ غم ہی ایسا ہے کہ اس کوئی علاج اور مداوا نہیں ہو سکتا محض اوروں کے
نبائے کچھ نہیں بن سکتا اور اسکی جانگدازی ہم معنی موت ہے۔ مرزا جتنا خود ایک اور جگہ لکھتے ہیں
درد ہو تو دوا کرے کوئی مرنے والے کا کیا کرے کوئی

ہو گئی ہے خیر کی شیریں بیانی کا رگر (۱۰۰)
عشق کا اسکو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

شعر (۱) مطلب ہے کہ چونکہ چالاک رقیب میرے مشوق کے بہت منہ لگا ہوا ہے اور ہر وقت میٹھی
میٹھی باتیں کر کے اور محبت کے بہت بڑے دعووں سے اسے اپنے بس میں کر لیا ہے اور ہم چونکہ خاموش رہتے ہیں
اور چرب بانی و لسانی سے کام لیتا عشق و محبت کے خلاف جتنے ہیں اور اس اصول پر کار بند ہیں کہ

چو درس عشق میخوانی کتاب نطق را طے کن

کہ از باب محبت را زباں دانی زباں دانی

لیکن ہمارا نادان مشوق اسے علم محبت پر محمول کرتا ہے اور رقیب کی محبت کا قائل ہو گیا ہے اس شعر
کو اگر غلام نبوی حیثیت سے دیکھ جائے تو یہ پہلو بھی صاف نکلتا ہے کتنی زمانہ جو لوگ میٹھی باتوں میں کہ مشائخ
اور پیروں کے زیادہ منہ لگے ہوئے ہیں اور ہر وقت جھوٹی چرب بانی سے اپنے خلوص اور کمال عقیدت و ارادت کا مظاہرہ

کرتے رہتے ہیں ہی زیادہ مقرب و مخلص سمجھے جاتے ہیں اور انہیں کو سب سے پہلے خلافتیں ملا کرتی ہیں اور یہی
سے بھی ہٹان لوگ انعام و اکرام اور حکام کی جھوٹی خوشامدیوں کے بڑے بڑے عہدے اور خطاب
حاصل کرتے ہیں۔

(۱۰) قیامت ہے کہ سن لیٹے کا رشتہ قیس میں آنا ۱ تعجب ہے وہ بولالیوں بھی ہوتا ہے زمانے میں
دل نازک اس کے رحم آتا ہے مجھے غالب ۲ نہ کر سرگرم اس کا فر کو الفت آنے میں
نکھر (۱۱) قیامت ہے غصبت افسوس ہے سن منکر مطلب ہے کہ میرے غیور پر وہ تین ہے
پیدا معشوق نے جب مجھ سے یہ نہ کہ یہی مجھوں سے ملنے کیلئے اس جنگل میں گئی کہ جہاں مجنوں رہا کرتا تھا تو وہ نہا
تعجب زدہ اور حسرت زدہ ہو کر پوچھنے لگا کہ کیا دنیا کے عشق و محبت میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ معشوق خود چل
کر عاشق کی ملاقات کیلئے جائے؟ ہمارے خیال میں تو مرزا غالب کے معشوق کا تعجب کرنا صداقت پر مبنی
ہے یہی ملاقات مجنوں کے لئے آنا ایک اور شاعر نے بھی لکھا ہے یعنی

کشش رکھائی وہ مجنوں کے عشق کامل نے

ادھر خیال چلا اور ادھر چلی لیٹا

لیکن ایک اور شاعر نے اس کا دندان شکن جواب بھی دیا ہے

غلط غلط ہے سر اس غلط یہ جس نے کہا ۱ ادھر خیال چلا اور ادھر چلی لیٹا

بے لادہ لکھ کے ہو جاتا چوب صحر کیوں ۲ کبھی جو قیس کو مل جاتی آن کر لیٹا

نکھر (۱۲) اس جگہ سرگرم سے مراد آمادہ کرنا ہے مطلب ہے کہ اے غالب تو اپنے معشوق کو اپنی
الفت آزمائے کیلئے آمادہ نہ کر یعنی تیری الفت آزمائی تو اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ تجھے قتل کرے
اور دیکھے کہ تو قتل ہونے کیلئے سینہ سپر ہے یا نہیں؟ بقول شخصے

مقتل عشاق میں سینہ سپر ہوتا ہے کون ۱ تیغ لیکر آج ہی تم آزماتے کیوں نہیں

دین مرزا صفا فرشتہ ہیں کہ چونکہ اس کا دل بہت نازک ہے درجائت قتل جب وہ خون کے فوارے نکلتے دیکھے گا تو مارے صدمے کے اس کا دل بھیٹ جاسکے گا پس مجھے اس کے نازک دل پر رحم آتا ہے۔

۱۰۷۱۔ دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا ۱۔ بائیس اپنی بیکسی کی ہیم نے پانی وادیاں ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام ۲۔ سرگردوں ہے چراغ رنگداریاں
شعرا ۱۔ دل لگا کر عاشق ہو کر مطب ہے کہ ہمارا معشوق بھی جو ہماری محبت کی داریں نہیں دیتا۔
بلکہ ہماری نفوت نشینی اور گریہ کا تسخیر یا کرتا اور اپنا وقت سیر و تفریح میں گزار کر تانھا آخر وہ بھی کسی پر عاشق ہو کر تنہا نہیں ہو گیا اور ہماری صبح گریہ غم کرتا ہے وہ یہ جو کچھ ہے ہماری بیکسی اور صبر کی داری۔
شعرا ۲۔ زوال آمادہ۔ تنہا ہو جانے والا۔ اجزا۔ سران۔ آفرینش۔ پیدائش۔ دنیا۔ ارض۔ مطابقت

ہے کہ زمین آسمان یا دنیا کا ذرہ ذرہ فنا ہونے کیلئے تیار رکھرا ہے یہاں تک کہ آفتاب بھی جو زمین سے کئی گنا بڑا ہے وہ بھی اس چراغ کی مانند ہے جو ہوا میں جل رہا ہے یعنی ہوا کا ایک ورکا جھونکا یا نہیں کہ وہ گل ہوا۔
۱۰۷۲۔ یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں ۱۔ کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں وہ آئیں گھر میں ہمارے خراکی قدرت ہے ۲۔ کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں نظر گئے نہ کہیں اس کے دست و پا ز کو ۳۔ یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

ترے جواہر طرٹ کلا کو کب دیکھیں

۴۔ ہم اوج طالع محل و گھر کو دیکھتے ہیں

شعرا ۱۔ صبا کو کب عموماً شعرا پیغام پر تصور کیا کرتے ہیں۔ مطلب ہے کہ ہم جو بحالت فراق شدت انتظار میں گھبرا کر بار بار کبھی دیوار کی طرف اور کبھی دروازے کی طرف دیکھتے ہیں تو اس سے دیوار و در دیکھنا نظر نہیں بلکہ دیوار کی طرف تو اس سے دیکھتے ہیں کہ صبا جو اپنی لطافت کی وجہ سے ہر جگہ بلا روک پہنچ جاتی ہے اور کوئی چیز اس کی سداہ نہیں ہوتی کب دیوار سے گزر کر ہمارے محبوب کا پیغام ہم تک پہنچاتی ہے اور دروازہ کی طرف سے

دیکھتے ہو کہ کب نامہ بر ہمارے خط کا جواب لیکر آتا ہے یا دونوں میں سے کون پہلے آتا ہے۔
 مشعر (۲۲) مغربی بات تو ایک طرح سے ناممکنات میں داخل ہے کہ ایک غریب عاشق کے شک و یک
 اور ناکستہ و کندہ مکان میں ایک امیرانہ ٹھاٹھ والا عالی مرتبہ معشوق بھی جلوہ فروزہ ہر کے معلوم ہوتا ہو کہ شاید
 کسی نے مانس سے یہ جھوٹ بات کہی ہو کہ تمہارے معشوق نے علاء کیا ہے کہ وہ تجھے ملنے کیلئے آئے تو
 اسی خیال سے عاشق آتا ہے حیرت سے کہی ہم مجھ کو کس جہاں و جلال کی طرف دیکھتے ہیں اور یہی اپنے ٹوٹے
 بھوٹے مکان کی طرف دیکھتے ہیں۔

مشعر (۲۳) مطلب ہے کہ یہ لوگ جو میرے سیکے زخم کی گرائی کو بار بار دیکھتے ہیں، وردوں میں کہتے
 ہیں کہ باوجود ناز و نین نازک اندام ہو سیکے اس ایک قاتل پرفتن کی طرح کاری زخم نگایا ہی مجھے ڈر ہو کہ ان لوگوں کے
 اس حیرت انگیز و استعجاب میرے نازک اندام قاتل کے دست و بازو کو نظر بار نہ لگائے تجھے اپنے زخم کی تو کوئی پروا
 نہیں لیکن مجھے ان لوگوں کی اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا پسند نہیں آتا میرے مجھ کوئی تکلیف پہنچے۔
 مشعر (۲۴) جو اہر بعل و گوہر و شیرہ۔ طرف گوشہ۔ کلمہ۔ کلمہ بطلت کہ ہم تیرے گوشہ نگاہ کے
 حق گوہر کو نہیں دیکھ سکتے شاید تو یہ جسا ہو کہ یہ بہت قیمتی، ورق در و منزلت والی چیزیں سمجھ کر ہم دیکھ سکتے ہیں
 نہیں نہیں بلکہ ہم ان جو اہر کے نصیبوں و خوش قسمتی کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ ان کو بھی تیرے گوشہ نگاہ
 تک سائی کی عزت اور مرتبہ مل گیا۔

۱۔ انہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں ۲۔ شبِ فراق سے روزہ جزا نہ یاد نہیں
 کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا بُرائی ہے ۳۔ بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں
 جو آؤں سامنے ان کے تو مرجھانہ لیں ۴۔ جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر یاد نہیں
 کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں ۵۔ کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں
 علاوہ عید کے ملتی ہے دردن بھی شراب ۶۔ گداڑے کو چہ میخانہ نامراد نہیں

جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہمیں کیا کام ۶ دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
تم ان کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو گے
۷ یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

شعر (۱) روزِ جزا۔ قیامت کا دن۔ مطلب ہے کہ میرا طول قیامت اور اس کی سختیوں پر ضرور
اعتقاد ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی عقیدہ رکھتا ہوں کہ میری شبِ فراق کی دہائی کے مقابلہ میں قیامت کا دن
زیادہ ہولناک اور زیادہ طویل نہیں۔

شعر (۲) شب ۱۰۔ چاندنی رات۔ ابرو باد۔ کالی گھٹاؤں اور ٹھنڈی ہواؤں کا چلنا مطلب ہے
کہ یہاں تاکہ ابرو باد میں بادہ نوشی کا زیادہ لطف آتا ہے اور کج وہ بات چل نہیں سکتی ات کو تو ضرور چاندنی
نکلیگی اور شب ۱۱ میں بھی شراب نشی کا خوب لطف حاصل ہوتا ہے گویا چاندنی رات ابرو باد کا نعم البدل ثابت ہوگی
شعر (۳) مرحبا۔ شاباش۔ یہ لفظ عرب میں جہان کی تعظیم کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ خیر باد انجام
اچھا ہو، یہ تھمتی دعا ہے مطلب ہے کہ میرا مشوق میرے ساتھ اس بے توجہی۔ عدم التفات اور غفلت سے پیش
آتا ہے کہ اگر کبھی شوق سے اسے ملنے جاؤں تو اتنا بھی نہیں کہتا کہ آئیے تشریف لائیے اور دل برداشتہ ہو کر اٹھ
آتا ہوں تو اتنا ہی نہیں کہتا کہ ڈو اور بیٹھو یا خدا حافظ تاکہ نہیں کہتا۔

شعر (۴) مطلب ہے کہ دل تو وہ تغافل شمار اور شرارت پسند کسی کو اپنی محض میں یاد ہی نہیں کرتا
اور اگر کبھی بھولے سے یاد بھی کرے تو اس شوخی سے یاد کرتا ہے کہ آج ہماری محض میں کچھ گری نہیں فتنہ و
فساد نہیں شاید وہ جنگجو۔ ڈاکا۔ رقابت کے جھگڑے پیدا کرنے والا نہیں آیا۔

شعر (۵) عموماً عید کے دن اس گھر سے بھی کچھ نہ کچھ خیرات مل جاتی ہے کہ جس گھر سے دوسرے دنوں
میں فقیر کو کبھی نہ ملتی ہو مطلب ہے کہ کہ چہ میخانہ ہی وہ مل سکتا تھا کہ چہ ہے کہ جہاں عید ہو خیرات ہو خواہ
کوئی دن ہو اس کو پسے کبھی کوئی سائل نامراد اور خالی نہیں گیا۔ ہر روز کچھ نہ کچھ کا سہ سائل میں ڈال دیا جاتا ہے

مرزا صاحب ایک فارسی شعر میں اس مضمون کو اس انداز سے بیان فرماتے ہیں :

نمکین گیس نہ میرود از کوئے میسکہ

تا ہم پیالہ مہ عیدش نے کنند

شعر (۶) دنیا میں مشہور ہے کہ شادی و غم کا باہم اتصال ہے یا خوشی کے بعد رنج اور رنج کے بعد ضرور خوشی نصیب ہوتی ہے لیکن مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ دنیا میں شادی و غم ہم ہوا کریں ہمیں اس سے کیا کام ہمیں تو خدا نے وہل دیا ہے کہ جسے کسی خوش نصیب ملتی ہی نہیں۔ پھر میرے شادی و غم ہم ہونے تو کیا۔ یہ شعر بھی اسی رنگ سے رنگین ہے :

ہمیں عشرت سے کیا مطلب ہمیں رحت سے کیا مطلب

ہوا ہے حسرت و غم سے خمیر آب و گل اپنا

شعر (۷) اشاء اللہ خوب شعر ہے۔ ایک معمولی خیال کو کیا خوشگوار رنگ یا گیا ہے اور کیا دلکش پیرایہ میں معشوق کی چہاں سکینوں اور وعدہ غلافیوں کا ملامت انگیز خاکہ اڑایا گیا ہے مطلب ہے کہ اے غالب تم کمروں فضول یوانوں کی طرح بار بار دن کو وعدہ یاد دلاتے ہو بھلا یہ کیا انداز گفتگو اور طرز تقاضا ہے کہ تم تو یہ کہے جاؤ کہ تم نے فلاں عہدہ کیا تھا اور وہ کہیں کہ ہمیں تو یاد ہی نہیں کہ ہم نے کوئی وعدہ کیا تھا۔

(۱۰۵) تیرے تو سن کو صبا باندھتے ہیں ۱ ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے ۲ ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

تیری نمرت کے مقابل اے عمر ۳ برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

قید ہستی سے رہائی معلوم ۴ اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں

نشہ نگ سے ہے واشد گل ۵ مست کب بند قیا باندھتے ہیں

غلیبہائے مضامین ست پوچھ ۶ لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

اہل تدبیر کی واماندگیاں ۷ آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

سادہ پُرکار ہیں خواباں غالب

ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

شعر (۱۴) گھوڑا۔ صبا۔ مجز، تیز رفتار۔ ہوا باندھنا۔ اپنا سگہ جانا۔ رعب اٹھانا مطلب یہ کہ تیرے گھوڑے کو جو ہم بلحاظ تیز رفتار ہوتے کے صبا یعنی ہوا سے تشبیہ دیتے ہیں تو گویا ہم اپنی خیالی فری کی ہوا باندھتے ہیں لفظ صبا اور ہوا میں رعایت معنوی پنہاں ہے۔

شعر (۱۵) مطلب یہ ہے کہ یہ جو ہم شاعرانہ دعاوی سے کام لیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ہماری آہ میں بجلی کا اثر ہے۔ ہماری آہ فلک کو جلا دیگی یہ سب کچھ معشوق پر رعب ڈالنے کیلئے کہا جاتا ہے ورنہ کسی کی آہ نے کب کوئی اثر پیدا کیا ہے بقول شخصہ سے

نالے غم وفا میں سب بے اثر گئے ہیں

گردوں کے پار ہم نے مانا گزر گئے ہیں

شعر (۱۶) سرعت۔ تیزی۔ جلدی مطلب یہ ہے کہ اسے عمر تیزی سرعت رفتار کے مقابلہ میں ہمیں بستی تیز رفتار چیز کو بھی ایسا سمجھتے ہیں کہ جیسے اس نے پاؤں کو ہندی لگائی ہوئی ہے یعنی بلحاظ رفتار فنا ہماری عمر بجلی سے بھی جلد گزر جائیوای چیز ہے (چونکہ جو شخص پاؤں کو ہندی لگالے وہ آزادی سے چل پھر نہیں سکتا گویا بجلی کا پابہ خدا ہونا ہماری رفتار عمر کے مقابلہ میں کم رفتار درست رفتار ہونا ہے۔

شعر (۱۷) مطلب یہ ہے کہ قید ہستی سے کسی حالت میں بھی رہائی ناممکن ہے انسان باوجود کھیت تھا اور فیت ہو جائیگا لیکن پھر بھی اس پر ہستی کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسکی مثال اشک کی ہے کہ اشک کو شکر بے سرو پا کہتے ہیں مگر مضمون میں باندھتے ضرور ہیں۔

شعر (۱۸) داشد بکھلنا یا گھٹنا ہونا۔ بند۔ پیوند۔ جوڑ۔ قبا۔ جامہ۔ لباس۔ مطلب یہ ہے کہ چودو

پھولوں کا شگفتہ ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ پھول نشہ رنگ سے مست ہو رہے ہیں اور مستیوں کے بھی چونکہ بند قبا چاک ہوتے ہیں اسلئے پھول کا شگفتہ ہونا مستوں کے گریبان چاک ہونے کا ہر رنگ ہے۔

شعر (۶) رسا۔ اثر انداز پہنچنے والا مطلب ہے کہ بندش مضامین میں حضرات شعراء جس طرح غلط بیانیوں سے کام لیتے ہیں بس کچھ نہ پوچھیے ان کی کہاں تک شکایت کی جائے ایک صاف اور کھلی ہوئی بات یہی دیکھ لیجئے کہ نالہ جو کبھی رسا نہیں ہوتا اسے رسا باندھتے ہیں۔

شعر (۷) دامانگی بے پماندگی۔ کوتاہ عقلی۔ آبلوں۔ چھاؤں مطلب کہ میرے چارہ گر بھی عجیب کم عقلی کا ثبوت دیتے ہیں کہ ایک تو میرے پاؤں میں ٹٹ پیمائی سے چھلے پٹے ہوئے ہیں اور میں چلنے پھرنے سے عاجز ہوں دو سرے لوگ میرے چھاؤں پر جانا بندھتے ہیں کہ میں قطعی طور پر چل پھرنے سکوں اور تلاش یا رنہ کر سکوں۔

شعر (۸) سادہ پرکار یعنی سیدھے سادے بھی اور پرفن بھی جسکے معنی اس شعر سے بخوبی واضح ہو سکتے ہیں دیکھنا حضرت دل ریچھ پڑے ہوا جس پر

بھولا بھالا بھی ہے کمن بھی ہے عیا و بھی ہے

خوباں بے شوق۔ پیمان وفا۔ عہد مطلب ہے کہ یہ معشوق جو بظاہر سادے سے نظر آتے ہیں اور بیبا

بڑے پرفن اور عیار واقع ہوئے ہیں ہمیں ہوکا دینے کیلئے ہم سے پیمان فادھوٹتے ہیں اور پھر پیمان وفا بھی ہم سے (ذرا زور دیکر پڑھو) جو ان کی عیاریوں سے بخوبی واقف ہیں۔

(۱۰۶) زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسد

وگر نہ ہم تو زیادہ توقع رکھتے ہیں

شعر (۱) سخت کم آزار بہت کم دکھ پہنچانے والا۔ بجان اسد۔ مرزا غالب کی جان کی تسک

مطلب ہے کہ زمانہ بہت ہی سخت کم آزار ہے اسد (غالب) کی جان کی قسم جس قدر مظالم توڑے جاتے ہیں وہ ہماری توقع سے بہت کم ہیں یعنی ہماری جان پر اس سے بڑھ کر ظلم و ستم ہونے چاہیں

- (۱۰۷) دائم ٹرا ہوا تھے رہ نہیں میں ۱ خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
کیوں گرد پیش مدام سے گھبرانے جانے دل ۲ انسان ہوں پیالہ سا غر نہیں میں
یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے ۳ لوح جہاں پہ حرف مکر نہیں ہوں میں
حد چاہئے نہرا میں عقوبت کے واسطے ۴ آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں
کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے ۵ نعل ز شد و زرو گو بہر نہیں ہوں میں
رکتے ہو تم قدم مری آنکھوں کیوں نہ ۶ رتبے میں حروباہ سے کمتر نہیں ہوں میں
کتے ہو مجھ کو منع قدم مری کس لئے ۷ کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا

۸۔ وہ دن گئے کہ کہتے تھے ذکر نہیں میں

شعر (۱۱) دائم ہمیشہ مطلب ہے کہ کاش میں پتھر ہی ہوتا کہ تیرا سنگ رہتا اور تیرے قدم کی جگہ دھوا
نصیب ہوا ایسی زندگی پر خاک ٹپے کہ میں پتھر سے بدتر ہوں سرے معنی اسکے یہ بھی ممکن ہے کہ اگر ایک شخص کسی معزز
آدمی کا جا کر ہوا اور چند روز وہاں رہے تو وہ شخص یا اسکے متعلقین اس قسم کی کانا پھوسی ازراہ طعن کریں کہ یہ
شخص یہاں وٹیاں کھانے کیلئے پڑا ہے تو وہ شخص طیش میں آکر جواب دیتا ہے کہ میں ہمیشہ کمال کا کارہا ہوں۔
جو اس چند روزہ روٹیوں پر تم مجھے ذلیل کر رہے ہو میری ایسی زندگی پر نصرت ہے کہ میں یہاں آکر ذلیل ہوا اور
بے خاندانہ تم لوگوں سے تعلقات پیدا کئے اس قسم کی مثالیں آجکل کے صوفیاء اور مشائخ کے آستانوں پر بہت
ہل سکتی ہیں۔ پیر صاحب تو شاید ایسی بدلی کریں یا نہ کریں لیکن ان کے بعض منتر پڑھے مرید اور اسکے رشتہ دار
ضرور ایسی کم ظرفی اور تنگ دلی کا ثبوت دیا کرتے ہیں۔

شعر (۱۲) مدام ہمیشہ مطابقت ہے کہ اس ہمیشہ کی گردش ایام سے میرا دل کیوں آگتا جائے۔ آخر گردش
کی کوئی حد ہوتی ہی میں کوئی شراب پیالہ تو نہیں ہوں کہ جکی قیمت میں ہمیشہ کی گردش لکھی ہے میں تو انسان ہوں

شعر (۳۴) لوح تنجی، حرف کمر۔ وہ حرف جو ایک بار لکھنے کے بعد دوبارہ لکھا جائے چوکھہ حرف
بیکار اور زائد ہو جائے اسلئے شمار یا جاتا ہے مرزا احتاج اب باری میں فریاد کرتے ہیں کہ یا الہی میں کسی عبارت
تحریر کا حرف کمر تو نہیں ہوں کہ رٹانے کے لوگ میرے مٹانے اور فنا کرنے کے پے میں یعنی میں دنیا میں ایک
بار آنے کے بعد دوبارہ تو نہیں آگیا کہ مجھے عدم آبلو پہنچانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

شعر (۳۵) عقوبت، تکلیف، دکھ، عذاب مطلب یہ ہے کہ تم جو میرے کسی گناہ کی وجہ سے سزا دے رہے
ہو اور تمہاری سزا ختم ہونے ہی میں نہیں آتی آخر اسکی کوئی حد ہونی چاہیے۔ یہ مانا کہ میں گنہگار ہوں لیکن
کافر تو نہیں ہوں کہ دائمی عذاب میں مبتلا رہوں۔

شعر (۳۶) صاحب اور قاضی خدا سے فقیر شعر تصور فرما کر یہ معنی کرتے ہیں کیا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بیشک روگو ہر اور عمل و مرد سے نفرت ہے اور انہیں آپ حیرت انگیز و شکوہ فرماتے
ہیں مکن میں تو ان میں کوئی چیز نہیں ہے میں تو آپ کا غلام یعنی اتنی ہوں پھر مجھے عز و غرور نہ رکھنے کی کیا وجہ ہے؟
ہم نہیں سمجھتے کہ اس شعر میں نعت کا کون سا قرینہ موجود ہے البتہ اسی خدا نے جو دوسرا پہلا ظاہر کیا
ہے وہ قرین قیاس ہے یعنی محبوب کا گناہ ہے کہ یہ مانا کہ تم زندہ گوہر سے مستفیض ہو لیکن میں تو تمہارا چلہ منے
والا تم سے محبت کرنے والا۔ تم پر جان دیتے والا عاشق ہوں۔

شعر (۳۷) ان دونوں شعروں کی نسبت بھی حضرات شاعرین قیاسی فرمایا ہے کہ یہ شعرا بھی فقیہ ہیں
اور قاضی معراج شریف کے متعلق ہیں پہلے شعر کے تو یہ معنی کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
طرف خطاب کیا کہ جب آپ کو شب معراج دیدہ ہائے حروماہ پر قدم رکھنے میں کچھ دریغ نہ ہوا تو پھر میری اسکو
پر قدم رکھنے میں کیا اعتراض ہے رتبہ میں میں ان سے کچھ کم نہیں ہوں۔

دوسرے شعر کے یہ معنی کرتے ہیں کہ آپ نے شب معراج آسمان کو شرف قدس بوسی بخشا پھر میری
قدس بوسی سے کیوں انکار ہے کیا میں آسمان کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا۔

ہماری رائے میں یہ دنوں شعر بھی نعتیہ نہیں ہو سکتے یہ شعر تو اس حالت میں نعتیہ ہو سکتے تھے اگر مرزا صاحب حضور سرور کائنات مخرجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں آپ کی حیات ظاہر کے زمانے میں موجود ہوتے لیکن پھر بھی اس قسم کی تعلیٰ اور خود ستانی حضور کے سامنے زیبا نہ تھی۔

شعر (۸) وظیفہ خوار۔ وہ شخص کہ جس کا بطور انعام کچھ ماہانہ مقرر ہو اس شعر میں ادائیگی شکر یہ کا بھی ایک پہلو ہے اور اپنی مجبوری کا بھی۔ ایک پہلو تو یہ ہے کہ غالب ایک ن تو وہ تھے کہ تم مایوسی، ناداری اور بیزاری کے عالم میں کہتے تھے کہ میں نوکر نہیں ہو لیکن اب بادشاہ مستلا کو دعائیں دے کہ اس تمہیں اس فکر سے رہائی بخشی اور تمہارا وظیفہ مقرر کر دیا مصرعہ اولیٰ میں لفظ وظیفہ اور لفظ دعا کی لفظی و معنوی رعایت بھی خوب ہے۔

دوسرا پہلو اس یہ بھی ہے کہ کبھی ہمیں ناراض البالی حاصل تھی اور ہم اندازہ تکبر و غرور کا کرنے لگے تھے کہ ہم کسی کے نوکر نہیں ہیں لیکن اب وہ دن گئے کیونکہ مفلسی اور ناداری نے ہمیں نوکر ہونے پر مجبور کر دیا۔

- | | | |
|--|----|---|
| ۱۰۸) سب کچھ لالہ و گل میں بنایا ہو گئیں | ۱ | خاک میں صورتیں بنائی کہ پتہاں ہو گئیں |
| یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں | ۲ | لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں |
| تھیں نباتات شعل گرد و دلوں پر سے نہاں | ۳ | شکوہ کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں |
| قید میں یعقوب کے گوی نہ یوسف کی خبر | ۴ | لیکن اب کھیں زن دیوار زنداں ہو گئیں |
| سب قیدیوں کا ہونا خوش پر زنانہ مصر سے | ۵ | ہے لیکن خوش کہ مجوہہ کنعاں ہو گئیں |
| جوئے خوں بھوں سے بنے دو کہ ہر شام فراق | ۶ | میں سمجھو گا کہ دو شمعیں فروزاں ہو گئیں |
| ان پر نرادر و گل لینگے خلد میں ہم انتقام | ۷ | قدیرت حق سے سی حوریں گرواں ہو گئیں |
| نیند آتی ہر دماغ اس کی راتیں لگی ہیں | ۸ | تیری لہیں جسکے بازو پر برشاں ہو گئیں |
| میں جن میں کیا گیا گویا دلتاں کھل گیا | ۹ | مبلیں منکر مرے نالے غر خوان ہو گئیں |
| وہ نگاہیں سن گئی جاتی ہیں رب کے پار | ۱۰ | جو مری کوتاہی قیمت سے مرگان ہو گئیں |

بسکہ وکامیں اور سینہ میں بھرنے کے لیے ۱۱ میری آپس بچیہ چاک گریاں ہو گئیں
 داں گیا بھی میں انکی گالیوں کا جواب ۱۲ یاد تھیں خننی عانیں صرف رباں ہو گئیں
 جانفزا ہر بادہ جسکے ہاتھ میں جام آ گیا ۱۳ سب لکیریں ہاتھ کی گویا رنگت خان ہو گئیں
 ہم موجد ہیں ہمارا کیش ہی تو کب سووم ۱۴ ملتیں جب بیٹ گئیں اجڑائے میان ہو گئیں
 رنج سے ہو کر ہوا انسان سچا تاہی رنج ۱۵ شکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آسان ہو گئیں

یونہی گر رہتا رہا غالب تو اسے اہل جہاں
 ۱۶ دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

شعر (۱) آہ کیا حسرت بھرا شعر ہے کہ جسے پڑھ کر دل پر حسرت و غم کی گٹھائیں چھا جاتی ہیں یعنی ہزار حسرت
 فرماتے ہیں کہ یہ جو چین میں بعض تنہا خوشنما پھول کھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے انکی اہل کیا ہے؟ آہ یہ یہ ظالم
 موت کی خوشگمانیاں اور گلکاریاں ہیں جسے کتنے گلبد گل اندام، گلفام اور گل و حسینوں کو خاک میں ملا دیا کہ جو
 مالہ و گل کی صورت میں کچھ کچھ نمایاں ہوا ہے میں آہ وہ کتنی دلفریب، روح پرور اور کسی پیاری پیاری میں
 ہونگی کہ جو خاک میں مل گئیں۔ حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں سے

اے گل جو آدمی زریں گو چگونہ اند
 آں روئیا کہ در نہ گرد فنا شد نہ

شعر (۲) مطلب ہے کہ اہل زمانہ یا اسے بہت شباب لوگو یا دولت و جہ کے نشہ میں سرشار لوگو اور
 محفل عیش و طرب کی آرائشیں کرنے والو ہم بھی اپنے عالم شباب میں اس قسم کی رنگین محفل آرائیاں کرنا جانتے ہوتے
 ۱۵ اس قسم کی مجلسیں ہمیں بہت مرغوب تھیں لیکن اب وہ ہمارے طاق فراموشی میں ہی گم ہو گئیں بھان لشد
 کیا بیاں مہر عہد و نقش و نگار طاق نسیان گئیں اس مہر عہد میں شاعری کی روح موجزن ہو گئی ان باتوں کو
 اب ہم نے طاق نسیان کا نقش و نگار بنادیا ہے کیا معنی کہ ہم سب کچھ بھول گئے کیونکہ گردشِ یام اور عالمِ پیری نے

یہ سب تہمتیں چھین لی ہیں۔ عجرت! حسرت!

شعر (۳۳) نبات النعش۔ قطب شمالی کی طرف رات ستارے گردش کرتے ہیں چار کو نعش اور تین کو نبات کہتے ہیں اور بن کنعش سے یہ نبات النعش بنا ہی یعنی چار تو بے صورت نعش ہیں اور تین نعش اٹھا ہوا ہے میں درجنہ اور اٹھا ہوا ہے کو عربی میں بن نعش کہتے ہیں واقعی صاف فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ان تیار کو مونت یا ندھ ہے ہمارے خیال میں چونکہ نبات لفظ بنت کی جمع ہے اور بنت عربی زبان میں بیٹی کو کہتے ہیں اس لئے مرزا صاحب نے بیٹی کو ندھ ہے اور اصل میں لفظ نبات نعش معلوم ہوتا ہے اور کو بدل لکھ لکھام سے زنا کیا گیا ہے۔ عربیوں پر مہمہ مطلب ہے کہ اسے پردہ نشین محشوق تیری نبات نعش بھی بہت بڑی پردہ نشین ہیں نہ کو تو صورت نہیں کھاتیں ورنہ کو نقاب اٹھا کہ دیدار عام تھی ہیں آخر اس کی وجہ کیا ہے؟
دراصل محشوق کو بے حجاب اور بے نقاب کرنے کی یہ ایک شقانہ چال ہے۔

شعر (۳۴) سعدن۔ سورخ۔ زندان۔ تیرد خانہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا مصر میں ہونا اور ایک والد حضرت یعقوب علیہ السلام کا انکی جدائی میں رورور کر اپنی آنکھیں کر لینا ایک ظلم اور مشورۂ قصہ ہر مولانا کی فرماتے ہیں کہ یعقوب کی آنکھوں کو روزوں پر اور قرار دیا ہے کیونکہ جس طرح روزوں زنداں ہر وقت یوسف پر کشادہ ہوتا تھا اسی طرح یعقوب کی آنکھیں شب روز یوسف کی نگراں رہتی ہیں۔

شعر (۳۵) ماہ کنعاں۔ کنعان حضرت یوسف علیہ السلام کا وطن تھا اور غایت حسن چہاں کیونکہ سے آج کو ماہ کنعاں کہا جاتا ہے حضرت یوسف اور زلیخا کے عشق و محبت افسانہ بھی زبانِ دعام میں یعنی یہ افسانہ بھی مشہور ہے کہ مصر کی عورتیں زلیخا کی تعریفیں کرتی تھیں کہ وہ اپنے مایہ نام پریشانی ہے چونکہ مصر کی عورتیں یوسف حسن چہاں سے واقف تھیں اس لئے زلیخا نے زبانِ مصر کی ایک عورت کی اور یوسف کو اس محفل میں یکایک جلوہ افروز کر کے حسن کی ایسی بیانیوں میں کہ زبانِ مصر نے بجائے سبک ٹھنے کے عالمِ محویت میں اپنی انگلیاں کاٹ لیں سب سے ہے کہ تمام عاشق تو اپنے اپنے رفیقوں سے ناخوش ہوتے ہیں بلکہ اپنے محشوق کی صورت کھانا انہیں گوارا نہیں

ایک زلیخہ بگنکس اس کے اپنے انتقامی جذبے کی بنا پر خوش ہے کہ زنانہ صحن پر صفت سے ایسی متاثر ہوئیں کہ ان کی حالت دلیا فلیا کی سی ہو گئی اور یہ انتہائے عشق و محبت کی علامت ہے۔

شعر (۶۷) جوئے ہوں۔ خون کی نہریں اس جگہ خون کے انور و نامرد ہے۔ فروزاں۔ دشمن مطلب ہو کہ خام فراق کی وجہ سے چونکہ میرے گھر میں ہر طرف تاریکی چھا گئی ہے پس حضرتنا صبح مجھے کسے آنسو بہانے سے کیونکر فرماتے ہیں میں سمجھوں گا کہ اس تاریکی شب میں چراغ روشن ہو گئے ہوں گے کھوکھلی کمر خالی سے بھی مجازاً دشمنوں کی گئی ہیں۔

شعر (۶۸) خلد بہشت انتقام بدلہ۔ پر زور۔ مجازاً معشوق حسین مطلب ہے کہ یہ معشوق اور حسین جو سچ ہماری بات نہیں سنتے ہماری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے اور ہمیں تر پاتر پاتا اور ترسانہ سا کہہ کر رہے ہیں گرجانے اپنی قدرت انہیں حسینیوں کو بہشت میں جو رہیں بنا دیا تو ہم اپنے دل کی خوب حسرتیں نکالیں گے

۱۱ ان حسینیوں سے کہیں گے کہ کو اب کیا معاملہ ہے بقول امیر سنائی سے

آجائیں بس میں وہ تو کیوں میں شب وصال
وہ شوخیاں کہاں گئیں جن پر غم سرور تھا

شعر (۶۸) سبحان اللہ یہ بھی کیا پاکیزہ شعر ہے کہ جس کی تعریف و تائیل نہیں مل سکتی اس شعر کو شہ نواز یا بیت افضل کہنا چاہیے اس شعر کی حقیقت وہی حضرات لذت اندز ہو سکتے ہیں اہل ریا، اہل فتنہ اور سحران نصیب ہیں اور سچ پوچھیے تو ان ظالموں میں اس شعر کی حقیقت بیان نہیں ہو سکتی خیر سرسری مطلب اس کا یہ ہے کہ اے بزرگوار محبوب کیا جو خواب باز ہونا اس خوش قسمت کے جو تیرے جیسے حسین کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی اس کا ہے جو تیرے جیسے ہوش سے ہم خوش ہو اور انہیں اس کی جو تیرے جیسے راحت جان کیساتھ رہ کر شب وصال کے مزے لے رہا ہے اور اسکے گیسوئے مشکیں تیرے بازو پر لکیرے ہوئے ہیں یعنی جس کے بازو کو تو تکیہ سر نہائے جو خواب باز ہونا

شعر (۶۹) بدستان۔ مدرسہ مطلب ہے کہ جیسے میں نے سیر جن کو جانا شروع کیا ہے چمن بھی اس طرح آباد رہے ہیں چمن میں سیر غزل خوانی کرنے سے بلبلس بھی غزل خوانی سیکھ گئی ہیں یعنی جس وقت میں

جیب، گریبان، پیر میں۔ مطلب ہے کہ جوشِ بُت پرستی میں میرے دیوانہ پن کی یہ حالت ہے کہ میں نے اپنے جیب و گریبان کی ایسی دھجیاں اڑائی ہیں کہ پیر میں میں ایک تار تک نہیں چھوڑا تاکہ وہی نہ نار کا کام دیتا اور بتوں میں ہماری عزت رہ جاتی۔

شعر (۱۲) یعنی جب ہم حسرت دیدار کی خواہش میں عاجز آچکے تو اسکے بعد ہمیں یہ بھی محسوس ہونکہ ہم میں تو طاقت دیدار بھی نہ تھی۔ فضولِ دل کو ضائع کیا۔

شعر (۱۳) ایک واقعہ کے بیان میں ایسے مناسب محاورات کا دستیاب ہو جانا عجیب اتفاق ہے اس مضمون کو چاہو حقیقت کی طرف لے جاؤ یا مجاز پر محمول کرو دو دونوں صورتوں میں مطلب یہی کہ اگر تیرا ملنا آسان نہ ہوتا یعنی دشوار ہوتا تو کچھ دقت نہ تھی کیونکہ ہم مایوس ہو کر بیٹھ پڑتے اور شوق و آرزو کی خش سے چھوٹ جاتے اگر مشکل یہ ہے کہ بطرح وہ آسان نہیں اسی طرح دشوار بھی نہیں اور اس طرح شوق و آرزو کی خش سے کسی حدت و سبقت نہیں ہوتی (یا دیکھا، شعر (۱۴) مطلب ہے کہ بغیر عشق بازی کے تو زندگی کا لطف ہی نہیں لیکن یہاں ضعف و ناتوانی نے وہ حالت بنا رکھی ہے کہ بقدر لذتِ آزار طاقت ہی نہیں رہی کہ عشق کا کوئی صدمہ برداشت کر سکیں۔

شعر (۱۵) شوریدگی۔ دیوانہ پن۔ مطلب ہے کہ میرے دیوانہ پن کی وجہ سے میرا سر بھی میرے کانڈھے پر وبال و مصیبت ہے اور اس صحرا و نوردی نے بھی مجھے کوئی فائدہ نہ دیا کیونکہ یہاں کوئی دیوار بھی نہیں کہ اسکے ساتھ میرے کونڈے کو ٹکرائے اور اپنے کانڈھے کا بوجھ ہلکا کر لیتا۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ

کمان تک روؤں اس کے خیمے کے پیچھے قیامت ہے

میری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

شعر (۱۶) مطلب ہے کہ میرے دل میں دشمنوں کی عداوت کی گنجائش اور بھائی کہاں، یہاں تو ضعف و ناتوانی سے دلِ مستعد رنگ گیا ہے کہ اب اس میں کسی شو کی کشت و خیال کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ شعر (۱۷) مطلب ہے کہ او ظالم میری آہ و زاری سے ڈرا اور خوفِ خدا کیونکہ میرے نامے مرغ

انہیں کے نامے تھیں کہ تو انکی تاثیر کا قائل نہو اگر لفظ مرغ کو بغیر اضافت پڑھا جائے تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مرغ تو گزرتا رہے لیکن اسکی آواز تو گزرتا رہیں اسکی آواز کو کیسے گلو گیر کر سکتا ہے اور یہ نالہ و نادی ضرور رنگ لائیگی بقول شاعر

آہ مظلوم بُری ہوتی ہے اس سے ڈرنا!

درد مندوں کا کہیں دل نہ دکھائے کوئی

شعر (۸) روشنی، مقابلہ خلش چھین مطلب ہے کہ میرے دل میں تو اسے ضعف کے ایک ٹکڑے چھیننے کی بھی طاقت نہیں لیکن جذبہ حسن و عشق کا یہ جل ہے کہ معشوق کے صفِ مرگاں سے مقابلہ کی ٹھان رکھی ہے جتنی ہلکوں کے تیر و پیکان کے زخم کھارہا ہے۔

شعر (۹) اس شعر میں لفظ سادگی خاص طور پر معنی خیز ہے ایا کہ یہ کہ ہماری معشوق کی سادہ دلی دیکھ کر عجیبے کیلئے آئے ہیں لیکن خالی ہاتھ آئے ہیں دو کسر یہ کہ انکی یہ سادگی ہی دراصل ہمیں قتل کر رہی ہے اور ہم اس سادگی پر جان شے ہے ہیں۔ ایک یہ شعر بھی اس کی تائید کر رہا ہے

خیش تیغ نظر پر کما ہنس کر میں نے

کیا قاتل ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں

شعر (۱۰) خلوت، تنہائی، جلوت، مجلس میں ظاہر ہو کر بیٹھا مطلب ہے کہ بعض لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ سد کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہے یہ خیال غلط ہے سد کا ظاہر و باطن یکساں ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں کہ بشوگ سد کو جذبہ مست سمجھتے ہیں اور بعض سادگ ہو شیار یہ بھی غلط ہے دراصل وہ ان دونوں امتیاز کے مین میں ہے۔

۱۔ وہاں نہیں ہے نسیم کوئی بجیہ کے درخور کرتی ہیں ۱ ہوا ہے تار کشک یا اس شہتہ چشم سوزن میں

۲۔ ہوتی ہے ناز ذوق تماشا خانہ ویرانی ۲ کف سیلاب تاقی ہے بزرگ پندہ وزن میں

۳۔ وراثت بخانہ سیداد کا و شہائے مرگاں میں ۳ نگین نام شاید ہے سکر ہر قطرہ خون تن میں

۴۔ میاں کی ہو ظلمت گمتری بیکر شبستان کی ۴ شہنشاہ ہو جو رکھ دیں فیہ یار وں کے روز میں

نکوشش مانع بے ربطی شور جنوں آئی ۵ ہوا ہے خندہ احباب بخیمہ حبیب امن میں
 ہوئے اس مہروش کو جلوہ تمثال کے آگے ۶ پیرافشان ہر آئینہ مثل زبرہ ورن میں
 نہ جانو نیک ہون یا بد ہو پر صحبت مخالف ہے ۷ جو گل ہو تو ہو گلشن میں جو حسن ہو تو گلشن میں
 ہزار دہل دیے جوش جنوں عشق نے مجھ کو ۸ سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن میں
 اسد زندانی تاثیر الفت ہائے خواباں ہوں
 خیم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

شعر (۱) بخیمہ کے درخور۔ سلائی کے قابل۔ تار اشک یا اس۔ بجات ناامیدی اشکوں کے گرنے شہ یعنی
 تاگہ سے مراد لی ہے چشم سوزن، سوئی کا ناکہ، اشک کے لفظ سے چشم سوزن کی رعایت خوب ہے۔ مطلب ہے کہ چونکہ میرے
 بدن میں کوئی ایسا زخم نہیں جو بخیمہ کرنے کے قابل ہو اسلئے بخیمہ گر کی سوئی میرے حال پر آفتو بہاتی ہے اور ناامیدی
 کے، اندوں کا تار سوئی کی آنکھ یعنی ناک کے کا تگین گیا ہے۔ ایک ناک خیل نے اس طرح بھی لکھا ہے۔

مرے تارِ نظر کو سوزنِ مرگیاں سے وحشت میں

جو سینے کو گریباںِ تنہا رنو کرنے کو داماں تنہا

شعر (۲) پنہ۔ روئی۔ کیف سیلاب۔ پانی کی جھاگ مطلب ہے کہ میں اس شد کے ساتھ رویا کہ میرے
 آنسوؤں کے سیلاب میرے گھر کو تباہ کر دیا ہے کہ روزوں میں کیف سیلاب روئی کی طرح موجزن جس لذت تماشا و
 سیر بھی باقی نہیں ہے۔ قاعدہ ہے کہ سیلاب کے بعد کچھ جھاگ درو دیوار یا زمین کے سوراخوں میں تاقی رہ جاتے ہیں۔

شعر (۳) ودیت، امانت۔ سونپنا۔ کاوش۔ کھودنا۔ تلاش کرنا۔ بیدار۔ ظلم یگین۔ یگینہ مطلب ہے
 کہ میرے خون بدن کا ہر قطرہ ایک یگینہ بنا ہوا ہے جس پر مرگیاں یا رنے کرید کرید کر اس کا نام لکھ دیا ہے اور میں مرگیاں
 یا رکی کاوشوں کے ظلم کا امانت خانہ ہوں قریب قریب اسی مضمون کا ایک شعر یہ بھی گزر چکا ہے۔

ایک ایک قطرہ کا مجھے دنیا پر حساب خونِ جگر ودیتِ مرگیاں یا ر تھا!

شعر (۷) گسری۔ سخت۔ پھیلاؤ۔ ثبوت۔ رات کی آرمگاہ۔ شب۔ چاندنی رات۔ مطلب ہے کہ میری غائے غایت کی عظمت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے یعنی اسکی حالت ہے کہ اگر اسکی دیواروں کے رومن میں پنبہ رکھ دوں تو اس سے چاندنی رات کا دھوکا ہو جائے۔ یہی مضمون اس سے پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔

کیا کہوں تاریخی زندانِ فہم اندھیر ہے!

پنبہ نور صبح سے کم میرے روزن میں نہیں

شعر (۵) نکویش۔ طاعت۔ خندہ۔ ہنسی۔ مطلب ہے کہ میرے دوستوں کی مثلاً انگیز ہنسی میرے جوشِ جزین کیلئے نکاوٹ کا باعث ہوئی اور میں شرمندہ ہو کر اپنے جیبِ دامن کو چاک چاک کر سکا اور دوستوں کی ہنسی نے ایک طرح سے سنجیدگی کا کام دیا۔ اس شعر کے لفظ خنداں میں بخجہ زندانِ نما کی تشبیہ مفہم ہے۔

شعر (۶) مثال۔ صفت، پریشاں یعنی اڑتا۔ جوہر۔ خلاصہ ہر چیز اور عرض کی ضد یعنی عرضہ چیز ہے جو بذاتِ خود قائم نہ ہو اور جو ہر وہ چیز ہے جو بذاتِ خود قائم ہو بلکہ عرض کا وجود جو ہر وسیلہ سے ہو مثلاً لوح جو ہر درفش عرض مطلب ہے کہ بطرحِ کعب کی شاعریوں ذہن پر فضا معلوم ہوتے ہیں اسی طرح اس دوش کو عکس رخ کی ٹینے میں ہر کونے پریشاں ہیں۔ شعر (۷) مطلب ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میں نیک ہوں یا بد ہوں لیکن اتنا تو ضرور معلوم ہے کہ جیسا میں ہوں ویسی مجھے محبت نصیب نہیں ہوئی یعنی اگر میں گل ہو تو جو محبت مجھے حاصل ہے میں اسے اپنے لئے لگھو (آتشگاہ سمجھا ہوا) اور اگر ضیوں تو صحت میرے لئے گلشن ہے اور جس کو گلشن میں نہیں رہنا چاہیئے انھیں محبت ہر حال میں مخالف ہے۔

شعر (۸) سویدا۔ وہ سیاہ نقطہ جو دل میں ہوتا ہے مطلب ہے کہ جنونِ عشق کے جوش میرے خون کا ہر قطرہ سیاہ ہو کر سویدا بن گیا اور نہایت سوئے دل گو با مجھے ہزاروں لعل گئے یعنی میں ہر قطرہ خون میرے جسم میں بمنزلہ ایک بدل کے ہے اور ہر دل میں سو داغے عشق بھرا ہوا ہے۔

شعر (۹) زندانی۔ قیدی۔ نوازش۔ حیرانی۔ مطلب ہے کہ اے اسد میں حسنین کے جذبہ محبت کا قیدی ہوں یعنی ان کا ہر جوار راہ حیرانی میری گردن میں پڑا ہے وہ بمنزلہ ایک طلاق گردن کے ہے۔

(۱۱) مریے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں ۱ سوائے خون جگر سو جگر میں خاک نہیں
 مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے ۲ وگرنہ تائب توں بال و پر میں خاک نہیں
 یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے؟ ۳ کہ غیر جلوہ گل بہ گند میں خاک نہیں
 بھلا اسے نہ سہی کچھ بھی کو جسم آتا ۴ اثر مریے نفس بے اثر میں خاک نہیں
 خیال جلوہ گل سے خراب ہیں مے کش ۵ شراب نہ کی دیوار و در میں خاک نہیں
 ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ ۶ سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں

ہمارے شعر میں اب صرف دلگی کے اسد
 کھٹا کہ فائدہ عرق ہنر میں خاک نہیں

شعر (۱۱) خاک میں مٹی کچھ نہیں مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ہر قسم کے مڑوں اور لذتوں میں اب ہمیں
 کوئی حظ حاصل نہیں ہوتا سوائے خون جگر چنے کے لیکن فوس ہے کہ اب ہمارے جگر میں مٹی بھی نام کو نہیں رہا۔

شعر (۱۲) مگر یعنی شاید مطلب یہ ہے کہ ہمارے بال و پر میں تو طاقت پر غار رہی نہیں شاید ہمارے
 خباثت یا خاک ہو جانے کے بعد ہوا ہماری خاک کو اڑا کر کوچہ مجرب تک پہنچائے بقول شخص سے

کبھی تو اڑ کے کسی دہ پہ جا ہی پنچوں گا

پس نسا مری مٹی بھی تم اڑا دیتا

نقاش مرحوم کا شعر ہے کہ

تری نسیم محبت اڑا کے لائی ہے

تری گلی میں بزرگ غبار بیٹھے ہیں

شعر (۱۳) شمائل جمع شہیدہ یعنی خصلت و عادت مطلب یہ کہ یہ کون سے فردوس منظر سراپا
 جنت کا گڑھ رہا ہے کہ اسے میں سوائے پھولوں کے کچھ نظر نہیں آتا ذرا ہمارے خاک بھی جلوہ گل بنے ہوئے ہیں۔

شجر (۱) نفس۔ سانس۔ مجازاً آہ و زاری مطلب ہے کہ میری آہ و زاری قطعی بے اثر ثابت ہوئی ہے اگر اس بے رحم لڑکچہ پر رحم نہیں آتا تو مجھے خود اپنے حال پر رحم کرنا چاہیے تھا یعنی اس لڑکچہ آہ و زاریوں میں سے بارگاہ شجر (۵) میکش مجازاً شراب فش، مطلب ہے کہ فصل گل آ رہی ہے اور اس خیال سے کہ موسم بہار میں بغیر گل و گل کیونکر گزریگی بادہ نوش خرابی ہے ہیں رتہ شراب خانہ کے در و دیوار میں گلکاریاں تو کجا و گل خاک تک نہیں ہی اور میخانہ تباہ ہو رہا ہے اور اگر لفظ خراب کہ ہم معنی مست سمجھا جائے تو یہ معنی ہونگے کہ صوفیاء جلوتہ گل سے میکش مست بنے بیٹھے ہیں ورنہ شراب خانہ میں تو خاک نہیں۔

شجر (۶) غارتگری۔ لوٹ مار۔ قاضی چٹا فرماتے ہیں کہ مرزا غالب ہلی میں پچاس سال تک رہے لیکن ہمیشہ کو ایک مکان میں رہے خود مکان بنانے کی دل میں حسرت ہی ہی چھپا چھپا اس شعر میں اس کا اظہار کیا ہے مطلب ہے۔ کہ میں عشق کی غارتگری کی وجہ سے نہایت شرمندہ ہوا اس گنج کو بالکل پامال محتاج کر دیا ہے میر گھر میں یعنی میر کی اس اب کچھ باقی نہیں رہا صرف ایک حسرت تعمیر باقی رہ گئی ہے اسی خیال کو ایک اور جگہ اس طرح بیان کیا ہے۔

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا

وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر ہو ہے

شجر (۷) کھلا یعنی یہ عقدہ کھلا۔ جاب قاضی چٹا خوب فرماتے ہیں کہ مرزا غالب جس پایہ شاعر تھے اس کے شایان انکی قدر نہ ہوئی۔ مہر ترقی میں بہادر کو خطاب کہنے کا ہر کیا ہے کہ شایان کے عہد میں کلیم شاعر مہر ترقی میں تو لایا گیا لیکن میں جس قدر چاہتا ہوں کہ وہ کچھ نہیں میرا کلام ہی کلیم کے کلام کیسا بڑا بڑا لیکن ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی مرزا غالب اس قدر ان کی شکایت جو بالکل مناسب ہے ان کے کہتے تھے چنانچہ منشی حبیب اللہ ذکا کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ایک کم ستر برس کی عمر ہوئی سو شہرت خشک کے فن شعر کا کچھ پہل نہ پایا فرما دیا مہر ترقی ہوئے مگر کچھ ہاتھ نہ آیا چنانچہ اس شعر میں اپنی اس قدر ان کی اور مصلحہ خیر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کہتے ہیں کہ ہمارے اشعار کیا ہیں جن میں سادگی ہے کیا خوب، بس معلوم ہو گیا کہ ہمارے ہر بالکل بیکار ہے۔

- (۱۱۲) دل ہی تو نہ تنگ و خست در دھرنہ آگیا ۱ روئینگے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں
 دیر نہیں حرم نہیں رہیں آستان نہیں ۲ بیٹھے ہیں رنگداریہ ہم غیر ہمیں اٹھائے کیوں
 جبہ جمال و نفروز صورت ہر نفروز ۳ آپ ہی ہوں نظارہ زریزے میں منہ نہ چھائے کیوں
 دشمنہ غمزہ جانتاں، ناوک نازے پناہ ۴ تیرا ہی عکس رخ سہی سلانے تیرے کیوں
 قید حیات و بند غم اصل میں و زوں ایک ہیں ۵ موت پہلے آدنی غم سے نجات پائے کیوں
 حسن و اسبہ حسن ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم ۶ اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزادائے کیوں
 واوہ غرور عز و تازیات حجاب اس وضع ۷ راہ میں ہم ملیں کما بزم میں وہ ملائے کیوں
 ہاں نہیں خد اپرست جاؤ وہ ہو قاسمی ۸ جسکو ہو یوں و دل عزیز اسکی گلی میں جاکیوں

غالب خست کے بغیر کون سے کام بند ہیں

۹ - روئیںے زار زار کیوں کیجئے مائے مائے کیوں

شعر (۱) تنگ و خست، اینٹ پتھر مطلب ہے کہ جیسے کوئی مکمل معشوق عاشق ستم رسیدہ کے نالہ و فریاد سے تنگ کرے یہ جبر و کنا چاہتا ہے اس پر عاشق جو با کتلا ہے کہ وہ جتنا اچھی لگی۔ ہم اپنے سینہ میں دلی جگہ اینٹ پتھر تو نہیں رکھتے کہ جو در در بتیاب ہو کر مائل گر یہ نہو جائے اور اسے کسی کا اجارہ ہی کیا ہے کہ ہم نہ روئیں اچھا یہ بھی سہی لیکن آپ یہ تو فرمائیں کہ آپ ہمیں ستائے کیوں ہیں، بقول شخصے سے

آہ شرفشاں پہ تم کہتے ہو مجھ سے چپ رہو

دل میں لگی ہو آگ جب کیوں دھوا اٹھا کرے

یا ے نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے

گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

شعر (۲) دیر نہ تنہا نہ حرم۔ وہ لحاظ جو کبتہ اللہ کے گرد اگر رہے مطلب ہے کہ جس جگہ میں بیٹھا ہو

کوئی بتخانہ تو ہے نہیں اور نہ ہی آپ بتخانہ کے پجاری ہیں جو آپ ہمیں پیچھے سمجھ کر اٹھا ہے میں اور نہ ہی یہ کعبہ مسجد ہے کوئی متولی مسجد میں کفر سمجھ کر اٹھا رہا ہے اور نہ ہی کسی امیر رئیس کا دروازہ ہے کہ مجھے وہاں اسٹے اٹھا باجا رہا ہے کہ کسی کی آمد و رفت میں خلل اور رکاوٹ واقع ہوگی یا کسی کی آمد کی چوٹ نہیں مجھے کدواؤں میں سمجھ کر دوسرے گدا اٹھا ہے ہیں تو ایک گزرگاہ عام ہے جو کسی کی ملکیت نہیں بظاہر کوئی جو میں اٹھا سکے اس کا حق اور کسی مستی ہی کیا ہے ہم یہاں بیٹھے ہیں اور ضرور بیٹھے رہیں گے ہمارا معشوق اس آہ سے گزر گیا تو ہم ضرور اس کا دیدار کرینگے اگر غیر اس پر چین بھیں ہوتا ہے تو ہوا کرے۔

شعر (۳۴) جمال و لغو ز۔ دلکو روشن کر نہوا الحسن۔ حرم خیزد۔ آفتاب نصف النہار۔ یہ شعر حقیقت اور حجاز کے معنی اپنے اندر رکھتا ہے مطلب ہے کہ جس طرح دوپہر وقت آفتاب کو اٹکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے اسی طرح جبکہ میر مجاہد حسن لافروز اپنے آپ ہی نظارہ سوز ہے یعنی تاب نظارہ کی اجازت نہیں دیتا تو پھر اس کی پڑہ میں چھپنے کو کیا ضرور ہو چھپنے کا نائدہ تو انہیں اب بھی حاصل ہے نہ میں اس آفتاب حسن کے نظارہ کی تاب ہی نہیں اور اُسے اٹکھ دیکھ کر دیکھ ہی نہیں سکتے۔

شعر (۳۵) دشمنہ بنجر۔ ناوک۔ تیر۔ جانسان۔ جان لینسوالا مطلب ہے کہ تیرے غمزدہ و ناز کے ترخیز جانسان اور بے پناہ ہیں یعنی ان کے کوئی بچ سکتا ہی نہیں پس تیرے سامنے ہرگز ہرگز کسی کو نہیں ناچا پیئے خواہ وہ تیرا ہی فلکس نہ کیوں ہو ممکن ہے وہ بھی خفی و گھائل ہو جائے اس خیال میں کمال ببالغہ کا اظہار کیا گیا ہے اس میں ایک نکتہ بھی پنہاں ہے کہ تیرا حسن ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے صرف انسان ہی متاثر ہوتا ہے بلکہ ہر چیز وہ خواہ مادی ہو یا غیر مادی سب پر کیا اثر انداز ہوتا ہے۔

شعر (۳۶) مطلب ہے کہ مدد زندگی یا قید غم دراصل دونوں ایک ہی چیز ہیں یعنی جب کہ انسان تعلقات مادی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اسے قید غم سے کیسے رہائی حاصل ہو سکتی ہے اس قید سے تو اسی وقت رہائی ہوگی۔ جب انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ نہ انسان زندہ ہوگا نہ اسے غم لاحق ہوگا اس کے یہ صوفیانہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ

بعض فنما کے بغاوت میں نہیں ہو سکتی لیکن حکیم مومن خاں مومن کیا خوب فرماتے ہیں سے

چھٹ کر کب ل اسیر محبت کی زندگی

نامح ! یہ بند غم ہیں قید حیات ہے

شعر (۶۱) سخن ظن، نیک گمان، بوالہوس، مجاز جسے حد سے زیادہ ہوس ہو۔ اکتھار۔ بھروسہ۔ مرزا غلامی
ایک خط پر اس شعر کی شرح فرمائی ہے یعنی سخن ظن اور سخن ظن و صفیتیں محبوب میں جمع ہیں یعنی صیغہ راجح ہے اور
گمان اس کا صحیح ہے کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ گمان اس کو اپنی نسبت کہ میرا بار کبھی بچتا نہیں اور میرا تیر غمرہ خطا میں کرتا
پس جب اس کو ایسا بھروسہ تو رقیب کا امتحان کیوں کرے اس سخن ظن نے رقیب کی شرم رکھ لی ورنہ رقیب ناشق
صادق نہ تھا اگر پائے امتحان درمیان نہ آتا تو حقیقت کھل جاتی۔

شعر (۶۲) اس شعر میں لف و نشر مرتب واقع ہوئی ہے مطلب ہے کہ ہمارے معشوق کو اپنے حق و عزت پر
غرور و فائز ہے درود اسے اپنی شان و وقار کے خلا سمجھتا ہے کہ اپنی معزز محل میں مجھ جیسے غریب شخص کو بار بار کی توقع
ہے اور ہم بادیہ و غریب نادار سونیکے خود دار واقع ہوئے ہیں کہ خود بخود بغیر ملائے کسی کے یا جان اپنی وضع کے خلاف
سمجھتے ہیں و ہمیں اپنی اس ضداری کا پاس کو طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہی کیوں نہ ہوں بقول شمس سے

وضع ادی اور غیرت روکتی ہے صلح سے

یہ طبیعت کتنی ہے ان کو مناتے کیوں نہیں

بلکہ اس حجاب پاس دفع کے خیال سے جب باز رو بھی جاتے ہیں اور شاہ راہ میں سے ہمناسا منابھی ہو جئے
تو اسے نہیں بابت بقول شخص سے کہ چہ یار سے ہم روز گذر جاتے ہیں تاج
دل کی خواہش ہے ہمیں آپ بلائے کوئی

شعر (۶۳) اصل اس شعر میں اس گفتگو کا نقشہ اتارا گیا ہے کہ کوچہ عشق و محبت نادانف لوگ ایک
ماتحت بونا کو بکھا ہے یہ نادان تو ایک بیوقوف اور سیرحم کافر کی محبت میں اپنے دین ایمان اور دل و جان کو قربان و

ہلک رہا ہے بہتر یہی ہے کہ اسے باز رہا میں اپنے محبوب کی نسبت ایسی بدگمانی اور بدگوئی شکر عاشق صادق کو تاب
 شنید نہیں ہوتی اور وہ جتنی کہ خواہ تیار ہے کہ اچھا چاہیے مٹا کیجئے وہ بیوفی ہی ہے مجھے اسکی بیوفائی ہی پسند
 ہے۔ پسند ہے ایمان و رذل و جان کی خریدائی۔ مجھے ملنے والے آپ کون ہونے ہیں آپ اس میں کیا نقصان
 ہوا ہے؟ دوسرے سنی اسے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر مجھے چنادین دل عزیز ہوتا تو میں اسے کو چہ عشق و محبت میں چلتا ہوں؟
 شعر (۹) درمیل میں منہ میں متعلقین اور دوست و احباب کی اس عارضی اور ہنگامی گریہ ناری اور راتم و نغلا
 دوسری تھی۔ بے جوہر طور پر دنیا میں کسی شخص کے مرنے پر لوگ کیا کرتے ہیں مطلب ہے کہ مرنے والے کی مائش پر
 موت بے اندہ آہ و رادی کر ہے ہو چند روز کے بعد ہی تم اسکو قبول چلاؤ گے اور اپنے کاروبار میں لگ جڑو گے
 اور یہی امر واقعہ ہے کہ کسی کے مرنے پر دنیا کے کاروبار بند نہیں ہو جاتے حتیٰ کہ ایک بادشاہ کی موت واقع
 ہونے سے تو یہی دفت دوسرے بادشاہ کا انتخاب جاتا ہے اور جب تک دوسرے بادشاہ کا انتخاب ہو جاتا ہے مرنے
 والے بادشاہ کی ریش بے گور و کفن پڑی رہتی ہے۔

- ۱۔ غنچہ ناشگفتہ کو دور مت دکھا کہ یوں ۱۔ بول کر پوچھتا ہوں میں سے مجھے، تبا کہ یوں
 ۲۔ پیش طرز دلبری کیجئے کیا کہ سن گئے ۲۔ اس کے ہر اک اشارہ سے بھٹکے ہے یاد کہ یوں
 ۳۔ رت کی بوقت میرے ساتھ رقیب لئے ۳۔ اے وہ یاں خد کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں
 ۴۔ غیر سے رات کیا بنی، یہ جو کہا تو دیکھئے ۴۔ سامنے آ بیٹھا اور یہ دیکھتا کہ یوں
 ۵۔ بزم میں اس کے روبرو کیوں خموش بیٹھے ۵۔ اسکی تو خاموشی میں کئی ہی طرح کا کہ یوں
 ۶۔ یہ کہ کہ بزم ناز میں سے غم سہی ۶۔ شکے سے حریف نے مجھ کو اکٹھا دیا کہ یوں
 ۷۔ دھم سے کہ جو بار نے جاتے ہیں خوش طرح ۷۔ دیکھ کے میری بخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں
 ۸۔ کب مجھ کوئے یار میں منے کی بھینچ یاد تھی ۸۔ آئینہ دایں گئی جبریت نقش پاک کہ یوں
 ۹۔ تم سے میں موخیاں صاف میں ق کا زوا ۹۔ موج محیط آب میں مارے ہر دست و پا کہ یوں

جو یہ کہہ کہ رنجیت کیونکہ مورث کا سی
۱۰۔ گفتہ غالب اکبر اڑھ کے اسے سنا کہ لوں

شعر (۱) مطلب ہے کہ شاعر چھپا ہے کہ بوسہ کس طریقہ سے لیا جاتا ہے منہ سے میرا بوسہ لیکر تباہ کر لیا
بوسہ لیا کرتے ہیں ٹھیک نہیں ہے کہ اپنے منہ کو بند کر کے جو بھڑو غچہ ناشگفتہ ہے بیٹھے رہوں میرا مقصد حاصل نہیں ہوتا
شعر (۲) چھپانے محبوب کے اس انداز رہبری کے فتنہ کرنے کی ضرورت ہی کیا کہ تم عاشقوں کے مل کس طرح چھینا
کرتے ہو کیونکہ جب ان کے بیان کر نیکی بغیر ہی ان کے ہر ایک اشارہ سے ظاہر ہو رہا ہو کہ وہ اس سے لڑائی کیا کرتے ہیں؟

شعر (۳) مرزا آفراتے ہیں کہ یہ تو میری عین تمنا ہے کہ خدا کرے میرا معشوق میرے گھر میں ضرور آئے
لیکن خدا یہ نہ کرے کہ وہ شرب پے ہوئے اور قیب کو ساتھ لے ہوئے۔ ایسے وصال سے ہم باز آئے۔

شعر (۴) یعنی میں نے جو ان سے دریافت کیا کہ فریائے رات غیر کے کس طرح بوسہ کی توقع ظالم میرے بالمقابل
آجیٹا اور اپنے اس انداز نشست سے ظاہر کر دیا کہ اس طرح ہم دروہ سامنے بیٹھے رہے نہ لطف صحبت اٹھاتے رہے ایک معنی
یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ میرے سوال پر غضبناک ہو کر سامنے آکر بیٹھ گیا اور زبان اٹا کہ اچھا اب تم بھی یوں گستاخی کرنے لگے
شعر (۵) شاعر کہتا ہے کہ بعض اہل محفل جو مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم خاموش کیوں بیٹھے ہو تو میری طرف
سے یہ جواب کہ میں اپنے محبوب کی محفل میں آداب محفل و راجی منشا کی خلاف کیسے کر سکتا ہوں کیونکہ میرا
محبوب خود خاموش بیٹھا ہے اور اسکی خاموشی کا مطلب یہی ہے کہ میں بھی خاموش بیٹھوں۔

شعر (۶) نہم ظریف۔ وہ ظریف جسکی ظرافت کیساتھ ظالم بھی ظاہر ہوا ہو مطلب شعر کا یہ ہے کہ میں نے قیب کو
غیر مجھ کر کہا تھا کہ آپکی محفل غیر خالی ہوئی جیسے اس بہ شکر مجھے بزم سے اٹھوا دیا یعنی یہاں ایک تو ہی غیر نظر آ رہا ہے
شعر (۷) یعنی میرے یار نے جب مجھ سے دریافت کیا کہ بہ تو تباہ ہوش کس طرح آ رہے ہیں؟ لیکن
یہ دیکھ کر کہ میں اپنے آب میں نہیں ہوں ہوا جاتے لگی کہ اس طرح ہوش آ رہے ہیں۔

شعر (۸) مطلب ہے کہ مجھے کوئی یار میں برار ہے ہا طریقہ معلوم نہ تھا لیکن نقش یا کے انداز نے مجھ کو بطور

مجھ واضح کر دیا کہ کوچہ محبوب میں اس طرح اپنے آپ کو مٹا کر رہنا چاہیے کہ جس طرح نقش یا حیرت زدہ اور خاک آلودہ ہوتا ہے۔
 شعر (۹) مطلب کہ اگر تجھے یہ خیال ہو کہ اصل ماحول یعنی خدا تک پہنچ کر کیونکر شوق و اشتیاق میں کمی واقع ہو جائیگی اور کس طرح اتحاد پیدا ہو جائے گا تو موج بحر کو دیکھو کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں مارنے کی حرکت سے تباہی پہنچا ہے اس حرکت کا آخری سکون بھی ہے جو مرتبہ اتنی دو اطمینان ہے۔

شعر (۱۰) کیونکہ یعنی کیونکر۔ رنجیتہ۔ اردو۔ گفتہ غالب۔ کلام غالب مطلب ہے کہ جو لوگ خیال کرتے ہیں اردو عربی فارسی شاعری سے کس طرح بہتر ہو سکتی ہے انکو مرزا غالب کا کلام سنا دو کہ دیکھو یوں ہوا کرتی ہے

رولف "و"

(۱۴) حسد دل اگر فسرہ گرم تماشا ہو ۱ کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے اہو

بقدر حسرت دل چاہیے ذوق عامی بھی ۲ بھروں یک چشمہ دامن گر آب ہفت ریا ہو

اگر وہ سر و قد گرم خرام ناز آجائے ۳ کف ہر خاک گلشن شکل فہری نالہ فرسا ہو

شعر (۱۱) مولانا خاکی فرماتے ہیں کہ محض خیالی مضمون نہیں بلکہ حقیقت واقعی کو یک نہایت عمدہ پیرایہ

میں بیان کیا ہے فی الواقع جب گھر کی چار دیواری میں محصور دنیا کے حالات سے اور لوگوں کی ترقی و تنزل کے

اسباب سے ناواقف ہوتا ہے اپنی جماعت میں کسی کو عمدہ حالت میں نہیں دیکھ سکتا لیکن جس قدر اس کا دائرہ وسیع اور

تعارف زیادہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس پر یہ بات کھلتی رہتی ہے کہ لوگوں کی خوشحالی محض اتفاقی نہیں ہے جس پر

حسد و رشک کیا جائے بلکہ انکی محنت و تدبیر کا نتیجہ ہے اور اس لئے انصاف اور فیاضی اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

”خود بھی کوشش و تدبیر کی طرف مائل ہوتا ہے اور بجائے حسد و رشک کے اور مل کی ریس اور پیروی

کے میں متوجہ ہوتا ہے اس معقول بات کو ایک محسوس تمثیل میں بیان کرتا ہے کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے

ہو جس طرح شعر نے غنیمت کے دلوں کو تنگ باندھا ہے اسی طرح حاسد کی آنکھ کو تنگی کیساتھ موصوف کیا ہے

شعر (۲) معاصی جمع معصیت یعنی گناہ۔ بھروں۔ لودہ کروں۔ گنہگار کو فارسی زبان میں دامن بھی کہتے ہیں بھروں ایک شے دامن میں بھی غایت اور مناسبت کی مطلب ہے کہ میر نے دل میں لذت گناہ کی حسرت اس کثرت کے ساتھ کہ اگر کیا ہو سکے سات دریا بھی ہو تو میرا ایک شے دامن بھی تر نہ ہوگا ایک اور شعر اسی مضمون کا پہلے بھی گزر چکا ہے

دریا سے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک

میرا مہر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

شعر (۳) کف ہر خاک۔ ہر کف خاک۔ قمری کارنگ خاکسری ہوتا ہے اسلئے ہر کف خاک قمری تھوہ کیا گیا ہے مطلب ہے کہ اگر میر اس وقت محبوب سرگرم خرام ناز ہو جائے تو قمری کی طرح ہر کف خاک گلشن نالہ کرنے لگے

(۱۱۵) کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں ۱ بھولا ہوں حق صحبت اہل کشت کو
طاعت میں تائب نہ تھے ونگیں کی لاگ ۲ روزخ میں الدو کوئی لیکر بہشت کو
ہوں مخرف کیوں وہ ورسم ثواب سے ۳ ٹیڑھا گاہے قط قلم سر نوشت کو
آئی اگر بلا تو جسگہ سے نہیں ملے ۴ ایرامی دیکھے ہم نے بچا یا ہے کشت کو

غالب کچھ اپنی سعی سے لینا نہیں مجھے

۵۔ خرمن جلے اگر نہ بلخ کھائے کشت کو

شعر (۱) کشت بخاناہ مطلب ہے کہ میں جواب کچھ دنوں سے کہہ گواپنا مسکن بنا لیا ہے میر نے معنی کیوں کرتے ہو؟ کیا معنی یاران تبکہہ کی صحبتوں کو فراموش کر دیا ہے؟ نہیں انکی یاد ویسی ہی تازہ ہے بقول شاعر

کعبہ بھی گیا پر نہ گیا شق تنوں کا

زہنرم بھی پیسا پر نہ کچھی پیاس جگر کی

شعر (۲) انگیں۔ شہد مولانا حالی فرماتے ہیں کہ جب تک بہشت قائم ہے لوگ عبادت اسی امید پر کرتے ہیں کہ شہد اور شراب طہور وغیرہ ملے گی پس بہشت کو روز میں جھونک دینا چاہیے تاکہ لالچ باقی نہ رہے اور لوگ غاصاً لوبہ اللہ عبادت کریں

شعر (۱۴) - سخر - ٹیڑھا - الگ ٹھنڈک ہنا - منکر ہونا - سر نوشت - پیشانی کا لکھا - تقدیر - ثواب - نیکی
جزائے خیر جو آخرت میں ہو مطلب ہے کہ میں بسم ثواب کا قائل نہیں ہوں کیونکہ یہ سخراف و کسری میری تقدیر میں
لکھی ہوئی ہے کیونکہ میری سر نوشت جس قلم سے لکھی گئی تھی اس کا قسط بھی ٹیڑھا ہی لگتا تھا۔

شعر (۱۵) - ایوا - ایراب - روپ - ڈالنا ایک شطرنج کا محاورہ ہے کشت سے بھی ایک اصطلاح
شطرنج ہی اس جگہ مراد ہے یعنی جب شطرنج کی بازی میں بادشاہ کے ٹہرہ کو کشت آتی ہے تو اسکو بچانے کیلئے لکھی
کبھی کوئی دوسرا حصہ بچے میں ڈال دیا کرتے ہیں اس کا نام اردب ہے مطلب ہے کہ اگر ہم یہ کوئی بلا نازل ہوتی ہے تو
بہ خوفزدہ یا پریشان نہیں ہوتے بلکہ ہم نہایت استقلال و استقامت اس کا مقابلہ کرنے کیلئے ڈٹے رہتے
ہیں و ہمارے اس ثابت قدمی نے ایک طرح سے ایراب کا کام دیا ہے۔

شعر (۱۵) - سعی - کوشش - تدبیر - طغ - مڈی کشت - کھینچی - مطلب ہے اے غالب مجھے اپنی کوششوں
اور تدبیروں کا کبھی کوئی اچھا نتیجہ کھیننا نصیب ہوا اگر میری کھینچی کبھی مڈیوں کی تباہی سے بچ گئی اور میری محنت
سے اس خرم کی صورت بھی اختیار کر لی تو وہ خرموں ضرور جل کر رہا خواہ کسی دشمن نے گنگا دی یا بجی گر پڑی
معنی ہمیشہ ناکامی و نامرادی ہی نصیبوں میں لکھی ہے مرزا خاں نے دراصل تقدیر کے مقابلہ میں ناکامی تدبیر کا نقشہ
کھینچا ہے بقول شخصہ سے اپنی تدبیروں پہ گونادوں بہت نازاں ہیں تاج

در حقیقت جلوہ گر تقدیر ہے تدبیر میں!

یہ کام بن بنکے بگڑ جاتا ہے اکثر اے تلج کون کم نجات ہے جہ فائز تقدیر نہیں
یہ سے خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار بار اے سمجھتا ہوں کہ دھوٹے پر ابھی سے برق خرموں کو
یا سے مذاں یہ میری کوشش کی ہے کہ مرغ امیر کوئے قفس میں فرہم نص آشیان کے لئے
۱۱۹۱ ورنہ اس میں کہ نجات ہی کیوں نہو کیجئے ہمارے ساتھ مدد و تہی کیوں نہو
چہوڑ نہ مجھ میں ضعف رنگ اختلاط کا ۲ ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہو

۳ بے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیر کا گلہ ہر چند برسبیل شکایت ہی کیونہ ہو
 ۴ پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا یوں ہو تو چارہ غم الفت ہی کیوں نہ ہو
 ۵ اے بے کسی نے کسی سے معاملہ اپنے سے کھینچتا ہوں خیالت ہی کیوں نہ ہو
 ۶ ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
 ۷ ہنگامہ زبونی ہمت ہے افعال حاصل نہ کیجے دہرے عبرت ہی کیوں نہ ہو
 ۸ وارتگی - بہانہ بیگانگی نہیں اپنے سے کرنے غیر سے حشت ہی کیوں نہ ہو
 ۹ ملتا ہے فوت فرغت ہستی کا غم کوئی ۹ عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو
 اس فتنہ خو کے در سے اب اٹھنے نہیں سہ

۱۰۔ اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

شعر (۱) وارث - بے پروا - آزاد مطلب ہے کہ ہم اس خیال سے بے پروا ہیں کہ تم ہمارے ساتھ ضرور
 محبت ہی کرو ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ہمارے ساتھ تعلق ضرور وابستہ رکھو خواہ عداوت ہی کیوں نہ کرو ایک ورثہ بھی پکا ہی مضمون کا
 ہے قطع کیجئے نہ تحقق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سی

شعر (۲) خلاط بیل ملاپ - رنگ، طاقت - مطلب ہے کہ ضعف ناتوانی نے اب مجھ میں خلاط کی
 طاقت ہی نہیں رکھی، حتیٰ کہ دل پر اب نقش محبت بھی ایک قسم کا بوجھ معلوم ہوتا ہے۔

شعر (۳) شاعر کہتا ہے کہ مجھے اندازہ غیرت یہ بھی گوار نہیں کہ تو میرے سلف نے غیر کی بھی شکایت کرے۔

کیونکہ اس طرح تذکرہ کرنے سے رقیب کی یاد تو تازہ رہتی ہے بقول مولانا آسی سے

کرتے ہیں شب وصل وہ دشمن کی برائی

میں کتنا ہوں آخر وہ تمہیں آہی گیا یاد

شعر (۴) شاعر کہتا ہے کہ یہ جو دنیا میں مشہور ہے کہ خدا نے ہر درد کی دوا پیدا کی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں

کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو کیا وجہ ہے کہ دردِ دل یا غمِ الفت کا کوئی علاج نہ کر سکا۔

شعر (۱۵) اخجالت۔ شرمندگی مطلب ہے کہ میری جیسی نے مجھے کسی کا ممنون احسان نہیں ہونے دیا یعنی جیب میری کٹی غنچہ روست یا رومہ دگارا اور پرسان حال ہی نہیں تو مجھے کسی کے سامنے شرمسار ہی کیوں ہونا پڑے گا۔ اگر تادم بھی ہوتا ہوں تو صبر اپنے دل ہی میں ہوتا ہوں۔

شعر (۱۶) انجن کے لفظی معنی تو اجتماعِ تارگان ہیں لیکن مجازاً مجلس و محفل مراد ہے۔ خلوت تنہائی مطلب یہ ہے کہ جب کسی محفل میں مختلف قسم کے لوگ جمع ہوتے ہیں تو مختلف قسم کی گفتگو کرتے ہیں لیکن حضرت انسان کا وجود بھی سجائے خدا ایک محشر خیال ہے یعنی حب و تنہا خلوت نہیں ہوتا ہے اس کے دل و دماغ پر قسم قسم کے تصورات و تخیلات کا ہجوم ہوتا ہے اس لئے اسکی خلوت بھی ایک قسم کی جلوت یا انجن ہے۔ مرزا آقائی نے انجن در خلوت کا مضمون لکھا ہے لیکن صوفیاء خلوت در انجن کے اصول پر کار بند ہیں یعنی بقول شخصے

یہ دس کے تعلق پر موقوف سبھی کچھ ہے

کہتے ہیں جسے جلوت ہے اس میں بھی خلوت بھی

شعر (۱۷) ہنگامہ۔ وقت جمع۔ انفعال۔ منفعل ہونا۔ دوسروں کا اثر قبول کرنا۔ مطلب ہے کہ کسی غیر کا احسان مند ہونا ہمت کی برائی کا مظاہرہ ہے اس لئے دنیا سے کوئی چیز حتیٰ کہ عبرت بھی حاصل نہیں کرنی چاہیئے۔ کمالِ غیرت اور آزادی کا مضمون ہے ذوقِ مرحوم فرماتے ہیں

احسانِ ناخدا کے اٹھٹے مری بلا

کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

یا میں سیما کا بھی منت کش احساں رہا دردِ کتا ہے کہ شرمندہ درہاش ہوا

شعر (۱۸) مطلب ہے کہ آزادی یا تارک الدنیا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ تم اہل دنیا سے قطع تعلقات کرو اس بات کی آڑ بنا کر دنیا نہ زندگی اختیار کرو۔ تمہارا یہ عذر و حیلہ صحیح نہیں یہ تو ایک قسم کی مجنونانہ حرکت ہے

ہماری رائے میں اگر قطع تعلق اور بے گناہی اختیار کرنا ہے تو اپنے نفس سے کرو۔ بقول شخصے سے

یہ کہاں کا عشق ہے آزاد بی صحرا نورد

کندے مجنوں سے کہ چوٹے وہ مری زنجیر کو

شعر (۹) مطلب ہے کہ اگرچہ تمام زندگی عبارت الہی میں کیوں نہ ختم ہو جائے اور یہ صرف زندگی ایک بہتر زندگی ہے لیکن زندگی کا ختم ہو جانا ایک ایسا غم ہے جو کبھی بسے مٹ نہیں سکتا یعنی زندگی عبادت سے بھی زیادہ عزیز ہے

شعر (۱۰) مطلب ہے کہ یہ ہم اس ظالم فتنہ گر کے دیر پیٹھے گئے ہیں تو کسی کی نصیحت اٹھ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کے دے اٹھ سکتے ہیں خواہ ہمیں کتنی ہی مصیبتیں برداشت کرنا اور کتنی ہی فتنوں سے سامنا کرنا پڑے۔

اس شعر میں لفظ فتنہ اور قیامت کی رعایت خوب ملفف ہے ہی ہے ایک اور شعر بھی اسی رنگ کا ہے

یا نود رہی نہ رہا یا نہ رہا سراپا تیرا دیوانہ اگر برسر در پیٹھے گیا

- | | | | |
|---|---|----|--|
| ۱ | ہر اہون پیرا کیا ہے نوا سخن گلشن کو | ۱۷ | نفس میں گم اچھا بھی نہ جانیں میری بیون |
| ۲ | نہ دی ہوئی خدایا آرزو سے دوستی دشمن کو | ۱۸ | نہیں گم ہمدنی آسانو یہ شک کیا کم ہے |
| ۳ | کیا سینے میں جس نے خوچکاں مڑگان زن کو | ۱۹ | نہ نکلا آنکھ سے تیری اک نسواں جو اوج پر |
| ۴ | کبھی سیر گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو | ۲۰ | خدا شرمائے ہاتھوں کے کہ رکھتے ہیں کشاکش میں |
| ۵ | نہیں دیکھا شناور جے خوں میں تیرے لوسن کو | ۲۱ | ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آسان سمجھتے ہیں |
| ۶ | کیا بیتاباں میں جنبش جو ہرنے آہن کو | ۲۲ | ہوا جوت ہو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا |
| ۷ | سمجھتا ہوں کہ دھونڈے ہی بھی یہ برق خرم کو | ۲۳ | خوشی کیا گھیت پر میرا اگر سو بار آرا ہے |
| ۸ | بے تجانے میں تو کعبہ میں گارو و ہرم کو | ۲۴ | دو داری بشرط استواری عین ایمان ہے |
| ۹ | جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا ہوں گردن کو | ۲۵ | شہادت دہتی مری قسمت میں کہ دی تھی یہ جو جھکا |

۱۰۔ لٹتاؤنگو تو کب ات کو لو بے خبر ہوتا ۱۱۔ باکھٹکانہ چوری کا عادتیا ہور سترن کو
 سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جو یا ہو جو اہر کے ۱۲۔ جگر کیا ہم نہیں رکھنے کہ کھو دیں جگمگ کو
 مرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں غالب
 ۱۲۔ فریدوں و حجم و کخسرو و داراب و بہمن کو

شعر (۱) ، قفس پنجرہ شیون۔ تالہ و فریاد۔ تو، سجان گلشن گلشن کے خوش الحان پرندے مطلب ہے کہ میں
 اب تیرے پند قص کی صورت میں ہوں۔ دیگر طائران میں جو آزادی سے نغمہ سرائی کر رہے ہیں اور بہار گلشن کے مزے لوٹ
 رہے ہیں میری تالہ سرائی سے انہیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے میں ان قفسوں میں تالہ کہ میل شیون انہیں پسند نہیں۔
 شعر (۲) ، ہمدی۔ دوستی مطلب ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ میر رقیب کو میر محبوب کا ہمدم و ہم جلیں ہونا
 پسند نہیں آ سکتا لیکن میر سے لے یہ شک بھی کیا کم باعث مصیبت ہے کہ میر رقیب کو میرے محبوب کی دوستی
 کی آرزو ہے پس اے خدا تو نے میرے رقیب کو یہ آرزو ہی نہ دی ہوتی تو اچھا تھا۔

شعر (۳) ، جرات۔ زخم۔ خونچکاں۔ خون ٹپکانے والا مطلب ہے کہ اے میر ہم تو کیسا سنگدل ہے
 کہ جس زخم کو بہتے ہوئے دیکھ کر سوئی کی پلک سے خون ٹپکنے لگا اس پر تیری نکمے سے ایک آنسو ٹپک نکلا اس شعر
 میں سینے کا لفظ خاص طور پر معنی خیز ہے۔ سینے سے مراد سینا اور سینہ دونوں لئے جاسکتے ہیں۔

شعر (۴) ، مطاہ ہے کہ میرے ہاتھوں کو شرم آئے کہ ہر وقت کسی کسی کھنچا ستانی میں لگے رہتے
 ہیں سب سے فراق تو جزیرہ دیوانگی سے میرے گریبان کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور اگر وصال کے بعد عشق
 رخت ہونہ جا رہا ہے تو اس کا دامن کھینچ لیتے ہیں کہ ذرا اور بٹھہر جاؤ۔

شعر (۵) ، تسور۔ تیرنے والا۔ جوئے خون، خون کی ندی۔ توس۔ گھوڑا مطلب ہے کہ ابھی تک
 تو ہم تل کاہ کا لفظ رہا ہوں انگریز اور خوفناک نہیں سمجھتے کیونکہ ابھی تک ہم نے قتل عشاق سے خون کی
 ندی ستے ہوئے ورس میں تیر سے گھوڑے کو تیرتے نہیں دیکھا ہے۔

شعر (۶) کان، کان۔ آہن، لوہا۔ مطلب کہ میر پاؤں کی زنجیر بننے کا جب شرہ ہوا تو پسے کے جوہر نے
پسے کو اپنی کان یعنی معدن میں بمقدار کر دیا کہ کیا اچھا ہو جو پسے لینے کے پاؤں کی زنجیر بننے کا مجھے شرف حاصل ہو۔
شعر (۷) مطلب ہے کہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ابھی بارش ہو کر کھیتوں
کو سرسبز و شاداب کر دیگی۔ لوگ خوش ہو رہے ہیں لیکن مرزا آغا فراتے ہیں کہ مجھے اس کوئی خوشی حاصل
نہیں یعنی اگر اس قسم کا ابر سود فوہ بھی میرے کھیت پر آئے تو مجھے یہ کھٹکا بھی تو لگا ہوا ہے کہ کبھی ابھی
سے میرے خرمن کو تباہ کرنے کیلئے بقیاب بھی رہی ہے مجھے ایسے برکی کیا خوشی ہو سکتی ہے۔

شعر (۸) مولانا حاکمی فرماتے ہیں کہ اگر برہمن اپنی ساری عمر بتخانہ میں کاٹ دے اور وہیں مرے تو
اس بات کا مستحق ہے کہ اسکو کعبہ میں دفن کیا جائے کیونکہ سنے و فادادہ کی حق پورا پورا داکر دیا اور یہی ایمانی اہل ہے
شعر (۹) یعنی میری قیمت میں شہید محبت ہونا مقدم ہو چکا تھا کیونکہ فطرتاً میری عادت میں داخل تھا
کہ جہاں تلوار دیکھتا گردن ختم کر دیتا۔

شعر (۱۰) مطلب کہ جین کی وقت میرا سا انا تہ البیت لٹا گیا تو اب میں بمفکر ہو گیا کہ رات کو اب مجھے
کون لٹنے ایگا نہ کہ سو اب تو آرام کی مقدار سوؤں گا اسلئے رہن کو دعا دیتا ہوں کہ اسے مجھے فکر و تشویش سے آزاد کر دیا
شعر (۱۱) مطلب ہے کہ ہم جو خون جگر پی کر اعلیٰ اسلئے علیٰ اشعار لکھ سکتے ہیں جو ہنر نہ ہوا ہر کے ہیں۔ تو
پھر میں کان جو اہر جا کر کھودنے کی کیا ضرورت ہے؟

شعر (۱۲) فریدوں۔ وہ بادشاہ جو ضیاء کو قتل کر کے تخت نشین ہوا تھا۔ جم۔ بادشاہ حمید۔ کینخسرو چار۔
مشہور بادشاہوں میں ایک بادشاہ۔ (داراب) یہ بھی ایک بادشاہ ہے جو بہمن کا بیٹا تھا اور بہمن اسفندیار کا
بیٹا تھا مطلب کہ ہم نے یہ مانا کہ یہ تمام بادشاہ بہت بڑے جلیل القدر بادشاہ تھے لیکن میرے ممدوح باد
سیماں جاہ سے کیا نسبت کیونکہ سیماں علیہ السلام توحید منس اور چند و پرند کے بھی بادشاہ تھے۔ بلحاظ
شان و شکوہ و راختیار کے پنے ممدوح کو سیماں جاہ کہا ہے اور حضرت سیماں سے تشبیہ دی ہے۔

- (۱۱۸) دھوتا ہوا میں جو پینے کو اس سمیت کے پاؤ ۱ رکتا ہے ضد کھینچ کے باہر لگن کے پاؤ
 دی سا دی پہ جان پڑوں کہ لگن کے پاؤ ۲ ہیسات کیونہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پاؤ
 بھاگے تھے ہم بہت سو سی کی ہنرا ہے یہ ۳ ہو کر ایسر رہتے ہیں راہرن کے پاؤ
 مریم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور ۴ تن سے سو فکار ہیں اس خستہ تن کے پاؤ
 اللہ نے وقت دشت نور دی کہ بعد مرگ ۵ ملتے ہیں و بخود مرے اندر کفن کے پاؤ
 سے جوش گل ہار میں یاں تک کہ ہر طرف ۶ اڑتے ہوئے الجھتے ہیں مرغ چین کے پاؤ
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں ۷ دکھتے ہیں آج اس بت ناز کبدن کے پاؤ

غالب مرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو

۸۔ پتیا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پاؤ

شعر (۱) پاؤں دھوکہ مینا ایک عام مشہور محاورہ ہے جو اظہارِ خلوص و عقیدت کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔
 مطلب ہے کہ میں تو اظہارِ خلوص و محبت کیلئے اپنے محبوب کے پاؤں دھوکہ بھی پیتا چاہتا ہوں لیکن میرے ہر فعل و حرکت کے ساتھ
 ضد ہے کہ وہ پاؤں دھونے کی قہر میں پاؤں لگن سے باہر کھینچ لیتا ہے تاکہ مجھے اس کے پاؤں کا دھو بھی نصیب نہ ہو۔

شعر (۲) کسی کے پاؤں میں نا بھی ایسا درد ہے۔ سادگی، سادہ لوحی، کوکھن، فرہاد، عاشق شیریں، پیرزن
 وہ لوری مکتا عورت جس نے فرہاد کو ارشیر کے مرنے کی جھوٹی خبر سنائی تھی اور فرہاد نے اسے سچ سمجھ کر بغیر تحقیق اپنی جان
 دیدی تھی۔ مطلب ہے کہ فرہاد نے سادگی سے پیرزن کے دھوکے اور چال میں ناحق اپنی جان دیدی مجھے کوکھن کی اس کمال
 سادگی پر اس کے پاؤں پر نا چاہیئے اور پائے فوس اس مکار عورت کے پاؤں کیوں ٹوٹ گئے کہ وہ کوکھن تک
 پتیا کے سے جھوٹی خبر نہ سنی، اور کوکھن بیچارہ جان نہ دیتا۔

شعر (۳) رہبرن جو راستہ میں فروں کو لوئے مطلب ہے کہ ہم نے تو شہری زندگی چھوڑ کر صحرا نور دی
 فقیر کی شہی کی پیرزن نے نہ صرف ہم را سانا لٹا بلکہ ہمیں کر کے غلام بنا لیا اور ہم سے فوسے خستہ پیرزن کی ہے اس

کے پاؤں دبایا کریں پس یہ ہمیں بھاگنے کی سزا ملی ہے۔

شعر (۴) نگار زخمی، خستہ تن، زخمی بدن، مطلب ہے کہ میں تو اس مار مارا پھرا کہ کہیں سے جسم نے رحوں کیلئے مرہم مل جائے لیکن مرہم تو ملنے سے رہا اٹل پھر پھر کر پاؤں اس قدر زخمی ہو گئے کہ بدن کے زخموں کی اس کے مقابلہ میں کوئی حقارت نہیں۔

شعر (۵) یعنی میرے صحرا بصر، پھر نے کی مدت نے میرے پاؤں کو ایسا تو گر رفتا کر دیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی میرے کفن کے اندر خود بخود پاؤں اہل رہے ہیں۔

شعر (۶) مطلب ہے کہ بے چین میں اس شان سے سارائی ہے اور گلشن افراط نحو سے ایسا گنجان ہو گیا ہے کہ طائران چین کے پاؤں اڑتے ہوئے اس میں الجھ جاتے ہیں اور وہ اڑ نہیں سکتے۔

شعر (۷) کمال مبالغہ ہے کہ آج اس نازک بدن کے جو پاؤں دکھائے ہیں شاید کسی کے خواب میں نہ گہا ہو کیونکہ وہ ایسا پردہ نشین ہے کہ کبھی کھر کے باہر قدم نہیں نکالتا۔

شعر (۸) گو اس شعر میں الفاظ شری خسرو میں رعایت لفظی مضر ہے لیکن دراصل اس جگہ حضرت میر خسرو شاعر شری سخن مراد ہیں البتہ یہ معنی بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ خسرو سے بادشاہ ظفر مراد لی جائے کیونکہ خسرو بادشاہ کے معنوں میں آتا ہے اور بہادر شاہ ظفر شاعر بھی تھے اب شعر کا مطلب صاف ہو گیا۔

شعر (۹) ۱۔ انکو ہول ہو تو یاں میں شمس ۱ یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم تو دیکھ ۲ آئینہ تاکہ دیدہ پنچا سگر نہ ہو شعر (۱۰) ہول، خوف، مطلب ہے کہ اس نازنین کو جو ہول دل ہے تو میں اس خود ہی شرمندہ دل کہ

شاید اس کا یہ خوف میری آہ کی تاثیر کے باعث سے نہ ہو۔

شعر (۱۱) پنچیر شکار تاکہ معنی جب تک مطلب ہے کہ اس سیرم کا ذوق تنم دیکھنے کے قابل ہو کر جب تک کسی شکار یعنی عاشق کی تنکھ کا آئینہ نہ ہو تو پی صورت ہی نہیں دیکھتا اور آرائش ہی نہیں کسنا اسکے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں

جینک اسے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میرا کوئی نیا طالبِ یار پیدا ہوا وہ اپنی صورتِ نہیں دیکھتا، ورنہ کوئی نیا عاشق پیدا
 رہتا ہے تو پھر وہ آئینہ میں ضرور اپنی صورت دیکھتا ہے کہ شاید آج میرے حسن میں کوئی غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

- ۱۲۰۔ اپنی کمر خوش آتا یہ ہم ہے ہم کو ۱ صدر آمتگ میں جس قدم ہے ہم کو
- دیکھو میں اور تجھے دل مجھ و فراق کھتا ہے ۲ کس تر زوق گرفتاری ہم ہے ہم کو
- ضعف سے نقشِ پیہور سے طوق گردن ۳ تیرے کچے سے کہاں طارم ہے ہم کو
- جان کر کیجے تغافل کہ کچھ میں بھی ہو ۴ یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو
- رشتک ہم طرحی و درد اثر بانگِ خریں ۵ نالہ مرغِ سحر تین دودم ہے ہم کو
- سراٹھانے کے جو وعائے کو مکر چاہا ۶ ہنسکے لہجے کہ ترے میر کی قسم ہے ہم کو
- دلکے خونِ نیکی کیا وجہ ولیکن ناچار ۷ پاس بے رونقی دیدہ اہم ہے ہم کو
- تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو ۸ ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو
- کھنڈو آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی ۹ ہوس سیر و تماشا سیر وہ کم ہے ہم کو
- مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر ۱۰ عزمِ سیرِ خجف و طوف حرم ہے ہم کو

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب

۱۱۔ جادہ رہ کششِ کاف گرم ہے ہم کو

شعر (۱) اپنے ہم یعنی پیہم۔ لگا تار متواتر۔ صدرہ۔ بے واسطہ سے منسلک ہے کہ کو چہ محبوب میں جو پیہم
 فن آنا ہے اسکی غرض غایت یہ ہے کہ میں طرح سے اپنی قدیموی کر لکھوں کہ انہیں قدیموں کی بدو مجھ کو چہ محبوب
 سبب اسی حسنا، قاضی حسنا اور جنابِ نظم نے اس شعر سے قریب قریب یہی معنی لئے ہیں لیکن ہمیں ان معنی اور
 شرح میں تامل ہے اگر اس اختلاف کو درج کیا جائے تو بحث بہت طویل ہو جائے گی۔

شعر (۲) ہم یعنی غمِ مصیبت ہے کہ میں لکھوں اور دل مجھے راہِ وفا میں ثابت قدم رکھنے کیلئے مست

خیال رکھتا ہے پس اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ میں گرفتارِ غم رہنے میں کس قدر لذت حاصل ہوتی ہے۔
شعر (۳) نقش پے مور۔ چوڑی کا نقش قدم۔ دم۔ بھاگنا۔ مطلب ہے کہ جس ضیعتِ ناتوان کیلئے
 چوڑی کے پاؤں کا نشان بھی طوق گردن بن جاتا ہے اس میں طاقت ہی کہا ہے کہ وہ تیرے کو چہرے سے بھاگ سکے
شعر (۴) اناخل۔ انجان ہونا۔ نگاہ غلط انداز غلطی سے یا بھول کر کسی چیز کی طرف دیکھنا۔ ہم۔ زہر
 مطلب ہے کہ اگر تم نے انجان ہی بننا ہے تو جان بوجھ کر انجان بنو کیونکہ اس انداز میں ایک قسم کی لگاؤٹ تو یہاں
 بقول شخصہ۔ دل چڑا کر مرانا دان بنے بیٹھے ہیں جان نیکر مری انجان بنے بیٹھے ہیں
 یعنی عمدتاً غاف سے کام لوگے تو کبھی نہ کبھی محبت کی امید ہو سکتی ہے ورنہ یہ نگاہ نادانستہ تو ہلکے
 لئے زہرِ قاتل ہے بقول شخصہ۔ ہے ہے وہ نگاہ غلط انداز کسی کی
 قاتل تے ویا چکے سے چرکائے ل میں

شعر (۵) تیغ دو دم۔ وہ تلوار جسکے دونوں طرف تھار ہو۔ ہم طرحی۔ ایک جیسا ہونا۔ بانگ۔ آواز
 جس میں غمزدگی مطلب ہے کہ نالہ مرغِ سحر میرے لئے تیغ دو دم کا کام دیتا ہے کیونکہ جس طرح میں نالہ کرتا ہوں
 اسی طرح وہ نالہ کرتا ہے اور مجھے رنک پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ بھی میرے عشوق کا عاشق ہے اور دوسرا کسی
 آواز اسی دردناک اور غمگین ہے کہ میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

شعر (۶) اس شعر میں تیرے سر کی قسم ہے ہم کو اس جملہ کے و معنی ہیں ایک کہ تیرے سر کی قسم
 ہم ضرور اڑا دیں اور دوسرے کہ ہم کو تیرے سر کی قسم ہے یعنی کبھی ہم تیرا سر نہ اڑا دیں گے جیسے کہتے ہیں
 کہ آپ تو ہمارے یہاں کھانے کی قسم ہے یعنی کبھی ہمارے یہاں کھانا نہیں کھاتے (یادگار غالب)
شعر (۷) اہم۔ نہایت ضروری۔ مطلب ہے کہ لکے خون کرنے کی اور تو کوئی وجہ نہیں لیکن اس
 بات سے مجبور ہیں کہ ہم کو اپنی آنکھوں کی بے رون رکھنا منظور نہیں یعنی آنکھوں کا خون آلود ہونا اور اس کا
 یہاں ہم رون چہم سمجھتے ہیں۔

شعر (۸) مطلب ہے کہ تم ایسے نازک خیال ہو کہ ہماری خاموشی کو بھی فغاں سے تعبیر کرتے ہو اور ہم ایسے عاجز و ناتواں ہیں کہ تمہارے ترک ستم اور فغان کو بھی ایک قسم کا ستم سمجھتے ہیں۔

شعر (۹) جب مرزا غالب کی عمر کچھ کم چالیس برس کی تھی تو کلکتہ جاتے ہوئے لکھنؤ میں بھی ٹھہرے تھے اور غالباً یہ غزل وہیں لکھی ہے مطلب ہے کہ ہم پر لکھنؤ آنے کا کچھ سبب ہر نہیں ہوتا اگر لوگوں کا یہ خیال ہو کہ ہم محض سیر و تماشا کیلئے آئے ہیں تو یہ غلط بات ہے کیونکہ ہمیں اس قسم کی حسرت ہی نہیں۔

شعر (۱۰) یہ شعر بھی شعر بالا کی ایک کڑی ہے مطلب ہے کہ صرف اس شعر میں ہم اے ارادہ سفر کے سلسلہ کا انقطاع نہیں ہو سکتا بلکہ ہمارا ارادہ تو میر خفہ اور طوف حرم کرنے کا ہے۔

شعر (۱۱) یہ شعر بھی شعر بالا کی تیسری کڑی ہے مطلب ہے کہ ہم کو ایک من موقع اور تمنا کیسے ملتی جاتی ہے اور کسی کے کاف کرم کی کشش راہ است کا پتہ ملے ہی ہے۔ نقطہ کشش اس جگہ ذہنی واقع ہوا ہے۔

(۱۲) تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو ۱ مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
 بچتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے ۲ قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو
 کیا وہ بھی بیگنہ کشِ فحشِ ناشناس ہیں ۳ مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو
 ابھرا ہوا نقاب میں ان کے ایک تار ۴ مڑتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
 جب ریکرہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی تید ۵ مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
 سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب دست ۶ لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گرتا تو کچھ ایسا ضرر نہیں

دنیا ہو یا رب اور ہر بادشاہ ہو

شعر (۱۳) یعنی غیر سے تمہارے جو تعلقات ہیں میں اس پر کوئی اعتراض نہیں، تم جانو اور تمہارا کام، لیکن کے ساتھ ہی اگر کبھی میرا بھی حال پوچھتے رہو تو کیا بُرائی ہے۔

شعر (۲) مواخرہ - گرفت، پریش مطلب ہے کہ قیامت دن تم میرے قتل و سازش کے الزام سے بری نہیں ہو سکتے یہ ماننا کہ تم نے اپنے ہاتھوں سے مجھے قتل نہیں کیا ہے لیکن اگر قیامت جیسی قتل کیلئے تو متاڑے ایمان سازش سے کہا ہے اور تمہارے سامنے کیا ہے ورنہ قتل کے گواہ ہو۔

شعر (۳) مطلب ہے کہ معشوق کہتا ہے کہ میں بشر خیال کرنا صحیح نہیں بلکہ ہم تو قناب و قناب میں سر زیا لو میں ہیں۔ اگر تیرے پس کہ اگر تمہارا دعویٰ صحیح ہے تو یہ تو فرط ایسے کہ آفتاب و قناب بھی تیری طرح بے گناہ ہوں کہ فعل یہ کہتے ہیں اور حق بات کو پسند نہیں کیا کرتے؟

شعر (۴) مرزا صاحب امتداد نے بدگمانی سے فرماتے ہیں کہ معشوق کے نقاب میں جو ایک تار بھڑھوا ہے مجھے تنگ ہے کہ وہ کسی کا تار نگاہ نہ ہو۔

شعر (۵) ہونا احمق فرماتے ہیں کہ میں شعر میں ازراہ تہذیب اس کام کا ذکر نہیں کیلئے جسکے کرنے کیلئے اسے مدرسہ خانقاہ کو ساری قرآن دیا؟ مطلب ہے کہ میکہ جہاں حریفوں کے ساتھ شراب پیے کا نصف فی جیب بی بیعت کیا لو اب مسجد میں مل جائے تو مدرسہ خانقاہ میں ہاتھ آجائے تو سب جگہ پی لینا برابر ہے مسجد و غیرہ کی تھیں ارہ شوخی کی گئی ہے یعنی یہ مقامات جو اس شخص کے بالکل آتی نہیں وہاں ہی میکہ دھپسنے کے بعد پی لینے سے انکار نہیں ہے اور سب پینے کی تصریح نہ کرنا عین مقصدائے بلاغت ہے۔

شعر (۶) مطلب ہے کہ حضرت واعظ جو بہشت کی تعریفیں فرما رہے ہیں کہ وہاں پیل پیل سے درخت ہوتے باغات ہوتے۔ نہریں ہونگی۔ حویلی ہونگی وغیرہ وغیرہ لیکن مرزا صاحب کہتے ہیں کہ خدا کرے تو اس میں بلوہ افزہ ہو اور اگر نہ بہشت تیری جلوہ گاہ نہیں تو ہمارے کس کام کی بقول شخص سے

ہم جاکے کیا کریں گے گرواں صنم نہ ہوگا اپنے لئے ارم بھی دوزخ سے کم نہ ہوگا

شعر (۷) مطلب ہے کہ غالب اپنے بادشاہ پر جان تک قربان کرنے کیلئے تیار ہے۔ یعنی غالب کی عمر بھی بادشاہ کی عمر میں شمار کی جائے۔

- (۱۲۶) گئی نہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو ۱ کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو
ہمائے ہن میں اس فکر کا بے نام سوال ۲ کہ گرنہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو
ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے ۳ حیا ہے اور یہی گو ملگو تو کیونکر ہو
تمہیں کہو کہ گزارہ صنم پرستوں کا ۴ بتوں کی ہوا اگر ایسی ہی ہو تو کیونکر ہو
آنکھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو نہ مینہ ۵ جو تم سے شہر میں ہوا ایک تو کیونکر ہو
جیسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سیا ۶ وہ شخص دن کے رات کو تو کیونکر ہو
ہمیں پھر ان امید اور امن میں ہماری ر ۷ ہماری بات ہی ہے چیں وہ تو کیونکر ہو
غلط نہ تھا ہمیں خط برگساں تسلی کا ۸ نہ مانے دیدہ ویدار جو تو کیونکر ہو
بتاؤ اس شرہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرا ۹ یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

مجھے جنوں نہیں غالب و بے بقول حضور

۱۰- فراق یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

شعر ۱۱، پہلے تو یہ فکر تھی کہ کسی طرح اس ہمکام ہونے ہی کا موقع بجائے یعنی خیال تھا بقول شخصے
یقین ہے سکے انہیں رحم ہی جائیگا عیاں جو آپ پہ سب حال زار کر دینگے

لیکن افسوس کہ ہمارا یہ حیاہ بھی بیکار گیا اس نے ہمارا تمام ماجرائے درد محبت سن بھی لیا۔ لیکن وہ ٹس سے مس
نہ ہوئے لہذا اب بتاؤ کہ کیا تدبیر کی جائے؟

شعر ۱۲، مطلب یہ کہ ہمیں وصال کا تو موقع ہی نہیں ملتا لیکن ہمارا یہ خیالی پلاؤ پکانا کہ اگر ہمیں وصال
نصیب ہوگا تو ہماری کیونکر تسکین ہوگی درد وصال یقیناً آگیا تو پھر کیسے منے سے گزرے گی۔ ہمارا اسی ادھیر بن
روز ہر وقت محو خیالات وصال رہتا ہی ہمارے لئے بمنزلہ وصال کے ہے۔ بقول شخصے

شب و عدہ نہیں معلوم کیا کیا لطف حاصل ہو تصور ہی میں لیتی ہے فرے میر زبان کیا کیا

شعر (۳۳) مطلب ہے کہ اگر ہم اظہارِ تمنا کرنا بھی چاہیں تو ادبِ نافع ہوتا ہے اور ہم گوگلوں میں جاتے ہیں اور ادھر وہ ہم سے کھل کر ملنا چاہیں تو حیا سدا رہا ہوتی ہے الغرض ہم عجیب کشمکش میں مبتلا ہیں۔

شعر (۳۴) مطلب ہے کہ تم ہی انصاف سے کہو کہ گرد و سرے جینوں اور معشوقوں کی بھی ایسی ہی خصلتیں اور عادتیں ہوں کہ جیسی تمہاری ہیں تو پھر عاشقِ مزاجوں اور جن پرستوں کی کس طرح گذر ہوا اور کیوں کوئی کسی کا عاشق اور کوئی کسی کا معشوق بنے گا۔

شعر (۳۵) اس کا مطلب ایک تو یہ ہے کہ تم جیسے نازک سراجِ شہر میں ایک دوا اور ہوں تو شہر کا کیا حال ہوا اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب تم اپنے عکس کا بھی اپنی مانند ہونا گوارا نہیں تو شہر میں اگر فی الواقع ایک دو تم جیسے جین موجود ہوں تو تم کیا قیامت برپا کرو یا دگوار غالب،

شعر (۳۶) اس شعر کا خلاصہ مطلب ہے کہ میرا بخت سیاہ شبِ تاریک سے بھی زیادہ سیاہ ہے یعنی اس روز سیاہ کے مقابلہ میں ہم اپنی شبِ تاریک کو دن تصور کرتے ہیں۔

شعر (۳۷) مطلب ہے کہ جب وہ ہماری بات ہی نہ پوچھیں تو ہمیں ان سے کس قسم کی امید ہو سکتی ہے اور انہیں ہماری کیا قدر ہو سکتی ہے؟

شعر (۳۸) مطلب ہے کہ ہمارا یہ خیال غلط نہ تھا کہ اگر ہمارا محبوب ہمیں کوئی مکتوبِ محبت بھیجے تو آنے کا وعدہ کر گیا تو ہمارے دل کو ضرور تسکین و اطمینان حاصل ہوگا لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ ہماری طاقتِ طائرانہ انکھیں نہیں مانتیں اور وہ کہتی ہیں کہ ہمارا شوقِ دیدار اور بڑھ گیا ہے۔

شعر (۳۹) مطلب ہے کہ کوئی مجھے یہ تو بتائے کہ اسکی پلکوں کو دیکھ کر مجھے کیونکر قرار سکتا ہے گویا یہ ایک بسترِ باتیر ہے جو رگِ جان میں اترا ہوا ہے جس سے قرار آنا غیر ممکن ہے۔

شعر (۴۰) مصرعہ ثانی بادشاہِ ظفر کا دیا ہوا مصرعہ طرح ہے جس پر مرنے کا تب نے یہ غزل بھی

- (۱۲۳) کسی کو دیکھ کر دل کوئی نواسج نہ لایا ہو ۱
 وہ اپنی خونہ چھوٹے ہنگامہ میں وضع کیا بدلیں ۲
 کہا غمخوار نے رسول کے آگ اس حجت کو ۳
 وفا کیسی کہا کا عشق جب سر بھوڑنا ٹھہر ۴
 قفس میں بچھڑے داؤ میں کتے نہ درمدم ۵
 یہ کہہ سکتے ہو ہم ل میں نہیں ہیں یہ بدلاؤ ۶
 غلطی جذب ل کا شکوہ یکھو حرم تمس کا ۷
 یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے ۸
 یہی ہے آزارنا توستانا کس کو کہتے ہیں ۹
 کہا تم نے کہ کیوں کے غیر کے ملنے میں سوائی ۱۰
 نہ وجہ دل ہی سینے میں پھر منہ میں یا کیوں ۱
 سبک سر ہو کے کیا پوچھیں ہم سر گراؤں ۲
 نہ لائے تاج غم کی وہ میرا زردا کیوں ہو ۳
 تو پھر لے سنگدل تیرا ہی سنگ آستان ۴
 گری ہی چسپہ کل بجلی وہ میرا آشاں کیوں ہو ۵
 کہ جب دلیں تم ہی تم ہو تو آنکھوں سے نہاؤں ۶
 نہ کھینچو گم اپنے گمشدہ کیوں ہو ۷
 ہوئے تم دوست جس کے دشمن میں آساں کیوں ہو ۸
 عدو کے مولے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو ۹
 بجلتے ہو سچ کتے ہو پھر کہتے ہاں کیوں ہو ۱۰

نکال چاہتا ہے کام کیا طعنوں کو تو غالب

۱۱۔ ترے بے مہر گئے سے تجھے پر مہر ہاں کیوں

مشعر (۱) مطلب ہے کہ کسی پر عاشق ہو کر یعنی کسی کو دل دیکر کوئی نالہ سرائی کیوں کرے اور جب پہلو میں ل نہیں ہا تو منہ میں زبان بھی نہیں ہونی چاہیے یعنی شکایت بھی نہیں کرنی چاہیے۔

مشعر (۲) سبک سر ہونا مطلب ہے کہ انکی عادت میں تو یہ داخل ہے کہ وہ اپنے میں جگہ ہیں اور ہماری وضع داری یہ ہے کہ ہم ضبط و تحمل سے کام لیتے رہیں پس جب وہ اپنی عادت کو ترک کر سکتے ہیں اور نہ ہم تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم ان سے جا کر یہ دریافت کریں کہ آپ ہم سے کیوں ہمیشہ خفا رہتے ہیں ہمارا یہ فعل سراسر سبکی اور خفت میں داخل ہے بقول شخص سے

وہ کب مانگا جس کا روٹھنا فطرت میں داخل ہو کوئی کہہ دے کہ چوب خشاک بھی غم نکلتا ہے

شعر (۳) مطلب ہے کہ میر ہمدرد غمخوار نے لڑائی مجھے بدنام کر دیا یعنی جس شخص کو ہم نے اپنا راز داں بنا کر اپنے عشق و محبت کا ماجرہ لے کر دو غم سنایا تو وہ بیچارہ ایسا بچپن بھیرا رہ گیا کہ ہر کسٹ ناکس سے ہمارا قصہ عشق و محبت بیان کرتے نکالیں ایسی محبت چوٹھے میں جائے اور میں ایسے راز داں سے باز آیا۔

شعر (۴) یعنی جب ہم نے جنون عشق کا یہی علاج ہے کہ ہم سر پھوڑ لیں تو چین آئے تو پھر وفا کیسی اور کہاں کا عشق؟ جہاں دل چاہے گا اپنا سر پھوڑ لینگے اس میں صرف تیر شکستان کی لے ظالم سنگدل کی تکلیف ہے لیکن دیوانہ بیکار خود ہرشیار واسے مقولہ پر عمل کر لیا اے عاشق تو اس طرح کہتے ہیں ے

جو سودائے الفت کا چارہ یہی ہے تو سر تیرے زاد پہ ٹپکا کریں گے

شعر (۵) راز دار۔ ماجرہ۔ کیفیت۔ حالات مطلب اس شعر کا مختصر یہ ہے کہ ایک پرندہ عرصہ ایک قفس میں بند ہے اور اسے چین اور اپنے آشیانہ کی کچھ خبر نہیں ایک راز پرندہ چن آتا ہوا اگر اس کے سامنے بیٹھ جاتا ہے اور قفس پر سے راز دار چن ملتا ہے کچھ جھجکنا اور دل میں خوف نکلتا ہے کہ کیسے سر ہلا کر ہو جائے حالانکہ عقیدہ کل بجلی کرتے ہوئے ضرور دیکھی ہے پس بھی نکال ضبط سے کام لیتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھ سے چین کی حالت بیان کرتے ہوئے کیوں درتے ہو۔ وہ بجلی جو کل گری ہے کیا یہ ضروری ہے کہ وہ میر سے ہی آشیانے پر گری ہو۔

شعر (۶) مصرعہ اول میں استفہام انکاری ہے یعنی تم یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ ہم تیرے دل میں نہیں ہیں جب مسئلہ اس پر ہے کہ آپ ضرور ہمارے دل میں ہیں تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تم ہی تم دل میں ہو تو پھر کھلنے سے کیوں نہیں ہوا؟ ایک صاحب اس طرح بھی کہتے ہیں ے

یوں تو کہتے ہو کہ شہ گ سے بھی نزدیک ہیں ہم جاتے حیرت ہے کہ پھر اکھ سے کیوں دور ہوئے

شعر (۷) جذب کیش مطلب ہے کہ ہم سے جو تم ہمارے جذب ل کا شکوہ کر رہے ہو کہ تمہاری کیش مجھ سے تم تکلیف میں ہیں سر سر غلط فہمی پر مبنی ہے ہم کہتے ہیں کہ اگر تم ہی ہم سے کشیدہ خاطر نہ ہو اور ہم کھینچے نہ رہو تو پھر یہ کشاکش کیوں ہو یعنی ادھر ہمارا جذب ل تمہیں کھینچتا ہے اور ادھر تم آپ کھینچتے ہو یہی تکلیف

شعر (۸) مطلب ہے کہ جسکے تم دوست یعنی معشوق بن جاؤ۔ پھر اس کا اسمائیدل دشمن ہو آپ کی دوستی اور آپ کا عشق کیا کسی کی خانہ ویرانی اور تباہی کے لئے کچھ کم ہے۔ یہ بھی تو ایک فتنہ ہے۔

شعر (۹) مطلب ہے کہ جب تمہارا ہمارا قطع تعلق ہو چکا ہے اور سچائے ہمارے تم ہمارے دشمن کے دوست بن گئے تو پھر ہمیں آپ کیوں خستے ہیں اور پھر اس پر یہ کہنا کہ ہم تو اس امتحان سے بے ہیں لیکن ہمارے خیال میں امتحان نہیں تو محض شناہ ہے اور پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم سے کوئی تعلق و واسطہ ہی نہیں تو پھر ہمارا امتحان کیا۔ مرزا داغ بھی اس مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ہو چکا قطع تعلق تو جفا میں کیوں ہوں جنکو مطلب نہیں تنہا وہ شائے بھی نہیں
شعر (۱۰) مطلب ہے کہ عاشق اپنے معشوق سے کہتا ہے کہ تم نے یہ جو کہا ہے کہ غیر کسیاتہ تعلقات تم رکھنے میں میری کیا رسوائی ہوگی۔ ہاں صبر آپ صحیح فرماتے ہیں، بجا فرماتے ہیں لیکن پھر تو کہو کہ ہاں کیوں رسوائی ہو گویا اس طرح معشوق اپنے عاشق کو گذشتہ واقعات یاد دلانا چاہتا ہے۔

شعر (۱۱) شعر صاف ہے مطلب صرف اتنا ہے کہ تیرے ان طعنوں کا کام نہیں چلنے کا تم لاکھ دفعہ سے بے فکر رہو، ان باتوں سے متاثر ہو کر کیوں نہ رہاں مجھے لگا کیونکہ مہربان ہونا اسکی فطرت ہی میں نہیں ہے۔

۱۲) ایسا ایسا جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ۱ ہم سخن کوئی نہ ہو اور مہرباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیئے ۲ کوئی ہمسائیہ نہ ہو اور یا سباں کوئی نہ ہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تمسار دار ۳ اور اگر مر جائیے تو نوہ خواں کوئی نہ ہو

شعر (۱۳) دراصل مرزا جانتے اپنے اس قطعہ میں اپنی اس بیزاری کا اظہار کیا ہے جو انکے دو اوجہ حجاب کے منہ انمانہ رویہ اور جھوٹی ہمدردی پیدا ہوئی تھی مطلب تھا ہے کہ اب ہم دنیا والوں سے گناہ گئے ہیں اس لئے اب بس جگہ چل کر رہنا چاہتے ہیں جہاں کوئی انسانی ذات نہ ہو، ورنہ ہماری بولی سمجھنے والا ہوا نہ رہی کوئی بات جیت کر زوال تاکہ کوئی رنج نہ پہنچ سکے انسانی تعلق سے انتہائی نفرت کا اظہار ہے۔ مرزا جانتا ہے اپنے زمانہ کی بات

کہتے ہیں حالانکہ ان کا زمانہ ہمارے زمانہ سے پھر بھی بہتر تھا۔

شعر (۲) یہ شعر بھی شعرا دل ہی کی دوسری کڑی ہے یعنی مرزا جنتا پڑوسیوں کی شرارتوں اور دل آزار یوں تنگ کر کے ہیں کہ مکان ایسا بنانا چاہیے کہ جس کا نہ دروازہ ہو اور نہ دیوار ہو نہ کوئی ہمسایہ ہو گا نہ پاس بان۔ مطلب یہ ہے کہ صحرائیں ہو جائیں۔

شعر (۳) یہ شعر بھی شعر بالا کی تیسری کڑی ہے یعنی جنگے ہاتھوں رنج پہنچ چکا ہے اپنی بیماری میں انکی تیمارداری اور مرحلے پر انکی نوحہ خوانی بھی پسند نہیں۔ کیونکہ یہ بے منافی ہیں اصل بات یہ ہے کہ ہم مرتے دم بھی ان کی عسرت دیکھنا نہیں چاہتے۔

”دل و دل“

(۱۲۵) از حسرتا بہ ذرّہ دل و دل ہے آئینہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

شعر (۱) جناب طباطبائی صاحب فرماتے ہیں کہ عالم میں رخ و رخ اور دل و دل باہم گراؤ آئینہ میں یعنی اس کو اس میں اپنی صورت دکھائی دیتی ہے اور اس کو اس میں غرض ہے کہ سارا عالم متحد ہو جائے اور ایک کے دوسرے غیرت نہیں اس میں اپنے تئیں اس طرح دیکھتا ہے جیسے آئینہ میں کئی دیکھے جہت حالت کو طوطی جس طرف رخ کرے اُن طرف سامنے موجود اور طوطی شخص شمار ہے جسے یہ اتحاد دکھائی دے اور وہ حال میں نہ اتالیقی بلند کرے بقول شخص سے عشق سے آئینہ دل کا جو مجھتی کیلے اپنی صورت پہ فدا آپ ہی انسان کا

(۱۲۶) ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غم سکھ ۱ جس کی بہاریہ ہو پھر اسکی خزانہ پوچھ
ناچار سبکی کی بھی حسرت اٹھائیے دشواری نہ و سہم ہمراہ نہ پوچھ

شعر (۱) مطلب یہ ہے کہ میں اس کثرت سے غم کے ہاتھوں گریہ زاری کی ہے جس بوسات کو مات

کہ پہلے اور تمام گھر خاناک ہو کر اس میں ہنرہ آگ آیا ہے اور یہ یا میر گھر کی بار ہے پس اندازہ لگائیے کہ جس کی
 بہار ایسی ہے سکی خزاں کسی ہوگی یعنی میرے گھر کی ویرانی کا کیا ہوگا مرزا جہان نے اس قسم کے ہنرہ لکھی جگہ ذکر فرمایا تھا
 ۱۵ آگاہے گھر میں ہر سو ہنرہ ویرانی تماشا کر مدار بکھوونے پر گھاس کے ہتے سیر دریاں کا
 ۱۶ آگ رہا ہے دود دیوار سے ہنرہ غالب ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں رہا آئی ہے
 شمس (۱۷) قاضی حنا فرماتے ہیں کہ کسی مقام کے سفر میں مرزا جہان کو راستہ کی تکلیف اور ہمارے بیوی کی بدسلوکی
 سے لقمہ بڑا تھا اسی پر یہ شعر کہلے مطلب ہے کہ ایک راستہ ہی شوار تھا اور سیر طرہ یہ کہ ہم کو جو ساتھی ملے وہ بھی
 ظالم نکلے قطع نظر اس کے کہ ہم اپنے آپ بیکس بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ گو وہ ظالم تھے لیکن ہمارے ساتھ تو موجود
 تھے پس مجبوراً کسی کی حسرت بھی دل ہی میں رہی بعض نسخوں میں مصرعہ ثانی اس طرح واقع ہوا ہے یعنی:
 دشواری رہ ستم ہر ماں نہ پوچھ یہ مصرعہ زیادہ صاف ہے۔

دلف "می"

۱۲۶۱ صد جلوت و برو ہے جو مرگاں اٹھائیے ۱ طاقت کہاں کہ دید کا سا ماں اٹھائیے
 ہے سنگ پر برات معاش جنون عشق ۲ یعنی ہنوز منت طفلان اٹھائیے
 دیوار بار منت مزدور سے ہے خم ۳ اے خانماں خراب نہ لہاں اٹھائیے
 یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجئے ۴ یا پردہ تقسم نہ پاں اٹھائیے
 شمس (۱۸) مرگاں اٹھائیے سے مراد اس جگہ اٹھا کر بکھنا ہے یعنی جب بلیکس اوپر گواٹھیں گی تو ضرور
 کسی چیز پر پڑیں گی مطلب ہے کہ اگر ہم اٹھا کر دیکھیں قسینکروں چلوئے قذت نظر آئیے لیکن اب ہم میں وہ
 طاقت ہی نہیں ہے کہ دید کا بار سا ماں اٹھا سکیں ہل تقوف تو اس نازک خیالی سے بھی کام لیتے ہیں یعنی سے
 نہ دیدار کا اب تقاضا کریں گے تصور میں ہم ان کو دیکھا کریں گے

مشعر (۲) برات، فرمان جسکے بموجب خزانہ سے روپیہ ملے منت، احسان مطلب ہے کہ جنوں کا فرمان معاش تنگ پر ہے یعنی مجنوں کی معاش تنگ طفلوں مقرر ہوئی ہے تو گویا جنوں میں بھی لڑکوں کا احسان اٹھانا پڑے گا کہ وہ پتھر ماریں۔

مشعر (۳) مطلب ہے کہ رو دو اور مزدور احسان کے بوجھ خم ہے لہذا کسی شخص کا بھی احسان نہیں اٹھانا چاہیے
مشعر (۴) یا تو میرے شک و قہر کی زخم کی تشبیہ کیجئے یعنی لوگوں سے شکایت نہ کہتے پھر یہ کہ یہ بلا وجہ خار دکھاتا ہے رشک کرتا ہے یا جو در پردہ کیر و شمنوں سے ملکر میرا مشعر اور میری ہمتی اڑاتے ہیں اس پر وہ کو اٹھائیے اور ہنسنا چھوڑ دیجئے کیونکہ یہی تو باعث رشک ہے۔

(۱۲۸) مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے ۱ بھوں پاس آنکھ قبلہ حاجات چاہیے
عاشق ہونے میں آپ بھی ایک اور شخص پر ۲ آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے
دے داد اے فلک دل حسرت پرست کی ۳ ہاں کچھ نہ کچھ تلافی مافات چاہیے
سیکھے ہیں ہر خوں کے لئے ہم مصوری ۴ تقریب کچھ تو ہر ملاقات چاہیے
مے سے غرض نشاط ہے کس و سیاہ کو ۵ اک گونہ بخودی تجھے دن رات چاہیے
ہے رنگ لالہ و گل و قمرین جدا جدا ۶ ہر رنگ میں ہمارا کائنات چاہیے
سریے خم پہ چاہیے ہنگام بے خودی ۷ رو سوئے قبلہ وقت مناجا چاہیے
یعنی بہ حسب گردش پیمانہ صفات ۸ عارف ہمیشہ مست مے ذات چاہیے

نشو و نما ہے اصل سے غالب فروع کو

۹ - خاموشی ہی سے نکلے ہے جویات چاہیے

مشعر (۱) خرابات، میخانہ، بھیدیں۔ ابرو۔ چونکہ ابرو کو محراب مسجد سے اور آنکھ کو بوجہ مستی میخانہ سے تشبیہ دیتے ہیں لفظ قبلہ بھی اس شعر میں خاص حمایت مناسبت لکھا ہے پس مطلب شعر کا صاف ہے۔

شعر (۳) مکافات، بدلہ، سزا، عطاء، مطلب ہے کہ میں تم سے محبت کرتا تھا تو تم نے میری محبت کی کوئی
داد نہ دی بلکہ بیدار کرتے رہے چھا ہوا کہ اب آپ بھی میری طرح کسی شخص پر عاشق ہوئے ہیں اب آپ کو معلوم ہو
جائے گا کہ کسی پر تم کر نیکی یہ سزا اور بدلہ ہوا کرتا ہے یعنی تمہارا معشوق بھی تم پر تم کیا کرے گا۔

شعر (۴) آسانی، مافات، جو چیز جاتی رہی ہو اس کا بدلہ مطلب ہے کہ بے تک میری جن بیشمار حسرتوں کا
خون بہ چکا ہے اس کا کچھ تو معاوضہ دے یا میرے دہن حسرت پرست کی داد ہی دے۔

شعر (۵) معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کے معشوق کو تصویر کا بہت خوق ہے یا وہ اپنی تصویر پر لگے دن
بھی اتار رہا ہے یا یہ مطلب کہ حسین چونکہ اپنی تصویر پر عموماً کھینچوایا کرتے ہیں اس لئے شاعر کہتا ہے کہ ان
حسینوں کیلئے ہم نے مصوری بھی سیکھ لی ہے کیونکہ ملاقات کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔

شعر (۶) مطلب ہے کہ شرابیوں سے میری یہ غرض نہیں کہ اس سے مجھے کسی قسم کا سر و جھال ہو بلکہ
اس غرض ہے کہ مجھ پر دن رات ایک قسم کی بخودی اور مہوشی طاری ہے تاکہ کسی قسم کا غم و اندوہ محسوس نہ ہو۔

شعر (۷) مطلب ہے کہ چین میں مختلف رنگوں کے پھول کھلے ہوئے ہیں کوئی سُرنا ہے، کوئی گلابی ہے۔
کوئی زرد ہے، کوئی سفید، کسی کا نام لہ ہے کسی کا نام چنبی، کسی کا نام گلاب اور ہر ایک خوشبو بھی الگ الگ ہے لیکن
وہ سب رنگ کیفیت میں بہا رہی جلوہ گر ہے اور یہی اسی کا ثبوت۔ دراصل یہ شعر بھی رنگ و بوی سے ٹھیک ہے۔

شعر (۸) بے وز شعر نغمہ بند ہیں، قافیہ صاف ملتے ہیں کہ صونیا کے نزدیک کفر بھی منظر ذات ہے
یہ کہ کفر دین کی ضد ہے اور خدا کا مخرج بھی وہی واجب الوجود ہے پس اگر بخودی اور متغراق کے وقت سر پر
خمہ پر رکھا ہو تو عا کی وقت تہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے تو کوئی ہرج نہیں لہذا یہاں پیش پیمانہ صفات الہی کی گردش
کے مطابق عرف کو ہمیشہ اسکی ذات کی طرف متوجہ رہنا چاہیے ایک شعر نے ان خیالات کو اس طرح ادا کیا ہے

دل جو ظلمت کدہ گیسوئے جانان مٹا
میر تو رخ سے تجلی گمہ ایماں ہوگا

گر چکی ہو جسے رنگین محبت کی شرب
حق تو یہ ہے نہ وہ کافر نہ مسلمان ہوگا

شعر (۹) نزع جمع فرع، شاخیں، خاموشی کو اصل یعنی جڑ اور تمام باتوں کو فرع یعنی شاخیں قرار دیا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمام شاخیں جڑ ہی سے پیدا ہوتی ہیں اسی طرح جو بات نکلتی ہے وہ خاموشی ہی سے نکلتی ہے کیونکہ بات کرنے سے پہلے انسان خاموش ہوتا ہے۔

(۱۲۹) بساطِ عجز میں ایک دل قطرہ خون بھی ۱ سورہتا ہے باندازِ چکیدہ سرنگوں ہ بھی
 رہے سرخ سے زردہ ہم چپے تکلف سے ۲ تکلف برطرف تھا ایک اندازِ حیل بھی
 خیال مرگ کب تسکین لے زردہ کو بخشے ۳ مرے ام تمنا میں اک صید زلوں ہ بھی
 نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدا ۴ کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ روں ہ بھی
 نہ اتنا برشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ ۵ مرے دیئے بتیابی میں اک موجِ خوش ہ بھی
 نئے عشرت کی خواہش ساقی گردو سے کیا کیجے ۶ لئے بیٹھا ہے اک دوچار جامِ ارگوں ہ بھی
 مرے دل میں ہے غائب شوق وصل و شکوہ پھر
 خدا وہ دن کرے جو اس شے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

شعر (۱) بساطِ سرمایہ چکیدن، ٹپکنا۔ مطلب یہ ہے کہ میرے سرمایہ عجز میں صرف ایک دل تھا اور وہ بھی قطرہ ایک قطرہ خون۔ پھر اسکی حالت و کیفیت یہ ہے کہ ٹپکنے اور گرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتا ہے اور وہ بھی سرنگوں اسی مضمون کا ایک شعر علامہ فیضی کا بھی ہے

درباب کہ ماندست ز دل قطرہ خورنے آں قطرہ ہم از دست تو بسر چکیدن
 شعر (۲) مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے محشوق سے ازراہ تکلف کچھ دنوں کے طور پر یعنی عمدۂ ابتلاوت سے خفا ہے کہ شاید وہ ہمیں آزدہ دیکھ کر محبت کرنے لگ جائے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارا یہ تکلف اور تصنع بھی ایسا اندازِ جنوں تھا جیسا ایسی مصنوعی آزدگیوں کو وہ کب خاطر میں لاتے ہیں۔

شعر (۳) صید زلوں، نچر لاغر۔ مرلی شکار۔ تمنا کو دام سے اور صید زلوں کو خیال مرگ کی تشبیہ دی ہے

مطلب ہے کہ مجھے آرزوئے موت سے کیا تسکین ہو سکتی ہے کیونکہ میری تنہا کے دام میں ایسے سینکڑوں شمار آیا کرتے ہیں ان میں سے ایک فیل و حیر سا نکار یہ بھی ہے۔

شعر (۱۴) مطلب ہے کہ اے دوست اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آہ وزاری اور نالہ و فریاد کرنے سے دردِ دل میں کمی واقع ہونے کے بجائے اٹھاس دردِ نہاں میں اور اضافہ ہو گا تو میں ہرگز نالہ نہ کرتا۔ افسوس!

شعر (۱۵) تیرش، کاٹ، تیزی مطلب ہے کہ معشوق کو جو اپنی تیغِ جفا کی تیزی پر ناز ہے تو عاشق اس کتابے کے قاتل تجھے اپنا تانا باز کیوں ہے میں تو اسے بھی اپنے دریائے بتیابی کی ایک موجِ خویش سمجھتا ہوں جہاں اور خویش موجیں تلوار کا کام کرتی ہیں وہاں ایک یہ بھی سہی۔

شعر (۱۶) فاڑگوں۔ اٹے مطلب ہے کہ ساتی گردوں سے شرابِ عشرت کی ہم کیا خواہش کریں۔ کیونکہ وہ بھی تو اپنے ساغروں، اٹا کے بیٹھاپے یعنی وہ شرابِ عیش سے خالی ہو چکے ہیں جیسی تو اٹے ہیں۔ ایک، دو چار جمع کریں تو سات بنتے ہیں جن سے ساتوں آسمان مراد ہیں۔ مولانا جامی بھی اس مضمون کو لکھ گئے ہیں

آسمان جامِ نگوں از گزشتے عشرت تھی ست جستن سے از تھی ساغر نشان ابلہی ست

شعر (۱۷) غائب میرے دل میں اصل کا شوق اور شکوہ بھر بھرا ہوا ہے خدا وہ دن جلد لائے کہ میں شکوے بھی کروں اور اصل کے مزے بھی لوٹوں۔

(۱۸) ہے بزمِ تباہ میں سخن آزرده لبوں کے ۱ تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں کے
 ہے دورِ قدح و چہ پریشانیِ صبا ۲ اک بار لگا دو خم کے میرے لبوں کے
 زندانِ درمیکدہ گستاخ ہیں زاید ۳ زہنا نہ ہونا طرفانِ یے ادبوں کے
 بیداد و فسادیکچہ کہ جاتی رہی آخر ۴ ہر چند مری جان کو ربط لبوں سے

شعر (۱۹) اس شعر میں گفتگو۔ بات چیت کو یا سخن آرائی کو خوشامد طلب کہا گیا ہے یعنی سخن آرائی ہمارا

لیوں اس سے ناراض ہو گئی کہ اب ہم محض معشوق میں خوشامد اندہ سخن آرائی سے کام نہیں لیتے سچ پوچھئے تو اب خوش مد کرتے کرتے ہمارے ہونٹ بھی تھک گئے ہیں۔

شعر (۱۲) صہبہ۔ ستراب انگوری۔ خم۔ مٹکا۔ قمر۔ پیالہ۔ پریشانی صہبہ سے مراد لغیم شراب ہے مطابقت ہے کہ یہ محفل میں دو برتن اب چھینکا تو سب لوگ پیئے اور شراب تقسیم ہو جائیگی۔ کیا اچھا ہے کہ خم کے کوئیر کے اندر دو میں غلام خوش پی جاؤں اس صورت میں ستراب غیروں میں تقسیم یعنی پریشان نہ ہوگی۔

شعر (۱۳) طرف مقابل، نابہ۔ پرہیزگار۔ مطلب ہے کہ جن کی عمری درمیکدہ پر جہیز کی کرستے گزر گئی ہے یہ بہت بڑے منہ بھٹ، گستاخ اور بے ادب واقع ہوئے ہیں دیکھنا ہے حضرت زہدان کے مقابلہ میں نہ آتا یہ تہہ ہے پند و نصائح اور غلط نصیحت کو ہرگز ماننے والے نہیں کہیں آپکی پگڑی ہی نہ اچھال دیں۔

شعر (۱۴) بیدار ظلم۔ ربط تعلق مطلب ہے کہ ذرا بیدار و فادو دیکھئے کہ اسی وفانے جو تیرے عین میں تجھے کئی پڑتی تھی یہ ستم ڈھایا ہے کہ اگرچہ مری جان کو بوسے بھی دگر تعلق تھا یعنی وہ ہمیشہ لبوں پر ہی رہتی تھی مگر میں بیدار وفانے سے لبوں سے جدا کر دیا یعنی جان جاتی رہی۔

(۱۵) ناہم تو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا ۱ سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے غائب ترا احوال سناؤینگے ہم ان کو ۲ وہ سن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

شعر (۱۶) باقی نہ رہے جا یعنی شکایت کا موقع باقی نہ رہے شعریں معشوق کی انتہائی عیاری، کمال سفاکی اور نفرت و ناراضگی کی اندرونی تصویر کشی کر رکھی گئی ہے مطلب ہے کہ اگر انکے سامنے کوئی شخص ہمارے عشق و محبت کا تذکرہ کرتا بھی ہے تو وہ نہایت متانت و خاموشی سے سن بھی لیتے ہیں تاکہ ہمیں شکایت کا موقع نہ رہے یا ہم انکی دلی ناراضگی معلوم کر کے معافی مانگ لیں یا یہ شکایت کریں کہ آپ کو ہمارے نام سے بھی نفرت ہے۔

اور اس یا نذر بھی کمال ستم میں اخل ہے کہ وہ کبھی ہمارا ذکر ہی نہیں کرتا کہ شاید عاشق کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں بھی اس کا کچھ خیال ہے

شعر (۲) اچا اٹھیکہ، جی زاذمہ، خوب شعر کہا ہے مطلب ہے کہ اسے غائب تیر درو محبت، تیری گویہ ناری
تیر نالہ و فریاد، تیری بتیا بوی، تیری بقیراریہ اور تیری نازک حالت کا تذکرہ تو میرے مشوق کے سامنے کبھی کبھی طرح ہم ضرور
کر دیتے ہیں اس بات کا ذمہ نہیں لیتے کہ وہ یہ تمام حالات سنکر اور ان سے متاثر ہو کر تمہیں ضرور بلا بھی لے۔

(۱۳۲) گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر ہے

شعر (۱) اما غارت کرتا یعنی ٹوٹتا، مرزا چٹائی نے اپنی انتہائی مفلسی و غربادی اور عشق کی غارتگری اس شعر میں
نقشہ کھینچ دیا ہے، مطلب ہے کہ میرے گھر میں اب ہ کو نساہاں اسباب کہ غم کا لیٹر اسے لٹتا صرف ایک حسرت تعمیر
مکانوں میں بچی ہو وہ اب بھی موجود ہے لیکن اس حسرت کو وہ غارت کر دیوں نہ بنے لگا تھا کیا وہ بھی حسرت نصیب
اور خانماں برباد ہو جاتا کیا اور جگہ بھی مرزا چٹائی مضمون ادا کر چکے ہیں۔

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں

- | | | | |
|---|---|---|---|
| ۱ | غم دنیا سے گریباں بھی فرسٹ اٹھانے کی | فلک کا دیکھنا تقریب تیر یاد آنے کی | |
| ۲ | کھٹے گائیں طرح مضمون کے مکتوب کا یارب | قسم کھاتی ہے اس کا فرنے کا عذ کے چلانے کی | |
| ۳ | پیشنا پر نیاں میں شعاع آتش کا آسان بنے | ۱۰ | لے مشکل زحمت دل میں زغم حصانے کی |
| ۴ | انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا | ۱۱ | اٹھے تھے سیر گل کو دیکھتے شوخی بہانے کی |
| ۵ | میری سادگی تھی التفات نازیر مرزا | ۱۲ | ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تہید جانے کی |
| ۶ | لکہ کرب حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی | ۱۳ | میری طاقت نہ صامن تھی تبوں تے ناز اٹھانے کی |

کہوں کیا خوبی اوصاف انہائے زمان غائب

بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بار بار نیکی

شعر (۱) مولانا حالی فرماتے ہیں یعنی جب غم دنیا اٹھانے کی فرصت ملتی ہو تو سیر کرے ہیں آسمان پر نظر جاتی ہے

اور چونکہ وہ بھی تیری طرح جفا پیشہ ہے اسلئے اس کو دیکھتے ہی تو یاد آجاتا ہے (اور تیرے یاد کرنے سے) اب دوسرا غم شروع ہو جاتا ہے غرضیکہ کسی حالت میں غم سے نجات نہیں۔

شعر (۲) مطلب ہے کہ یا الہی میرے مکتوب محبت کا مضمون ہذا ظالم کس طرح پڑھے گا کیونکہ اس کا فرنے تو ہر اس کاغذ کو جو بصورت خط ہو جلا ڈالنے کا عہد کر لیا ہے۔

شعر (۳) پر نیاں، ایک باریک بلیشی کپڑا ہوتا ہے جسے فوراً آگ لگا دیتی ہے مطلب ہے کہ گو پر نیاں میں شعلہ آتش چھپ نہیں سکتا بلکہ شعلہ کے چھوٹے ہی وہ فوراً بھڑک اٹھتا ہے لیکن جو سوزِ غم ہم اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں وہ شعلہ در حریر ہونے سے زیادہ مشکل ہے اور شعلہ آتش کا پر نیاں میں چھپ جانا آسان ہے۔

شعر (۴) ذرا اس ستم ظریف کی شریفی تو ملاحظہ ہو کہ دل میں شوق تو یہ تھا کہ ذرا اپنے زخموں کو دیکھائیں مگر بظاہر یہ بہانہ کیا ہے کہ ہم سیرگلشن کو جاتے ہیں یعنی اسکے نزدیک عاشقوں کے زخم سیرگل اور بہا گلشن کا مرہ دیتے ہیں۔ یہی مضمون ایک اور جگہ بھی مرزا صاحب لکھ چکے ہیں۔

ہوائے سیرگل آئینہ بے صبری قاتل کہ اندازِ نگوں غلطیدن بسمل پند آیا
شعر (۵) ہم اپنی سادہ لوحی سے اس فریبِ لطفات پر جان مینے لگ گئے یعنی تیری تشریف آوری کو تیری مہربانی پر محمول کیا حالانکہ یہ ایک ہوکا تھا اور فریبِ ناز تھا یعنی ادھر آیا اور ادھر جانے کا ارادہ کر لیا اور عاشق کے لئے اس بڑھ کر باعثِ سوہانِ روح کوئی حرکت ہی نہیں ہو سکتی۔

شعر (۶) لکڑ کو ب، لات مارنا۔ تناڑنا۔ حوادث، حادثات مطلب کہ کبھی تو ہم اتنی طاقت و برداشت رکھتے تھے کہ تہوں کی ناز برداری کیا کرتے تھے لیکن اب ضعفِ ناز وانی کی یہ حالت ہے کہ حوادثِ زمانہ کی ناز بھی بردھائیں کر سکتے۔ شاعر کے خیال میں ناز و نیاں کا بوجھ یا حوادث سے بھی زیادہ ہے۔

شعر (۷) اوضاع، جمع وضع، انبساط، ابن کی جگہ یعنی بیٹے حیا نا اہل زمانہ مطلب ہے کہ ہم اہل زمانہ کے اس غیر نرفیاضہ سلوک کی کیا تعریف کریں جن بھٹے نسیان ہم نے ہر دفعہ نیکی کا برا ٹوکا انہیں نے ہمارے ساتھ

برائی کی۔ دراصل مرزا جھٹانے اہل زمانہ کی بدسلوکیوں کی شکایت کی ہے۔ بقول شخصے سے

اک زمانے کے ستم و قہقہہ دل اندوگس
 جس نے تو نے کی وفا اس نے ہی کی تجھ سے غنا
 اک زمانے کے مصائب آف پئے جان خرم
 دلائل حاصل ہو یا تھ دھو بیٹھائے آرزو خرم
 اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے
 میں بھی جلے ہوؤں میں نہیں آغ ناما می

شخص (۱)، حال، ثمرہ۔ ہاتھ دھو بیٹھنا۔ ناامید ہو جانا۔ آرزو خرمی، چکر لگانے والی آرزو۔ ڈوبی ہوئی
 لی یعنی وہ شخص جس سے قرضہ وغیرہ وصول ہونے کی امید نہ ہو۔ مطلب ہے کہ اے آرزو جو دل میں چکر لگاتی رہتی ہے
 اور امید رکھتی ہے کہ کثرت گریہ سے کوئی ثمرہ حاصل ہوگا یہ تیری خام خیالی ہے اس کے ہاتھ دھو بیٹھ یعنی ناامید
 ہو جانا۔ کیونکہ دل جوش گریہ میں ایک ڈوبی ہوئی اسامی ہے۔

شخص (۲)، یعنی وہ شمع کہ جو بھی پوری طرح جلنے نہ پائی ہو کہ اسے بجھا دیا جائے میں بھی ایسا ہی بد نصیب
 جاؤں کہ جو پڑے سے طور پر بھی جلنے نہ پایا غنا کہ تجھے بجھا دیا گیا داغ نامی یعنی تجھ نے ناما مہنے کا داغ ہے۔
 اس مضمون کو مرزا صاحب ایک اور جگہ بھی لکھ چکے ہیں سے

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم کبار جل گئے
 اے نامتائی نفس شعبدہ بار حیف
 (۱۳۵۱) کیا تنگ ہم ستم زدگار جہان ہے
 جس میں کہ ایک بقیہ مورا سماں ہے
 ہندوستان کو حرکت تیر ذوق سے
 ۲ پر تو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے
 جانا کر ہے یہ سبئی خارا سے الہ رنگ
 ۳ غافل کو میر شیشے یہ خے کا گمان ہے
 کی اس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا
 ۴ آئے نہ کیوں پستہ کہ ٹھنڈا امکان ہے
 یہ خوب تم نے غیر کو بدس نہیں یا
 ۵ بس چپ ہو مائے بھی منہ میں بان ہے
 لیٹے سے جو کہ سایہ دیوار یار میں
 ۶ فرمانروائے کشور ہندوستان ہے

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا ، کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

بے بارے اعتماد و فاداری اس قدر

۸۔ غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ ناہریان ہے

شعر (۱) بیضہ مور چوٹی کا انداز مطلب ہے کہ ہم مصیبت زدوں کوئی ٹھکانا ہی نہ رہا اور سدا

جہان ایسا تنگ ہے کہ آسمان بھی اس میں بیضہ مور نظر آتا ہے یا بیضہ مور آسمان کے برابر ہے ۔

شعر (۲) مطلب ہے کہ جس طرح فتنے کی حرکت یعنی زندگی آفتاب کی روشنی پر منحصر ہے اسی طرح تمام کائنات

تیرے ہی ذوق سے حرکت پذیر یعنی زندہ ہے اس مضمون کو مرزا صاحب ایک اور جگہ بیان فرماتے ہیں :

ہے تجلی نری سامان وجود ذرہ بے پروا خورشید نہیں

شعر (۳) سیلی طمانچہ بقیہ خارا اس جگہ سیلی خارا سے مجازاً حوادث زمانہ کے پھیلنے سے مراد ہیں اور

شیشہ سے شیشہ دل مطلب ہے کہ اگرچہ میر دل حادثات اور مصیبتوں کی وجہ سے خون ہو رہا ہے لیکن نادان یہ سمجھ

رہا ہے کہ اس شیشہ (دل) میں شراب بھری ہے لہٰذا رنگ سے ل کا خون ہونا مراد ہے اور شراب اور خون کی

سرخی میں رعایت رکھی گئی ہے ۔

شعر (۴) اہل ہوس۔ رقیب، نفس پرست مطلب ہے کہ چونکہ رقیب کے سینے میں سوز محبت اور حرارت

عشق نہیں بلکہ وہ بندہ نفس ہے اور ہرقت اسکی خواہش وصال پوری ہوتی رہتی ہے اور سوز حسرت بھی اس کے

سینہ میں نہیں اسلئے اسکی سینہ ایک ٹھنڈا مکان ہے اسلئے معشوق کو ٹھنڈی جگہ پسند آتی ہے یا بہت ہی

جگہ ہے تو اسکو گرم کر رہا ہے یعنی رقیب کا دل اپنی محبت سے گرم رہا ہے ۔

شعر (۵) مولانا حالی فرماتے ہیں کہ ہم سے بھی منہ میں زبان ہے ۔ اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ ہمارے

پاس ایسے ثبوت موجود ہیں کہ اگر یہ سب پرانے تو قائل کر دیں گے اور دوسرے شوخ معنی یہ ہیں کہ ہم زبان سے

چیکھ کر بتا سکتے ہیں کہ غیر نے بوسہ لیا یا نہیں ؟

گوں مجھ پر یام و چشم محروم جمال ۱۱ ایکٹل تپتر نا بید واری ہائے ہائے

عشق نے پکڑا نہ تھا غالب بھی لغت کا رنگ
۱۲۔ رہ گیا تھا دل میں کچھ ذوق خواری ہائے

شعر (۱) شاعرین فرماتے ہیں کہ یہ غزل مرزا غالب نے اپنے معشوق کے مرثیہ کے طے پر لکھی ہے لیکن اس پہلے شعر میں معشوق کی کلمہ سے خطاب کیا جائے تو شاید صحیح ہو سکے اور خود مرزا صاحب حالات تنوع میں یا معشوق کی خبر مرگ سن کر مرزا صاحب پر حالت تنوع طاری ہو گئی ہو۔ مطلب ہے کہ تو میر درد کی وجہ استغریحی و بیقرار کیوں ہے ہائے اسوانت وہ تیری غفلت شعاری کیا ہوئی کہ ہم تم پر مرتے تھے جان دیتے تھے اور تم پروا تک نہیں کرنے تھے چونکہ اپنے معشوق کو مرزا صاحب عالم ارفاع میں بھی سمجھتے تھے اس لیے اس لیے ایسا فرمایا ہے۔

شعر (۲) آشوب، فتنہ، فساد، جھگڑا۔ یعنی جب تجھ میں آشوب غم کے برداشت کی طاقت ہی نہیں تھی تو بچاؤ کیسے ہے کہ تو نے میری غم ساری ہی کیوں کی؟

شعر (۳) ہائے تجھے میری غمخواری کا خیال ہی کیوں آیا تھا کہ تو میری محبت کی تاب نہ لا سکا اور اپنی جان ہر دیدی۔ میرے ساتھ تیرے دوستی کیا کی گویا اپنے ساتھ دشمنی کی۔

شعر (۴) ہمان۔ تہہ۔ یعنی اگرچہ تجھ نے میرے ساتھ زندگی بھر کیلئے وعدہ کرنے کا اقرار کیا تھا مگر زندگی کے ظلم و غم سے تو ناپائدار ہے اس کے بھی دشمنی۔ اور تو خود تو مجھ سے جدا نہ ہوا لیکن اُس نے جدا کر دیا۔

شعر (۵) مجھے اپنی زندگی کی آہ ہوا زہر معلوم ہوتی ہے یعنی جب تیری زندگی نے تجھ سے وفات کی تو میں بھی اپنی زندگی سے بیزار ہو رہا۔

شعر (۶) یعنی کبھی تو جلوہ افروزی کے وقت ناز و انداز کے پھول جھڑتے تھے اور آج یہ حالت ہے کہ تیری قبر پر قلم سے گل بوٹے بنائے جا رہے ہیں۔

شعر (۷) تجھے عشق میں سوائی کے خیال سے ایسی شرم آئی کہ نقابِ اک میں منہ چھپا لیا۔ یعنی قبر میں جا

کو چپ کیا مگر یا عشق و محبت کی پردہ داری کی تو نے حد کر دی بھلا اس کے زیادہ رسوائی محبت کو کوئی کیا تبسایا مگر۔

حکیم ہوں خاں مرحوم بھی اپنے مشوق کے مرثیہ میں پردہ کے متعلق ایک شعر کہتے ہیں جو سید جگر پاش ہے سے
 بے پردہ جس کو صحن میں دیکھا نہ تھا ابھی لاش اس کی جائے ہے سر بازار ہائے پائے
 شعر (۸) آہ، عہد محبت کی عزت خاک میں مل گئی اور دنیا سے اب بس محبت ہی اٹھ گئی یعنی تو
 نے مجھ سے بیوفائی کی۔ گو بظاہر یہ شکایت ہے لیکن در پردہ درد و غم کا مظاہرہ ہے۔

شعر (۹) تیغ آزا۔ قاتل۔ ہائے افسوس کہ ابھی میرے دل پر تیغ محبت کا کوئی گہرا زخم بھی نہ آنے
 پایا تھا کہ میرے قاتل کا ہاتھ ہی بے کار ہو گیا۔

شعر (۱۰) بزرگال، برسات، اس جگہ بزرگال سے گریہ ناری اور شہائے تار شہائے غم مراد ہے اور
 اختر شہری سے تمنائیں اور رزویں مراد ہیں مطلب ہے کہ تیری زندگی میں قسب شب فراق ہوتی تھی تو تم نے
 بے گین کرت کاٹتے یا یہ رزویں باندھتے تھے کہ کسی کیسٹن میں ضرور فصل محبوب نصیب ہوگا لیکن اب تو
 برسات ہے یا گریہ ناری کی برسات اور گھنگھور گٹھائیں ہیں یا شب پائے غم ہیں اور وہ آرزوئے وصال
 کے نامے بھی جلوہ گر نہیں۔ آخر یہ اتنے تم کس طرح کاٹیں؟

شعر (۱۱) ہجر۔ ہجران نصیب، مطلب ہے کہ اب کوئی معشوق کا پیام لا سکتا ہے کہ کان اسے
 نہیں در نہ ہی یہ امید ہے کہ اپنے محبوب کا پیارا اور حسین چہرہ کبھی دیکھنے میں آئیگا یعنی کان ہجر و آنکھ حرم
 اور پٹال اس پر بھی اس قدر ہجوم ناامیدی۔ افسوس!

شعر (۱۲) یعنی میرے عشق نے ابھی جنوں و وحشت کا رنگ اختیار نہیں کیا تھا کہ میرے مشق بہتہ
 کیلے جدا ہو گیا، اور میرے دل میں ذلت و خواری اور رسوائی کی حسرت رہ گئی۔ بقول شخصے سے

وہ محبت ہی نہیں ہے جس میں رسوائی نہ ہو
 کیا نثرینے کا مزرہ گر تو نماستانی نہ ہو

(۱۳۷) گزشتگی میں عالم ہستی سے یاس ہے ۱ تسکین کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے
 لینا نہیں مرے دل آوارہ کی خبر ۲ ابتک نہ جانتا ہے کہ میری پاس ہے
 کیجے بیاں سرور تب غم کہاں تلک ۳ ہر ٹوٹے بدن پہ بان سپاس ہے
 ہے وہ غرور حسن سے بیگانہ وفا ۴ ہر چند اسکے پاس دل حق شناس ہے
 پی جستہ ریلے شب ہفتاب میں شراب ۵ اس بلفی مزاج کو گرمی ہی اس ہے
 ہر اک مکان کو ہے ملیں شرف اسد
 ۶۔ مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل ادا اس ہے

شعر (۱) گزشتگی پریشانی۔ زبوں حالی، یاس۔ ناامیدی۔ نوید۔ خوشخبری۔ آس۔ امید مطلب ہے
 کہ میں اپنی پریشانی اور زبوں حالی سے تنگ اور زندگی سے مایوس ہو چکا ہوں لہذا میر دل کو سکون کی
 خوشخبری دینی چاہیے کہ اب گزشتگی کا زنا نہ ختم ہونے کو ہے یعنی مجھے مرنے کی قطعی امید ہو گئی ہے۔
 شعر (۲) میر دل باوجودیکہ تباہ و برباد ہو چکا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں مطمئن ہوں اور دن
 میرے پاس ہے اسلئے اس کی خبر نہیں لیتا۔

شعر (۳) سرور۔ نشہ، خوشی، مو۔ بال۔ سپاس، شکر۔ تعریف مطلب ہے کہ مجھ کو غم کے بخار میں
 جو نشہ اور خوشی چال ہوتی ہے اسے کما حقہ بیان کہہ ہی نہیں سکتا گویا میر ہر ٹوٹے تن زبان سپاس بنا
 ہوا ہے قاعدہ ہے کہ بجاالت پہ لرزہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اسی کو زبان سپاس کہا ہے۔
 شعر (۴) مطلب ہے کہ باوجودیکہ میر وفادار اور حق شناس دل اسکے پاس ہے اور وہ اسے حق شناس
 سے آگاہ بھی کرتا رہتا ہے لیکن وہ ظالم اپنے غرور حسن کی وجہ سے حق ادا نہیں کرتا۔

شعر (۵) بلفی مزاج۔ مریطو مزاج، شب ہفتاب بھی بلحاظ برود بلفی کہتے ہیں (گو بغم جار بھی ہوتا ہے) اسلئے
 مزاج صافرتے ہیں کہ چاندنی رات میں بے دل کھول کر شراب پیو کیونکہ اس کا مزاج بلفی ہے اور شراب صلیح یا قاطع بلفی ہے

شعر (۶) لیکن۔ مکان میں رہنے والا مطلب ہے کہ ہر ایک مکان کی رونق و عزت کہیں کے وجود و شخصیت ہوتی ہے چونکہ مجنوں مر گیا ہے اس لئے صحرائے نجد ویران ہے۔

وہ (۷) اگر خاموشی سے فائدہ اٹھائے حال ہے ۱ خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے
کس کو سناؤں حسرتِ اطہار کا جگہ ۲ دل فرد جمع و خرچ زباں ہائے لال ہے
کس پڑے میں آئینہ پرداز اسے خدا ۳ رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے
ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی ۴ اے شوق منقل یہ کچھ کیا خیال ہے
مشکیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سوجان ۵ نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے
دشت پہ میری عرصہ آفاق تنگ تھا ۶ دریا زمین کو عرق انفصال ہے
ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد

۷ عالم تمام حلقہ دایم خیال ہے!

شعر (۸) خاموشی، خاموشی، حال۔ وارداتِ قلبیہ۔ اخفا، چھپانا۔ مطلب ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں جو خاموش رہا اسی نے نجات پائی اور سلامت رہا یا خاموش رہنے سے دل کا بھیڑ ظاہر نہیں ہوتا اگر اس سے ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے تو میں خوش ہوں کہ بغیر خاموشی کے مجھے یہ بات حاصل ہے یعنی اگر میں کئی دموڑ و اسرار کی بات کہتا ہوں تو لوگ اسے سمجھ نہیں سکتے۔

شعر (۹) فرد۔ وہ کافہ جس پر کچھ حسابِ غیرہ لکھا جائے۔ لال۔ گنگ مطلب ہے کہ میں اپنی حسرتوں کے اظہار کا گلہ کس سے کرو یعنی میرا دل جمع و خرچ کی ایک فرد ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر حسرت اظہار کی جمع اس میں "ج" ہے وہ زبان کے ذریعہ کچھ بھی خرچ نہیں سکی۔ گویا دل گونگی زبانوں کی شکایت کا دفتر ہے ایک اور جگہ بھی مرزا صاحب ہی مضمین لکھتے ہیں سے

نکہہ کہ گریہ بمقتدار حسرتِ دل ہے مری نظریں میں ہے سب جمع و خرچ دریا کا

شعر (۳) اُس نے پردہ از مضر و آتشِ مطلب ہے کہ اے خدا رحمت اے جو کہ عذر خواہ لب سوال پہ کس پردہ میں آئینہ پرداز ہے یعنی جو لوگ خاموش اور راضی برضائے الہی ہیں اخدانِ پرستِ نازل ہونے میں کیا دیر ہے (قاضی حنا)

شعر (۴) منفعل، شرمسار ہونا، شوق، رغبت، دل کا لگاؤ مطلب ہے کہ اے شوقِ دل تجھے کیا بدگمانی ہو گئی ہے کہ وہ میرا ظہارِ محبت سے شمن ہو جائیگا۔ اور تو اس سے تادم ہے کہ ہمنے انتخابِ دست میں غلطی کی نہیں تیرا یہ خیال ہی سرسبز غلط ہے بھلا ایسا محبوبِ رحیم کبھی دشمنی پر آمادہ ہو سکتا ہے یہ مضمون مرزا صاحب ایک اور جگہ بھی لکھ چکے ہیں یہ ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہا میں اور خدا نہ کر رہ تجھے بیوفا کہوں؟

شعر (۵) مشکیں، مشک یعنی کستوری کی طرح خوشبودار اور سیاہ۔ جناب اسی جناب کی شرح میں فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت علیؑ وہاں پیدا ہوئے محض اسکی وجہ لباسِ کعبہ مشکیں ہیں یعنی لباسِ کعبہ خوشبودار ہے تالانکہ لباسِ سیاہ ہے لہذا اسی سیاہ کو مشکیں کہ کر خوشبودار کے معنی نکالے اور پھر نتیجہ مرتب کیا کہ اس کا مشکیں ہونا کچھ اس وجہ کہیں ہے کہ اس کو ناف میں کہا گیا ہے ناف غزال خوشبودار ہوتی ہے اور مشک ہاں سے نکلتا ہے نہ کہ ناف میں سے یا مشکیں سے مردوںوں جگہ سیاہ لیجئے مگر محض سیاہی میں کچھ حضرت علیؑ کے قدم کی تعریف نہیں نکلتی۔ یہ مضمون غالباً مصنف ہی کا ہے ایک جگہ فارسی میں بھی فرماتے ہیں یہ

ز مکر متش نواف زمین ناف غزال است مشکیں ز چہ شہ ورنہ لباسِ حرم آیا

شعر (۶) عرصہ۔ میدان فراخ۔ آفاق۔ جمع آفت۔ کنائے مجازاً زمانہ، افعال، ندامت مطلب ہے کہ میرے جنون و وحشت و رودی کے مقابلہ میں زمین کے بڑے بڑے وسیع اور فراخ میدان بھی تنگ ثابت ہوئے تو زمین شرمندہ ہوئی اور اسے ماتے شرم و ندامت پہننے گیا۔ پس آپ جو دریاؤں میں باقی دیکھ رہے ہیں یہ زمین کا پیغمبر ندامت یا عرقِ افعال ہے۔

شعر (۷) ہستی۔ وجود۔ زندگی مطلب ہے کہ ہستی وستی کوئی چیز نہیں ہے یہ سب فریب اور دھوکا ہے اور تمام ظلم حلقہ دامِ خیال یعنی عدم محض ہے یہ سب بھی، خیالی اور اعتباری تعینات ہیں کسی ایک اور مقادیر پر بھی

مرزا صاحب نے بھی یہی مضمون لکھا ہے ۵

- ہاں کھائیو دست فریب ہستی
بہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے
- ۱۳۹) تم اپنے شکوہ کی باتیں کھو کھو کے پوچھو
جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
- ۲) نہ گریہ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے
حذر کرو مے دل سے کہ اس میں آگ لپی ہے
- شعر ۱) اکھو اکھو کر پوچھنا۔ بار بار تجسس کرنا مدیافت کرنا۔ حذر۔ پرہیز کرنا۔ بچنا مطلب ہے کہ مرزا صاحب اپنے معشوق سے کہہ رہے ہیں کہ تم مجھے ضبط و تحمل ہی میں رہتے دو بار بار گریہ کر مری شکایتوں کا پتہ نہ لگاؤ پس چپکے ہی ہو اور مجھے بھی خاموش ہی رہنے دو ورنہ جنہیں تم معمولی شکایتیں سمجھ رہے ہو وہ تو ایک لپی ہوئی آگ کی طرح ہیں ممکن ہے تمہاری کرید وہ بھڑک اٹھیں اور ہم دونوں اس کے اشتعال انگیز اثر سے متاثر ہو جائیں۔
- شعر ۲) دلا۔ اسے دل، مغنم غنیمت، گریہ سحری، رات کے پچھلے حصہ میں رونا۔ آہ نیم شبی۔ آدھی رات کی نہیں مطلب ہے کہ اسے بڑا دل تو اس روزہ رد و لم کو بھی غنیمت سمجھ کیونکہ اسی کے باعث آہ نیم شبی ہے اور اسی کی وجہ گریہ سحری، آخر ایک دن یہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ یہی مضمون مرزا صاحب ایک ورگہ بھی لکھ چکے ہیں ۵
- ۱۴۰) ایکجا حزن بنا فنا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا
نغمہ ہائے غم کو بھی لے دل غنیمت جانے
- ۱) ظاہر کا غذا ترے خط کا غلط بردار ہے
بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن
- ۲) ہم نہیں چلتے نفس بہر چند آتش بار ہے
جی جے ذوق فنا کی ناتما جی پر نہ کیوں
- ۳) ہر کوئی واپاندگی میں نالے سے ناچار ہے
آگ کے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
- ۴) جسکے جلوے سے زمین آسماں سرشار ہے
بے ہی بدستی پر ذرہ کا خود عذر خواہ
- ۵) زندگی سے بھی مر جی اندلوں بیزار ہے
تجھ سے مت کہہ ہمیں کتنا تھا اپنی زندگی
- ۶) تجھ پہ کھل جائے کہ اسکو حسرت بیدار ہے
تجھ کی تھویر نہ نامہ یہ کیسبچی ہے کہ تا

شعر (۱) مولانا حالی فرماتے ہیں غلط بردار اس کا غد کو کہتے ہیں جس پر سے حرف باسانی کر دکھ غیرہ سے اُس کے اور کا غد پر اس کا نشان باقی نہ رہے مگر یہاں ذراہ طرفت غلط بردار کے یہ معنی لئے ہیں جس پر سے حرف غلط خود بخود ڈال جائے۔ کہتا ہے کہ نے اپنے خط میں صرف ایک جگہ حرف و ذال لکھا تھا سو وہ بھی مٹ گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خط کا کا غد غلط بردار ہے کہ جو بات سچے دل سے اس پر نہیں لکھی جاتی وہ خود بخود مٹ جاتی ہے۔

شعر (۲) اس شعر کی شرح میں جناب قاضی حسنا فرماتے ہیں کہ آدمی کے سینے میں شعاع روح روشن ہے اس کے ہر سانس جو اندر جاتا ہے مستقل کرتا ہے اور اسی اشتعال کی بنا پر انسان زندہ ہے علاوہ ازیں اس سانس کے کچھ نہ کچھ بدن کا حصہ فنا ہو جاتا ہے لہذا جو چیز کہ باعث حیات ہے ہی ساتھ کیساتھ کچھ نہ کچھ جزو فنا بھی کرتی جاتی ہے اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انسان (بلکہ ہر فیض) طبعاً و فطرتاً ذوق فنا رکھتا ہے پس اگر کہتا ہے کہ مجھ کو اپنے ذوق فنا کی ناتمامی پر فوس ہوتا ہے کہ باوجودیکہ نفس آتش بار ہے لیکن پھر بھی ہم جل کر فنا نہیں ہو جاتے لیکن کہنے والے اس طرح بھی کہتے ہیں کہ

گر مجھ عشق سے قائم ہے حیات انسان زندگی کیا ہے جو سوزِ غم نہاں نہ رہا
لیکن مرزا صاحب ایک اور جگہ بھی یہی مضمون لکھ چکے ہیں

جلتا ہے دل کیونکہ ہم اک بار جل گئے اے ناتمامی نفسِ شعلہ بار حیف

شعر (۳) آگ کے بجھنے سے مراد مرزا صاحب نے اس جگہ مصیبت و افتاد یا فنا ہی ہے اور درماتنگی کا لفظ بھی قریب قریب انہیں مضمون میں استعمال کیا ہے مطلب ہے کہ آگ جیسی خاموش یا ظالم و غصناک چیز بھی جب اُسے پانی کے ذریعہ فنا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ اپنی اس مصیبت کی حالت میں فریاد کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے آگ کو جب پانی سے بجھایا جائے تو اس وقت ایک آواز نکلتی ہے جسے نالہ سے تعبیر کیا ہے۔

شعر (۴) مولانا حالی فرماتے ہیں ہر ذرہ یعنی ہر مخلوق، عذر خواہ یعنی معافی چاہنے والا یا عذر رکھنے والا۔ اس شعر میں دعویٰ ایسے طریقے سے کیا گیا ہے کہ خود دعویٰ مستطین دلیل واقع ہوا ہے مطلب ہے کہ ذرات عالم

یعنی ممکنات جو فی الحقیقت معدوم محض ہیں انکی بدستی اور غفلت کا عذر خواہ وہی ہے جسکے پر تو وجود سے یہ تمام معدومات وجود کا دم بھرتے ہیں۔

شعر (۱۵) مرزا حسن اپنے معشوق کو یہ بات یاد دلا کر منانا چاہتے ہیں کہ ایک وقت تھا کہ تو ہمیں اپنی جان یعنی زندگی سمجھا کر نانا تھا لیکن مرزا صاحب ازراہ شوخی و طراوت فرماتے ہیں کہ میں یہ بات ہی سُننا نہیں چاہتا کیونکہ میں زندگی ہی سے بیزار ہوں۔

شعر (۱۶) مطلب ہے کہ لفافہ یا عنوان نامہ پر میں نے اپنی آنکھ کی تھوہل سلے بنا دی ہے تاکہ تجھ پر پہلے ہی ظاہر ہو جائے کہ اس خط میں حسرت دیدار یا تقاضائے دیدار کا مضمون درج ہے۔

(۱۶۱) پینس میں گذرتے ہیں جج وہ کوچے سے میرے
کند صاحبی کماروں کو بدلتے نہیں دیتے

بظاہر تو اس شعر کے یہ معنی ہیں کہ مرزا حسن کا معشوق اگر ان کے کوچے سے گزرتا ہے تو ازراہ نفرت دستم اٹھاتی مجھ سے گزر جاتا ہے کہ کماروں کو کندھا بدلنے کا بھی موقع نہیں دیتا کہ شاید مرزا حسن دیکھنے نہ پائیں لیکن شعر ایک خاص واقعہ کے متعلق ہے یعنی کہ ایک مرتبہ حکیم مومنؒ مرزا حسن کے مکان کے سامنے سے گزرے مرزا حسن نے دیکھ لیا کہ مومنؒ میں کون ہے مگر وہ کچھ بولے نہیں لیکن حکیم حسن کو کماروں سے یہ کہتے سنا کہ جلدی پہلے چلو شاید حضرت مومنؒ کو کوئی اشد ضرر ہو گا مگر جب وہ چلے گئے تو مرزا غالب نے یہ شعر کہا اور حکیم مومنؒ کو بھیجے یا اسکے بعد حکیم مومنؒ مرزا حسن نے بہت عذر خواہی کی دراصل مرزا حسن کو حکیم مومنؒ سے بید مجتہدی اور متبقا فنا محبت حکیم مومنؒ خاں کو معشوق و محبوب تصور فرمایا۔

(۱۶۲) ۱۔ میری ہستی فضائے حیرت آباد مینا ہے جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا علقہ ہے
۲۔ خزانِ فصل گل کہتے ہیں جیکو کوئی موسم ہے وہی ہم ہیں فتن ہے اور ماتم بال پر کا ہے
۳۔ وفائے لبرکات اتفاق ورنہ اے ہمد م اثر فریاد دہائے حزن کا کس نے دیکھا ہے

نہ لائے شوخی اندیشہ تابِ رخِ نو میدی ۴ کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

شعر (۱) (مضامین خانہ، میدان، عنقا۔ ایک مشہور جانور کا صرف نام ہی نام ہے کسی نے آج تک اسے دیکھا نہیں اپنی ہستی کو حیرت آباد تمنا سے تشبیہ ہی ہے مطلب ہے کہ میں اپنی کثرتِ تمنا کے باعث حیرت زدہ ہو گیا ہوں اور وہ حیرت سے میرے منہ سے آواز نہ نکل نہیں سکتی پھر تمنا پوری نہ ہونے کا تالہ کیسے کر دوں تالہ ہے تو سہی لیکن نام "تالہ" ہے جسے تالہ خاموش بھی کہہ سکتے ہیں یعنی جس طرح عنقا کو کسی نے نہیں دیکھا اسی طرح میرے تالہ کو بھی کسی نے نہیں دیکھا۔

شعر (۲) مائیں ہیں بہار و خزاں کیا واسطہ نہ خزاں کا رنج ہے نہ بہار کی خوشی۔ یا میں معلوم ہی نہیں ہمارا کہ خزاں کب گئی اور بہار کب آئی۔ کیونکہ میں تو ہر موسم میں ہال و پر کے نوچے جانے کا ماتم رہتا ہوں۔

شعر (۳) مطلب ہے کہ اگرچہ میں مائل بہ فنا ہوں یا مہربانی سے پیش بھی آئیں تو اسے ایک حقِ آفاق سمجھنا چاہیے ورنہ غمگین دلوں کی فریاد سے متاثر ہو کر یہ سنگدل کیسے آمادہ کرم نہیں ہوتے۔

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

شعر (۴) تجدید۔ کوئی کام از سر نو شروع کرنا۔ کفِ نسوس ماند سے اس جگہ مرزا جھٹانے وہ منہوم لبا ہے کہ جیسے کوئی عہدِ وہیمان کرنے کی وقت ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہے یا میرے پائے پیر کے ہاتھ میں بیعت کی وقت اپنا ہاتھ دیتا ہے مطلب ہے کہ میری شوخی اندیشہ ناامیدی کے رنج کی تاب نہیں لاسکی اس لئے کہ مایوسی کی وجہ سے کفِ افسوس ملا تھا وہ شبیہ تمنا کا عہد ہو گیا میں جس کا افسوس کیا تھا پھر اسی کی تمنا کی۔

۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱

اور اس کی نبض کچھ بڑے چراغ کے دھویں کی طرح ہے یعنی ذرا سی دیر میں ختم ہو جانے والی ہے۔

بہت خیال میں جناب قاضی صاحب نے نبض و دی کی تعریف صحیح نہیں فرمائی حالانکہ نبض و دی کی وجہ تمعید یہ ہے کہ دو اس کیڑے کو کہتے ہیں جو نجاستوں میں ہوتا ہے ضعف سے جس طرح آہستہ آہستہ رنگتا ہے ویسے ہی اس نبض کی جان جرتی ہے اور یہ نبض موجی و نمکی سے مشابہ ہے اور موجی کی نسبت یہ زیادہ ضعیف ہوتی ہے موجی۔ صریح اور منواز اور نرم اور نمکی نہایت ضعیف، صغیر و اتار کے ساتھ پس مرنے رقت کی نبض اگر ہو سکتی تو نمکی ہوتی نہ کہ و دی۔ لیکن مرزا صاحب نے تو اس جگہ و دی چراغ سے دھواں مراد لی ہے حالانکہ دھویں مشابہ نبض نہیں ہوتی۔

مشعر (۲) سورہ نفع، فائدہ۔ جب تک چراغ نہیں جلتا اس وقت تک تیل خرچ نہیں ہوتا اس لئے بے رونقی میں چراغ کے نہ جلتے میں فائدہ ہے مطلب ہے کہ میرا چراغ دل جو نہ جیسے کی وجہ سے بے رونق ہو رہا ہے اصل فائدہ یہ ہے لیکن وجود اس فائدہ کے وہ بخیل لگی ہیں بے کشاید اس شعلہ عشق و محبت کی وجہ سے لگی کا کوئی ساہل پیدا ہو جائے

(۱۴۴) چشم خوابا خاشی میں بھی نوا پر راز ہے ۱ سرسہ تو کہو کے کہ وہ شعلہ آواز ہے
پیکر عشاق سوز طالع ناساز ہے ۲ نالہ گویا گردش سیارہ کی آواز ہے
دست گاہ دیدہ خونبار مجھوں دیکھنا ۳ یک بیاباں جلوہ گل فرش پا انداز ہے
مشعر (۱۵) تو کہوے۔ تو کوئی کا ترجمہ ہے۔ نوا پر لار۔ سخن گو۔ حجاز اُعشوہ وغمرہ۔ اشارہ مطلب ہے کہ ستون کی سرنگیں آنکھ باز خود خواوش ہونے کے سخن گوئی کر رہی ہے اور اس شمع رو کی آواز حوشل شعاع کے ہے اس کے دھویں نے سرسہ کا کام دیا۔

مشعر (۱۶) پیکر شکل۔ صورت۔ رہی ہر چیز کی۔ ساز۔ باجہ گردش سیارہ یعنی بدستہتی۔ جناب آسمان شمع یوں فرطے ہیں کہ عشاق کے جسم گویا طالع ناساز کیسے ساز میں آواز الہی گردش سیارہ کی آواز سے حال ہے کہ عشاق طالع ناساز کے ہاتھ میں گویا یک باجہ میں جس سے نالہ و قریا کی آواز نکلتی ہے عشاق بھی ندری میں ایک باجہ کا نام ہے جیسے سعدی فرماتے ہیں۔ ع۔ دوزا عشاق نہاوند حور است۔

لیکن ہم عرض کرتے ہیں کہ جناب سنی کو اس میں غلطی ہوئی ہے نہ اصل عشاق ایک باجگان ہم نہیں بلکہ ایک راگ کا نام ہے بلکہ نہاوند و حجاز بھی راگوں ہی کے نام ہیں۔ درمزد انما ایک یہ شعر تو لفظ ساز کا بھرپور ضلع ہے یعنی عشاق - ساز - ناساز - نالہ - گویا - آواز۔

شعر (۳) دستگاہ - سرپایہ - سامان - مال و دولت، کارخانہ اہل پیشہ کا - فرش پا انداز وہ بچیوں جو آندہ و رفت کی جگہ یعنی دروازے پر کچھا دیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ذرا محبوں کی چشم خونچکاں کی کارستانی ملاحظہ ہو کہ اس نے اشکِ نوپس کی گلا دیوں سے صحرائے نجد کو گلزار بنا دیا ہے الفاظ و سنگاہ اور پا انداز اور ویدن اور دیکھنا اور محبوں - بیاباں - گل - پورا ضلع ہیں۔

(۱۴۵) عشق مجھ کو نہیں دشت ہی سہی ۱ میری دشت تری شہر ہی سہی
 قطع کیجے نہ تعلق ہم سے ۲ کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
 میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی ۳ اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی
 ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے ۴ غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
 اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو ۵ آگئی گر نہیں غفلت ہی سہی
 عمر ہر چند کہ ہے برق خرام ۶ دیکھے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی
 ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں ۷ نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی
 کچھ توڑے اے فلاں انصاف ۸ آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی
 ہم بھی تسلیم کی خود راہیں گے ۹ بے نیازی تری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد

گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

شعر (۱) تو جو میرے عشق پر نام دھرتا ہے در یہ کہنا ہے کہ یہ عشق کیا ہے ایک جنون و دشت ہے چچا

ہذا ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ یہ وحشت ہی سہی لیکن یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ میری وحشت کی وجہ سے لوگ مجھے
تیرا دیوانہ و مجنوں کہتے ہیں اور یہ بھی بڑی بات ہے کہ میری وجہ سے تیری شہرت بھی ہو گئی۔ ذاب مصطفیٰ خاں
شیفۃ المیند حضرت مومن مرحوم اس مضمون کو اس طرح ادا فرماتے ہیں :-

عشقِ ذلت ہے تو ذلت ہی سہی میری ذلت تری عزت ہی سہی
شعر (۲) شعر صاف ہے یعنی ہم سے قطع تعلق نہ کیجئے اگر صلح رکھنی نہیں چاہتے تو دشمنی ہی کیا کرو۔
مرزا صاحب نے اس مضمون کو مستند وجہ دکھا ہے :-

دارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
بات اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ اس قدر دشمن ارباب و فاجہو جانا
شعر (۳) مطلب ہے کہ تیری مجلس میں صرف میرے ہی ہونے سے تیری کیا بدنامی ہوگی اور اگر
تو میں اس طرح ملنے سے خوف رسوائی ہے تو تخلیہ میں ملاحظہ کرو۔

شعر (۴) مطلب ہے کہ ہم نے مانا کہ تم غیر سے محبت کرتے ہو اور غیر تم سے محبت کرتا ہے۔ لیکن
ہم بھی آپ کے دشمن نہیں ہیں ہم بھی تو آپ سے محبت ہی کرتے ہیں :-

محبت تم سے کرتا ہوں عداوت تو نہیں کرتا کوئے جو عجزی اس کو متانا کس سے سیکھ ہے
شعر (۵) آگئی، واقفیت۔ مولانا نظم اس کی شرح اس طرح فرماتے ہیں یعنی اپنی ہستی سے آگاہی ملین
عرفان ہے اور یہ مضمون حدیث مشہور صَاحِبُ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ سے استنباط کیا ہے پھر کہتے ہیں کہ اگر
آگئی نہیں حاصل تو اپنی ہستی سے غفلت کر لیں جب اپنے تئیں نیست سمجھئے گا تو موجود حق کا جلوہ تجھے دکھائی دے گا
اس شعر کی تعریف کیلئے الفاظ میں ملتے جلتے یہ ہے کہ شارحِ طریقت جن کا کلام ترجمانِ حقیقت ہوا کرتا ہے
ان کے دیوان بھی آج اس کی نظر سے خالی ہیں۔

شعر (۶) برقِ خرام بجلی کی رفتار والی۔ مطلب ہے کہ اگرچہ عمر بہت جلد گزر جائیگی لیکن چیز ہے

نہیں اتنی فرست دے کہ اپنے دل کو خون کر ڈالیں جناب شیفۃ نے بھی اس مضمون کو خوب لکھا ہے

از دہم علم و اسگب حرمیں پیر بھی فرصت ہے تو فرصت ہی سہی

شعر (۷) یعنی اس خیال سے کہ عشق تو صرف معیت ہی معیت ہے یا عشق میں معیتیں برداشت

کرنی پڑتی ہیں ہم ہمت ہار کر ترک و فاکر میں گئے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہے

یہ تاج کا ہی دل ہے جس نے نہا ہی الفت یہ بھی کوئی عداوت ہے وقت ستم نہ ہوگا

شعر (۸) رخصت۔ اجازت یعنی اسے ظالم اور بے حس آسمان اگر ہماری کوئی مراد پوری نہیں کرنی

اور میں عیش و عشرت میں سے کوئی حصہ نہیں دینا چاہتا تو کم از کم اتنا تو کر کہ ہمیں فریاد کرنے کی بدولت

دے اس مضمون کو مرزا صاحب یک اور جگہ بھی لکھ چکے ہیں

دے داد لے فلک دل حسرت پرست کی ہاں کچھ نہ کچھ غلامی مافات چاہئے

شعر (۹) خو۔ عادت۔ بے نیازی۔ بے پروائی۔ مطلب ہے کہ جب ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ

بے پروائی تیری عادت میں اخل ہے تو ہم نے بھی مجبوراً عہد کر لیا ہے کہ ہم تسلیم کی عادت کر میں گئے

"تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے" یعنی تیری بے نیازی کو خوشدلی سے برداشت کیا کیسے ہے

گر میرے سنے پر ہوتی ہے خوشی تجھ کو تسلیم کیا دل نے بے نیازی رضا کرنا

شعر (۱۰) حسرت سے مراد اظہار حسرت و صل ہے مطلب ہے کہ یار کے بچھ نہ کچھ چھیر ضرور دے

چاہئے اگر مل وصل نصیب نہیں تو انصاف حسرت وصل تو کرتے ہیں حکیم تو من جاں فرماتے ہیں

ہاں جو من پس چھیر چلی جائے کہ پھر تو جھڑ جائے فرمودہ اگر دامن نہ ہوگا

جناب شیفۃ تلمیذ حضرت لقمن نے اس میں خوب شعر کہے دو ایک بدیہ نظریں ہیں

نہ لکھو نامہ نہ بھیجو ہنرم + عشق کی آگے نسبت ہی سہی۔ سچے انصاف سے ماننا موقوف

ہجر تو جائے جو ہو جائے وصل + وصل ممکن ہے رقت ہی سہی۔ مجھ کو الفت نہیں عیت ہی سہی

(۱۴۶) آئے رسیدگی میں نکلوش بجا مجھے ۱ صبح وطن پر خندہ دندان نما مجھے
 ڈھونڈے پاس مغنی آتش نفس کو جی ۲ جس کی صدا ہو جلوہ برق فنا مجھے
 مستانہ طے کرو ہوں رہ وادی خیال ۳ تاباز گشت سے نہ رہے مدعا مجھے
 کرتا ہے بسکہ باغ میں توبے حجابیاں ۴ آنے لگی ہے نکت گل سے جیا مجھے
 کھلتا کسی پہ کیوں مے دل کا معاملہ ۵ شعروں کے انتخابے رسوا کیا مجھے
 شعر (۱) آ رسیدگی۔ آرام طلب ہونا۔ نکلوش۔ سرزنش۔ طارمت۔ خندہ صبح ایک شہر استعارہ
 ہے لیکن دندان نما کہہ کر واضح طور پر جنسی مراد لی گئی ہے۔

مطلب ہے کہ میرے جیسے دیوانہ کو تو صحرانوردی اختیار کرنا چاہئے تھی اور میں جو کاہلی اور آرام
 طلبی اختیار کئے بیٹھا ہوں اس پر اگر صبح وطن میری ہنسی اڑائے تو بجا ہے واقعی میں میں سرزنش اور
 نفسیہ کے قابل ہوں۔ مرزا صاحب نے اسی مضمون کو ایک اور جگہ بھی لکھا ہے ۷

نکلوش ہے متر فریادی بیداد دلبر کی مبادا خندہ دندان نما ہو صبح محشر کی
 شعر (۲) مغنی۔ گویا مطلب ہے کہ مجھے ایک ایسے آتش نفس راگ گانے والے کی ضرورت تھی جس کی
 آواز میرے ہوش و حواس کے ساتھ برق فنا کا کام کرے یعنی شعلہ واز مجھے پھونک ڈالے یعنی جس کے
 سننے سے وہ روحانی و وجدانی کیفیت طاری ہو کہ میری ہستی کا نام و نشان نہ رہے۔

شعر (۳) جناب قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص بخیری اور استغراق کی حالت میں کسی راتے
 کو طے کرتا ہے تو چونکہ اسکو بخیری کے عالم میں راتے کے موڑ وغیرہ کچھ پتہ نہیں ہوتا اسلئے اس کا راستہ واپس نامت
 مشکل ہوتا ہے میں شعر کہتا ہوں کہ میں دی خیال مجھ کو راستہ مت نہ وار طے کرتا ہوں تاکہ پھر واپس نہ آ سکوں
 یعنی ہمیشہ خیال مشتاق ہی میں مستغرق رہتا ہوں۔

شعر (۴) نکت۔ خوشبو۔ جناب ظلم اس کی شرح اس طرح فرماتے ہیں کہ میں نکت گل کو بھیجا ہے جتنا

تھا کہ ہوا شن کے درجہ تہ بہر ہو گئی تو تو اس سے بھی زیادہ بے حجاب ہو کر معشوق کا بے حجاب بیباک در
 شوح ہونا بھی ایک انداز بہر میں طرح شریکوں و پردہ نشین ہونا بھی ایک اداس ہے۔

شعر ۱۵ مطلب ہے کہ میں نے اپنے لئے شاعری کو انتخاب کیا اور لوگ سمجھے کہ یہ عاشق مزاج
 ہے۔ جس سے میں رسوا ہو گیا۔

زندگی اپنی جب اس بنگ سے گزری غائب
 ہم بھی کیا یا د کرینگے کہ خدا رکھتے تھے

یعنی جب اپنی طرح سے حالات اور فاقہ مستی میں ہماری زندگی گزری اور نہ کوئی ہمارے دل کی آرزو پوری
 اور کبھی کوئی خوشی نصیب ہوئی تو ہم بھی کیا کہیں گے کہ ہمارا بھی کوئی خدا تھا یہی مضمون کسی میں بھی لکھا ہے۔

گفتو نیست کہ بر غالب ناکام چه رفت
 عینواں گفت کہ این بندہ خداوند نہ داشت

۱ اس بزم میں نہیں مجھے، جاہ کئے
 بیٹھا رہا اگر چہ اشائے ہوئے کئے

۲ دل ہی تو ہے سیاستِ بیاں سے ڈر گیا
 میں اور جاؤں قدم سے تم سے بن صدا کئے

۳ رکھتا پھر وہوں خرقہ و سجادہ ہن سے
 مدت ہوئی ہے دعوتِ آپ ہوئے کئے

۴ بے صرفہ سی گزرتی ہے ہو کر یہ غیر خضر
 حضرت بھی کل کیسے کہ ہم کیا کیا کئے

۵ مقدور ہو تو خاک سے پوچھا کہ اے فیض
 تو نے وہ گنجائے گرا نہایہ کیا کئے

۶ کس روز تمہیں نہ تراشا کئے عابد
 کس دن ہمارے ہسر پہ نہ آئے چلا کئے

۷ صحبت میں خیر کے نہ پٹری ہو کہ یہاں
 دینے لگا ہے بوسہ بغیر التماس کئے

۸ ضد کی ہے وریات مگر تو بیری نہیں
 بھولے سے اس کے بندہ کوں ملے فنا کئے

۹ غالب نہیں کہو کہ بے کا جواب کیا
 مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

شعر ۱۶ مطلب ہے کہ اس سرورِ معشوق کو محبت میں غیرت اور بے حیا بننے کے بوجھ سے ضبط سے کام

لیکھ بیٹھا مشکل ہے کیونکہ رقیبوں کے اوز تک آپس میں نہیں معلوم کیا کیا اشارے ہوتے رہے اور میرا پتی کھوکھلے
دیکھا رہا یا میری نسبت تحقیر آمیز اشارے ہوتے رہے کہ اس کمبخت کو یہاں آٹھ جانا چاہیے لیکن کیا کریں انہی
صحت چھوڑنے کو بھی دل نہیں چاہتا آخر صبر کے یازہر کے گھونٹ پی کر بیٹھنا پڑتا ہے س

عدو سے آنکھ ملا کر وہ مجھ پہ ہنستے ہیں دل غریب پہ بجلی گرائی جاتی ہے

صفحہ (۱۲) سیاست، خون، دبدبہ، ستر، مطلب ہے کہ بھلا یہ کیسے ہو کر ہے کہ میں تمہارے د

غیر آواز دیے چلا جاتا لیکن اس خیال سے کہ کہیں کمبخت دربان نقشہ و فساد پر پانہ کرے، ورنہ
نوبت پہنچے یا پور چور کہہ کر پکڑ وٹے میرا دل ڈر گیا اور میں خاموش تیری گلی سے گزر گیا۔

صفحہ (۱۳) خرقہ، لباس فقراء، سجادہ، مصلیٰ، دہن، گر و کرنا کسی چیز کا عوض و سری چیز کے جعفر
شاہین نے دعوت آپ ہی اسے مراد دعوت بہار لی ہے ہمارے خیال میں اگر ہوا سے خواہش فائدہ و آراب سے
شراب مراد لی جائے تو کیا بُرا ہے مطلب صاف ہے۔

صفحہ (۱۴) بے صرفہ، بے فائدہ، کل یعنی قیامت، کیا کیا کئے یعنی ہم نے کیا کیا، مطلب ہے انسان
خواہ کتنی ہی لمبی عمر کیونہ پائے لیکن وہ بیکار ہی جاتی ہے حضرت خضر علیہ السلام نے کیا کھوڑی عمر پائی ہے لیکن
کل قیامت دن حضرت خضر علیہ السلام بھی حسرت کے ساتھ یہی کہیں گئے کہ ہمیں اس طویل العمری سے کیا ہاصل
ہوا اور ہم نے اس طویل العمری اور دائمی زندگی کی خواہش کیوں کی؟

صفحہ (۱۵) یئس، بخیل و کنجوس، گنجائے گرانمایہ، بیش قیمت خزانے مولانا آئی نے اس شعر کی اچھی شرح کی،
کہ اگر مقدور ہو تو خاک سے چوچوں کے یئس اتنے خزانے تجھ میں فن ستے تو نے اس کا کیا کام لیا، مقدور کا لفظ پتہ دیتا ہے
کہ متعجب یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر دولت میرا پس جس ہو جائے تو میں لوگوں کو فائیس پہنچاؤں و زمین کو طے دوں
کہ آخر تو نے مقدور خزانوں سے کیا کام لیا یا کیسی کو کیا فائدہ پہنچا یا؟ ہماری رائے میں اگر خاک سے وہ انسان مراد
لی جائے جو بہت بڑے امیر کسیر و متمول آدمی ہیں لیکن بخیل و کنجوس ہیں تو پھر بھی صحیح ہے کیونکہ یہ کنجوس

مالدار کسی انسان کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔

شعر (۷۶) نمت تراشا نمت لگانا۔ یعنی وہ کونسا دن ہی حیدر ثمنوں نے ہم پر جھوٹی تمیں لگائیں
افرانہ بانٹے اور ہم پر طرح طرح کے ظلم و ستم نہ کئے، اور ہم لکے سر پر مصیبتیں اور بلائیں نسلے بقول شخصہ
کون سا دن ہے کہ صلے نہ اٹھائے میں نے کون سی رات مرے قتل کا سماں نہ ہوا
شعر (۷۷) مطلب ہے کہ میری خواہش اور طلب کے بغیر معشوق خود بخود پوسٹیتے لگا ہے معلوم یہ ہوتا ہے
کہ یہ کثرت فیرو کی صحبت میں رہا ہے اور وہاں اسے بوسہ دینے کی عادت ہو گئی ہے اور سمجھتا ہے کہ اس عاشق کی صحبت
میں بھی سوائے بوسوں و کنار ہونے کے اور کیا مطلب ہے۔

شعر (۷۸) مطلب ہے کہ ضد ہو جائے اور کسی بات پر اڑ جائیں تو یہ دوسری بات ہے اور ہم کچھ کہہ نہیں
سکتے لیکن فطرتاً و فاداراً اور خوش اخلاق معشوق ہے کیونکہ بخیری میں اس نے سینکڑوں غلے دفال کئے۔
شعر (۷۹) مرزا صفا کا خیال تھا کہ اپنے معشوق کو چل کر دانا صحبت سنائیں لیکن حضرت ناصح قرأتے
ہیں یہ تو ہم نے مان لیا کہ اپنے وہاں کر دانا عشق سادی اور انہوں نے سن بھی لی لیکن اس کی توجہ کیا بکھے گا، کیا وہ اسے
صحیح سمجھ کر تم پر مہربان ہو جائے گا؟ وہ سنکر تو یہی جواب دینگے یا وہ کوئی جواب ہی نہ دینگے۔

یہ مذاق عشق اور تمہ؟ کرو تو یہ حضرت دل ابھی پوچھیے سلیقہ ابھی سیکھئے قرینہ
۱ رفتار عجز قطع رہ اضطراب ہے اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے
۲ مٹائے ہے سر و نشاط بہار مے بال تدرد جلوہ موج شراب ہے
۳ زخمی ہوا ہے ماستہ پائے ثبات کا نے بھاگنے کی گون آقامت کی تاب ہے
۴ جادو بادہ نوشی رہتاں پر شش جہت غافل گماں کہے ہے کہ گیتی خراب ہے
۵ نظارہ کیا حرفت ہو اس برق حسن کا جوش بہار جلوے کو جسکے نقاب ہے
۶ میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

گزر اسد مسرت پیغام یار سے !
 قاصد پہ مجھ کو رشک سوال جواب ہے

شجر (۱) اما قطع۔ طے کرنا۔ رہ اضطراب، وہ رائجو حالت اضطراب میں طے ہو۔ سال سے عمر مراد ہے مطلب کہ جس طرح گردش آفتاب رات دن، ہفتہ و ماہ سال کا حساب کیا جاتا ہے اسی طرح گزرنیوالی عمر یعنی سن و سال کا حساب بجلی کی چال سے کرنا چاہیے یعنی یہ کہ انسان کی عمر کا انداز بجلی کی ایک ہی چمک کے برابر ہے شجر (۲) مینا۔ شراب کا شیشہ۔ نشاط۔ خوشی۔ تدرؤ۔ کبک، مشہور پرندہ، بال تدرؤ کے معنی قافی حنا نے نگہ ابرو کئے ہیں۔ نہیں معلوم یہ نگہ ابرو کیا بلا ہوتی ہو اور جناب نظم مسئلے نے نگہ ابرو معنی لکھے ہیں اب ہم پہلے لفظ بال کے معنی لکھتے ہیں یعنی انسان کے کانڈھے سے سرخون تک اور بعض کہتے ہیں کہ شانہ کنھی تک پرندوں کے بازو کو بھی کہتے ہیں اور مرغوں کے پر بھی اور ایک قسم کی بڑی پھلی کو بھی کہتے ہیں اور بال صیفہ امر صمد بالید کا چھٹی یہ معنی تو فارسی زبان کے ہیں، عربی میں یعنی دل جان و حال کسادگی عیش کی اور نشان بزرگی اور ترکی میں شہد کو کہتے ہیں اور فارسی میں بال تدرؤ بال کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ اب اس کے جو معنی چاہو کر لو۔ بظاہر معنی تو اس کے یہی معلوم ہوتے ہیں جو قافی حنا نے فرمائے ہیں کہ نشاط بہار شراب میں مینائے سے سر دکا لکھ دے ہی ہے اور جلد موج شراب بال تدرؤ کا۔

شجر (۳) پاشنہ، پاؤں کی اٹری، ثبات، پائنداری۔ نظم حنا اسکی شرح فرماتے ہیں کہ یہ بیت چینی ہے کہ اثنائے رہ میں گر کر اڑیاں رگڑیئے۔ ایک دوسری جگہ بھی مرزا حنا نے اس مضمون کو لکھا ہے۔

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے بند عشق میں زخمی
 نہ بھاکا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہو مجھ سے

شجر (۴) چادر۔ جائد اور شش جہت، تمام عالم گیتی۔ دنیا بطلت ہے کہ دنیا شراب نشاندہ کی جائد ہے اور غافل یہ خیال دہم لکھتا ہے کہ ہم شراب پینے والے یا دہمنی کی وجہ سے اس عالم میں اور یہ ایک

حقیقت ہے کہ نشہ کی ترنگ میں اگر دونوں عالم کو اپنی جائیداد سمجھ لیا جائے تو کون اعتراض کر سکتا ہے۔
شعر (۵۹) مسئلہ رویت باری تعالیٰ مختلف فیہ ہے کہ ات واجباً لوجود شاہدہ آنکھوں سے ہو سکتا ہے
 یا نہیں؟ علمائے ظاہری کا عقیدہ ہے کہ اس ات واجباً فی کو اسی طرح دیکھنے جس طرح آفتاب ماہتاب کو دیکھتے
 ہیں لیکن علمائے باطن اور محققین کا مذہب لاتدرک لہذا بصاری رہا ہے مرزا حسن نے اس آخری خیال کو اس شعر میں
 نہایت دلکش طریقہ سے نظم کیا ہے مطلب ہے کہ قوتِ باہر اس برقِ حُسن کا مقابلہ نہیں کر سکتی یعنی آنکھ اس
 شاہدِ حقیقی کو نہیں دیکھ سکتی یہاں اس کی دوسرے مصرعہ میں ہے کہ جوشِ بہار نقابِ بن گئی یعنی رنگارنگی نے
 سر اڑ کر لی۔

شعر (۶۰) یعنی یہ تو میں نے مان لیا کہ تجھے سمجھیں دیکھ رہی ہیں وہ ایک دیدار کی صورت ہے لیکن بتائی
 دل کو کیلکروں کہ اس کی تسلی نہیں ہوتی کسی اس خیال کو دوسرے لفظوں میں اس طرح ادا کیا ہے۔
 فقط نریب نظم سے کیسے چین آئے لگا کے سینے سے حسرت ٹٹائی جاتی ہو
شعر (۶۱) گزرا یعنی باز آیا مطلب ہے کہ میں اس غشی سے باز آیا کہ میرے محبوب کا کوئی پیغام لیکر مجھ تک
 پہنچے گا۔ بلکہ مجھے تو اٹا اس بات کا رشک پیدا ہو رہا ہے کہ قاصدِ میرِ معشوق سے ہمکلام ہوتا ہوگا۔
(۱۵۰) دیکھنا قیمت کہ آپ نے یہ رشک چاہے ہو ۱ میں آئے دیکھو بھلا کت شے دیکھا جائے ہے
 ہاتھ دھو ل سے ہی گرمی گرائی شے میں ہے ۲ آگینہ تندی صبا سے ٹکھلا جائے ہے
 غیر کو یا رب ہ کیونکر منع گستاخی کرے ۳ گر حیا بھی سکو اتنی ہے تو شر جائے ہے
 شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائے ۴ ولکی وہ حالت کہ دم سینے میں گھبر جائے ہو
 دور چشم بد۔ تیری بزمِ طرب گواہ وا ۵ نغمہ ہو جاتا ہے اں گم نالہ میرا جائے ہے
 گرچہ ہے طرزِ تغافل پردہ دارِ رازِ عشق ۶ پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے
 اکی بزمِ آرائیاں شکر دل رنجوریاں ۷ مثل نقش طعنائے غیر بیٹھا جائے ہے

ہمو کے عاشق پری خ اور نازک بن گیا ۔ رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے
 نقش کو اسکے مصور پر بھی کیا کیا تاریں ۹ کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچتا جائے ہے
 سایہ میرا مجھ سے مثل دُور بھاگے ہے اسد
 ۱۰- پاس تجھ آتش بجاں کے کس سے کھڑا جائے ہے

شعر (۱) مرزا حسن نے اپنے کمال رنگِ غیرت کا ثبوت دیا ہے اور یہ مبالغہ بھی انتہا ہے لیکن حضرت بو
 نندر رحمۃ اللہ علیہ اس سے پہلے اس شکِ غیرت کا ثبوت ہے چکے ہیں یعنی سے

غیرت اس چشمِ برم روئے تو دیدن نہ دہم گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن نہ دہم
 حضرت خواجہ حافظ رح نے اس مضمون کو لکھا ہے سے

بخدا کہ رشکم آئند کہ نظر کنم کہ رویش کہ نظر دریغ باشد بہ چنین لطیف روئے
 مرزا غالب متعدد جگہ اس مضمون کو لکھ چکے ہیں یعنی سے

تکلف بر طرف نظارگی میں بھی سی لیکن وہ بکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

شعر (۲) آئینہ کا بیخ شیشہ گلابِ شراب مطلب ہے کہ اگر اندیشہ کی سی صورت ہو اور سی ہی اس میں
 گرمی ہے تو دل سے ہاتھ دھو لینا چاہیے کیونکہ دل ان گرم خیالات کی تاب نہیں لاسکتا یہ ایک ایسی تند و تیز
 شراب ہے کہ جو شیشہ سے کو بھی گداز کر دے گی مرزا حسن نے فارسی میں بھی اس مضمون کو لکھا ہے سے

ہینائے سے از تندہی اس سے بہ گدازد پیغامِ غمت در نور تجوہل صبا نیست

شعر (۳) مولانا حالی فرماتے ہیں کہ یہ شعر معاملہ کا ہے جو طالبِ مطلوب کے درمیان اکثر گزرتا ہے اور شاعر

نزکت و سحرِ صبر میں پائی جاتی ہے ظاہر ہے کہ حیا آتی اور شراب جانا درحقیقت ایک ہی چیز ہے پھر اسکے کیا معنی
 کہ حیا بھی آتی ہے تو شراب جاتا ہے بات یہ کہ اس مقام پر حیا آنے کا متعلق اور شراب جانا کا متعلق اور اگر حیا
 بھی سکاوتی ہے یعنی غیر کی گستاخی اور خواہشِ بجا سے اور شراب جانا ہی غیر سے یا اسکے ساتھ تکرار کرنے سے

حیاتِ شرم کے مضمون کو ایک اور شاعر نے ان دلکش الفاظ میں ادا کیا ہے :

بجھے تو توبہ بھی کرتے ہوئے حیا آئی سرے گناہوں نے اس درجہ شرمسا کیا
شعر (۴) : لت۔ بُری عادت، نالہ کھینچے جائیے۔ نالہ کشی۔ مطلب ہے کہ میرا شوق تو اس بُری دت
 میں مبتلا ہے کہ دن رات نالہ کشی کرتے چلے جاؤں لیکن دل ناتواں کی یہ حالت ہے کہ لینے سے بھی عاجز ہے
 اب نالہ کشی ہو تو کیسے ہو۔ یہاں تو دم کشی سے ہی ناک میں دم ہے۔

شعر (۵) : یعنی تیری محفلِ عیش و نشاط کو خدا نظر بد سے بچائے کہ اس میں مسترتِ خوشی کا یہ عالم ہے کہ
 اگر میں نہ کرتا ہوں تو وہاں پہنچ کر وہ نغمہ بن جاتا ہے یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ اُسے منکر متاثر یہ اندوہ ہوتا بلکہ تو تو
 اُلٹا سرور و محفوظ ہوتا ہے اس مضمون کو مرزا حسن نے ایک اور جگہ بھی لکھا ہے :

ہمنشیں مت کہہ کہ برہم نہ بزمِ عیش دست واں تو میرے نالہ کو بھی اعتبارِ غمہ ہے
شعر (۶) : مطلب ہے کہ اگرچہ میرے محبوب کا اندازِ تعاضل ہمارے رازِ محبت کی پردہ داری کرتا ہے لیکن
 ہمارے شامت اعمال ملاحظہ ہو کہ اسکے اس اندازِ بے نیازی کو دیکھ کر ہم کچھ ایسے مبہوت، سرسبز اور مضطرب حال
 ہو جاتے ہیں کہ ہر محفل کو ناک ہو جاتا ہے کہ ضرور میں شخص کا اسکے ساتھ کچھ نہ کچھ تعلق اور لگاؤ ہے حکیم
 مومن خاں نے بھی یہی مضمون لکھا ہے :

کل تم جو بزمِ غیر میں آنکھیں چرا گئے کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے
شعر (۷) : یعنی جب میں سنتا ہوں کہ غیر نے اُسکی محفل میں رنگ جمایا ہوا یا اسکے بٹھا ہوا ہے
 تو میرا دل بھی یہاں اسی طرح بیٹھ جاتا ہے۔

شعر (۸) : عشق میں رنگ اُڑنے یعنی ہلکے ہونے کو رنگ کا کھلنا کہا ہے مطلب ہے کہ جب میرا بری چہرہ
 محبوب کسی پر عشق ہو گیا تو اثرِ عشق کی وجہ سے اس کا رنگ اُڑ گیا ہے تو وہ اور بھی پیارا معلوم ہوتا ہے۔

شعر (۹) : نقش سے مراد اس جگہ تصویرِ محبوب کا مطلب ہے کہ اسکی تصویر بھی اپنے مصور سے کسنا زور نہ

کا برتاؤ کر رہی ہے یعنی مصوّر تصویر کھینچتی ہے تو تصویر مصوّر کو اپنا عاشق سمجھ کر اس کے کھینچتی ہے۔

شعشعر (۱۰) آگ نے دھواں اُٹھنے کو اس کا بھاگنا مراد لیا ہے اور اپنی ذات کو آتش بجاوا کہہ کر اپنے سایہ کو اس دھوئیں سے تشبیہی ہے مطلب ہے کہ میں ایسا آتش بجاوا یا مصیبتوں کی آگ میں گر کر ایسا سراپا سوڑ ہوا ہوں کہ دھوئیں کی طرح میرا سایہ بھی مجھ سے دور بھاگ رہا ہے۔

۱۱) گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے ۱ تب ماں ہجر میں نسی بُرلیا لی نے مجھے
نسیہ نقد و دو عالم کی حقیقت معلوم ۲ لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے
کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری وہم ۳ کر دیا کافران اہنام خیالی نے مجھے
ہوں گل کا قصور میں بھی کھٹکا نہ رہا ۴ عجب آرام دیا بے پروا بالی نے مجھے
شعشعر (۱۱) شکل نہالی سے مراد وہ تصویر ہے جو بستر پر بنی ہوتی ہے اور بردلیا لی سے مراد ٹھنڈی راتیں ہیں برد برد سے مشتق اور لیالی پس کی جمع ہے۔ مطلب ہے کہ شکل نہالی دیکھ کر مجھے صودت محبوبت آگئی اور اس بار نے میرے دل میں بیدگرمی عشق پیدا کی اور میں سرگرم آہ و فریاد ہوا پس اس طرح سے یہ بلا کی ٹھنڈی راتیں میں نے کاٹیں اور میں سردی سے میں امان میں رہا۔

شعشعر (۱۲) نسیہ۔ ادھار۔ قرض۔ مجازاً عقیقی مطلب ہے کہ میری مالی ہمتی کی وجہ سے میرا رتبہ دونوں جہان کی برتری سے بھی بلند ہے اور میری نگاہ میں ان دونوں کی کوئی حقیقت نہیں۔
شعشعر (۱۳) اہنام جمع صنم معنی بُت مجازاً معشوق مطلب ہے کہ وحدت کو کثرت میں جلوہ گر سمجھنا یعنی یہ خیال کرنا کہ خداوند تعالیٰ ہر چیز میں موجود ہے وہم پرستی ہے اور ان خیالی بتوں کی یعنی بُت کو کثرت میں جلوہ آرا سمجھنے نے مجھے کافر بنا دیا ہے۔

شعشعر (۱۴) جناب ہمدی خدا فرماتے ہیں کہ اس شعر میں غس کا خاصہ بتایا ہے کہ انسان کسی مفسد کے رسل کرنے میں اس وقت کو شنس کرتا ہے اور اس کو توقع ہوتی ہے جیتک اس بد حصول بھی ہیا مواتے ہیں حیات

اسباب ذرائع مفقود ہو جاتے ہیں تو مقصود کا خیال بھی دل سے نکل جاتا ہے بقول شخصے سے

دل کو آباد کیا عشق میں ویراں ہو کر گھر کی آرائشیں کیں بے سر ساما ہو کر

(۱۵۲) کارگاہ ہستی میں لا داغ سماں ہے ۱ برق خرمین راحت خون گرم ہفتان ہے

غنیہ ناشگفتن با برگ عافیت معلوم ۲ با وجود مجموعی خواب گل پریشاں ہے

ہم سے رنج بیتابی کس طرح اٹھایا جائے ۳ داغ پشت شت عجز شعلہ خن نذاں ہے

شعر (۱) اس شعر کے وائندہ و لڑن شعر کے معنی مرزا مٹانے مولوی عبدالرزاق شاکر کو لکھتے ہوئے

خود بیان فرماتے ہیں لکھتے ہیں : داغ سماں مثل بخن و شخص کہ داغ جن کا سر یہ ساماں موجودات لائے کی منظر

نمائش داغ پر ہے و دینہ رنگ و پھولیں کا بھی لال ہوتا ہے بعد اسکے یہ سمجھ لیجئے کہ پھول کے درخت یا غلہ جو کچھ

بویا جاتا ہے ہفتان کے جوتے بونے، پانی لینے میں مشقت کرنی پڑتی ہے اور ریاضت میں لو گرم ہوتا ہے

مقصود شاعر کا یہ ہے کہ وجود محض رنج و الم ہے اور مزارع کا وہ موجود کشت و کار میں گرم ہوا ہے وہی لہ

کی راحت خرمین کا برق ہے حاصل موجودیت داغ اور داغ مخالف راحت اور صورت رنج (خود ہندی)

شعر (۲) یعنی جب نیا غنیہ شگفتہ ہوا اور بصورت قلب صنوبری نظر آئے اور جب پھول بنے برگ عافیت

معلوم سماں معلوم معنی معلوم ہے اور برگ عافیت معنی مایہ رام برگ و سرور برگ معنی ساز و ساماں ہے خواب گل

شخصیت گل باعتبار خاموش برجا ماندگی، پریشانی ظاہر ہے مٹی شگفتگی وہی پھول کی پیکھڑوں کی بکھرا ہوا ہونا

غنیہ بصورت دل جمع ہے، باد صاف جمعیت دل گل کو خواب پریشان نصیب ہے۔

شعر (۳) پشت دست صورت عجز او خوش ہندان کاہ ہندان گزشتن بھی ظہار عجز ہے پس عالم میں کہ داغ

نے پشت دست زمین پر رکھ دی ہو و شعلہ نے تنکا دانتوں میں لیا ہوم سے رنج و اضطراب کا تحمل کس طرح ہو؟

(۱۵۳) آگ رہا ہے درود لوار سے سیرہ غالب

ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں رانی ہے

مطابقت ہے کہ وحشت و جنوں و بیزاری پند ہوتے ہیں پس گھر میں درود و دعا پر سبزہ آگئے کہ جو ویرانی کی علامت ہے ہمارے تشبیہ دی ہے۔

- ۱۔ ۱۵۱) سادگی پر اسکی مرجانے کی حسرت دلیں ہے ۱ بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے
 ۲۔ دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا ۲ میں یہ جانتا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
 ۳۔ گرچہ ہے کس کس برائی سے شے باں ہم ۳ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے
 ۴۔ بس کچھ ناامیدی خاک میں مل جائیگی ۴ یہ جو اک لذت ہماری تھی بے حاصل میں ہے
 ۵۔ رنج رہ گیا کھینچے و اماندگی کو عشق ہے ۵ اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے
 ۶۔ جلوتہ آتش دونخ ہمارا دل سی ۶ فتنہ شور قیامت کس کی آب گل میں ہے

ہے دل شوریدہ غالب طلسم سچ و تاب
 ۷۔ رحم کر اپنی تمتا پر کہ کس مشکل میں ہے

شعر ۱۱۵) مولانا حسرت اس کی شروع میں فرماتے ہیں کہ ہمارے دل میں اسکی سادگی پر مرجانے کی حسرت ہے لیکن پھر بھی بس نہیں چلنا کیونکہ اسکے ہاتھ میں خنجر ہے یا یہ کہ اسکی سادہ لوحی پر مرجانے کی حسرت ہے جو ہم کو خنجر سے مارنا چاہتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ ہمیں بے خنجر ہی شہید کر سکتا ہے۔

شعر ۱۱۶) مولانا حالی فرماتے ہیں کہ کسی کے جن بیان کی اس نے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی کہ جو بات قاتل کے منہ سے نکلے وہ سامع کے دل میں اس طرح اُت جائے کہ اس کو یہ شبہ ہو کہ یہ بات پہلے ہی سے میرے دل میں تھی ایک اور شاعر اسی مضمون کو اس انداز سے بیان کرتا ہے۔

یہ تمہارے منہ کی باتیں ہیں فریب آرزو مجھ کو سب معلوم ہے جو کچھ تمہارے دلیں
 شعر ۱۱۷) مطلب صاف ہے۔

شعر ۱۱۸) بس یعنی بس کہ مطلب ہے کہ اے کثرت یاس تو اب حیرانی کر اور بس کر اور ہمارے

دل میں اتنا ہجوم نہ کر یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ہماری کوششیں بے سود ہیں مگر ہم کو اس میں ایک لذت حاصل ہے کیوں ایسا نہ کر کہ تیری وجہ سے ہم اس لذت سے بھی محروم رہ جائیں۔

شعر (۵) دامنگی۔ پیچھے رہ جانا۔ مطلب ہے کہ جو کہ دامنگی کو ہم سے عشق ہے اسے میں صوبت منزل کیوں لکھا اور میں ان تھکے بیٹھے جاتا ہوں وہی اپنی منزل خیال کرتا ہوں ایک ورشاعر منزل کا قافیہ اس طرح لکھتا ہے
 رہبر عشق و محبت کی نہ ٹوٹے کیوں کمر میر دل کا قافلہ اجڑی ہوئی منزل میں ہے

شعر (۶) بطور طنز مرزا صاحب اپنے معشوق سے کہہ رہے ہیں کہ اچھا صاحب ہمارا دل آتش محبت کی وجہ سے موندہ دوزخ ہی سی کیوں تو فریاد کیا کہ نشتہ شور قیامت کیسے غیر طریقت میں ہے؟ اب و گل کا قافیہ ایک شاعر اس طرح لکھتا ہے
 سوز غم اشوق محبت اور وفا وانکسار میرے جذبہ دواش اور آب و گل میں ہے

شعر (۷) یعنی غالب کا دل شوریدہ دل نہیں بلکہ یہ تو ایک طلسم ہے و تاب آئے رین اگر تو غالب پر رحم نہیں کیا تو نہ ہی لیکن اس میں مجھ تیری تنہا بھنسی ہوئی ہے امیر رحم کر یعنی میری تنہا پوری کر بقول شخصہ
 اس میں تری محبت اس میں تری تنہا میر دل خوں پر کچھ سوچ کر جفا کر

(۱۵۵) دل سے تری نگاہ جگرتا تر گئی ۱ روتوں کو اک ادا میں ضامنہ کر گئی
 شوق ہو گیا ہر سینہ خوشا لذت فراق ۲ تکلیف پردہ داری زخم جگر گئی
 وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں ۳ اگلے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی
 اڑتی پھرے خاک مری گئے بار میں ۴ بارے اب اے ہوا ہوس بال و بر گئی
 دیکھو تو دلفریبی انداز نقش پا ۵ موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی
 ہر لہو لہو حسن پرستی شعرا کی ۶ اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی
 لٹاے نے بھی کام کیا واں نقاب ۷ مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی
 فردا وہی کا تفرقہ الٹا مٹ گیا ۸ کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

مارا زمانے نے اسدا اللہ خاں تمہیں

4- وہ ولوے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

شعر (۱) یعنی تیرا تیر نظر دل و جگر میں پیوست ہو گیا یا دل زخمی ہوا تو اس کی مشارکت ہے جگر بھی اثر پذیر ہوا ورنہ اہل میں محل عشق و محبت دل ہے نہ کہ جگر۔

شعر (۲) یعنی لذت فراق ایسی اچھی چیز ہے کہ جس سے ہمارا سینہ پھٹ گیا اور ہم زخم جگر کے چھپانے کی تکلیف سے بے نیاز ہو گئے۔

شعر (۳) یعنی جب رات کی بادہ نوشیوں کی مستیاں ہی نہیں ہیں تو پھر اے نفس میدار ہو جا کہ اب صبح کی نیند کی لذت کیسی؟

شعر (۴) یعنی جب میری مٹی ہوا کے ذریعہ چھ محبوب تک پہنچ گئی تو اب بال پر ہونے کی حسرت نہیں رہی
شعر (۵) گل کترنا، کوئی تعجب کا کام کرنا یا ایسا کام کرنا جس میں فتنہ و فساد پیدا ہو مطلب ہے کہ اسے نقش قدم کے انداز کی دلفریبی تو ملاحظہ ہو کہ اسکی بیج خرام کیسے کیسے گل کھلائے ہیں یعنی تمام رات نہ گزارنا دیا ہے
شعر (۶) مطلب صاف ہے یعنی اہل ہوس کا عشق جھوٹا ہوتا ہے، سلئے الکو دیکھتے ہوئے عامقان صاف بے عشق و محبت کا اعتبار بھی اٹھ گیا۔

شعر (۷) یعنی تجھے دیکھ کر ایسی خود رفتگی ہوئی کہ اسکے باعث تیرا جلوہ نہ دیکھ سکے جو نگاہ تیرے رخ تک پہنچی وہ مست ہو کر بکھر گئی اس طرح نظارہ بھی نقاب کا کام کیا رہدی، اس خیال کو مرزا ایک اور جگہ بھی ادا کیا ہے
نظارہ کیا حریف ہو اس برق حسن کا جوش بہار جلوہ کو جس کے نقاب ہے
شعر (۸) فردا۔ آئیو الا دن۔ دی۔ دیروز یعنی روز گزشتہ مطلب ہے کہ کل جب تم گئے تو ہمارا نظر سے فردا و دی کا فرقہ مٹ گیا اور گزشتہ کل ہی فردائے قیامت ہو گئی۔

مولانا حالی فرماتے ہیں تمہارے جاتے ہی بہ بیت خود رفتگی و خود فراموشی کے خیالت ہو گئی کہ کل کی مطلق

تیسرے ہی اور ایسی ہی قیامت کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہاں بھی مستقبل دونوں مبتدل نہ مانہ حال ہو جائیگے
پس تم کیا گئے کہ گویا ہم پر قیامت گزر رہی قیامت گزر جانے سے دونوں معنی ہیں نہایت سختی کا زمانہ گزرنا
ورخو قیامت کا آجانا۔

شعر (۹) شعر صاف ہے۔

۱۵۶۱ تسکین کو ہم نہ روئیں ذوق نظر ملے ۱ حورانِ خلد میں تیری صورت مگر ملے
اپنی نگاہ میں تجھ کو نہ کر دفن بعد قتل ۲ میر پتہ سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے
ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم ۳ ہر شب پیما ہی کہتے ہیں مے جعفر ملے
تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم ۴ میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے
تم کو بھی ہم دکھائیں کہ تجھوں نے کیا کیا ۵ فرصت کش کش غم نہاں سے گر ملے
لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں ۶ مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

اے ساکنانِ کوچہ دلدار دیکھنا

تم کو کہیں جو غالب آشفۃ سر ملے

شعر (۱۰) یعنی ہم کہ دل کی تسلی کی ضرورت نہیں، تسکین ہو یا نہ ہو لیکن یہ چاہتے ہیں کہ بہشت کی
حوروں میں کوئی تیری جیسی ہم صورت ملو جائے گا اس میں بھی تسکین خاطر تو نہ نہیگی لیکن ذوق نظر تو ہوگا۔
شعر (۱۱) کمال رشکِ غیرت کا مضمون ہے کہ عاشق کو یہ بھی گوارا نہیں کہ میرے پتہ سے غیر لوگ
میرے معشوق کا گھر دریافت کریں۔

شعر (۱۲) ساقی گری کی شرم یعنی اپنی شان و حیثیت مطابق مجھے پلاؤ ورنہ یوں پینے کو تو ہم روز

پیتے ہیں۔

شعر (۱۳) کچھ کلام نہیں یعنی کچھ رکایت نہیں مزارِ احسانے خود ایک خط میں اس شعر کی شرح فرمائی ہے۔

یعنی لکھتے ہیں عاشق کو ایک صد کی ضرورت ہوئی مگر کھٹکا یہ کہیں قاصد معشوق پر عاشق نہو جائے ایک دوست اس عاشق کا ایک شخص کو لایا اور اس نے عاشق سے کہا کہ یہ درجی و صدد اور مقصد ایسے میں ضامن ہو کہ ایسی حرکت نہ کر لیا خیر کے ہاتھ خط بھیج گیا تھا مارل عاشق کا گمان سچ ہوا قاصد مکتوب لکھ کر دیکھ کر والد و شیدا ہو گیا۔ کیسا خط کا جواب دیوانہ بن کر پڑے پھاڑ چل کو چل یا اب عاشق اس واقعہ کے وقوع کے بعد ندیم سے کہتا ہے کہ غیب اں تو خدا ہے کسی کے بطن کی کسی کو کیا خبر ہے اے ندیم تجھ سے کچھ کلام نہیں لیکن اگر نامہ بر کہیں مل جائے تو اسکو میرا سلام پہنچاؤ کہ میں صائم کیا کیا دے عاشق ہونے کے کر گئے تھے اور انجام کار کیا ہوا؟ ندیم یعنی دوست، بھائی۔

شعر (۵) جناب آجی تھا اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مجنوں کی تعریفیں ہمارے سامنے کیا بیان کرتے ہیں وہ آزاد تھا کہ جنگیوں میں بار بار پھر تار پاتا مگر ہم کو تو غم نہاں روک روک کر رکھتا ہے اگر اس کے ذرا ہمیں فرصت ملے تو ہم بھی تم کو بتائیں کہ مجنوں کیا کیا تھا یعنی مجنوں ہمارے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں کیا بقول شخص سے یہ کہاں کا عشق ہے آزاد بی صحرا و درو کدے مجنوں سے کہہ دے وہ ہری زنجیر کو

شعر (۶) یعنی یہ ضروری نہیں کہ ہم خضر کی پیروی کریں وہ رہتا ہے تو ہو اگر ہم تو ان کا ساتھی ہونا پسند کرتے ہیں کہ ایک شریک سفر مل گیا ورنہ جیسے وہ دیسے ہم۔

شعر (۷) شعر صاف ہے

- ۱) کوئی دن گزر نہ گانی اور ہے ۱ اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
- ۲) آتش روزخ میں یہ گرمی کہاں ۲ سوزِ غمہائے نہانی اور ہے
- ۳) بار بار دیکھی ہیں ان کی رنجشیں ۳ پر کچھ اب کے سرگرائی اور ہے
- ۴) دیکھے خطِ مٹنہ دیکھتا ہے نامہ بر ۴ کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے
- ۵) قاطعِ غمہاں ہیں اکثر نجوم ۵ وہ بلائے آسمانی اور ہے
- ۶) ہو چکیں غالبِ بلا میں سب تمام ۶ ایک مرگِ ناگمانی اور ہے

شعر (۱) مرزا خاں نے ایک خط میں اس شعر کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے لفظ
ہیں یعنی میں شاعر اسی مقصود کیوں بنائے کہ میں کیا کروں گا۔ پیسہ کتنا ہے کہ میں کچھ کروں گا۔ خدا جانے شہر میں نالہ
شہر میں بیکہ بنا کر فقیر ہو کر بیٹھ گئے یا دیس چھوڑ کر پردیس چلا جائے۔

شعر (۲) یعنی میرے سوز غماں نہاں میں جو گرمی و حرارت ہے وہ قش و خشکیاں ہے بقول شخصے
اس قدر ہے پیش سوز دروں فرقت میں دیکھ کر ٹھنڈی جسے نار ستر ہو جائے

شعر (۳) سرگرمی بھلی مطلب ہے کہ یوں تو وہ ہمیشہ ہی ہم پر ناراض اور ہم سے رنجیدہ ہوتے
ہوتے ہیں لیکن اس مرتبہ وہ حد سے بڑھ کر غضبناک اور خفا ہوئے ہیں بقول شخصے

خبر نہیں کہ ہوئی کیا خطا غریبوں سے غضب کی چوٹیں ہیں منہ بنائے بیٹھے ہیں

شعر (۴) یعنی معشوق کا خط پانے کے بعد جو قاصد میرٹھ کی طرف دیکھ رہا ہے تو اس شبہ ہوتا ہے کہ
خط کے علاوہ کچھ نہانی باتیں بھی اس نے کہی ہوں بہت خفت میں اور قاصد نہیں جان پڑتے ہوئے پس پیش کر رہا ہے۔

شعر (۵) اعمار جمع عمر۔ قاطع اعمار نجوم یعنی قاتل سیکے مطلب ہے کہ اکثر قاتل ستائے عمر در
گو کام ڈالتے ہیں یعنی ان کی گردش سے ایام زندگی ختم ہو جاتے ہیں لیکن میرا معشوق وہ بلائے آسمانی ہے کہ
وہ زندگی کو موت سے بھی بدتر بنا دیتا ہے۔

شعر (۶) شعر صاف ہے۔ یعنی اور تو تمام محبتیں ہم برداشت کر چکے ہیں۔ صرف ایک اچانک ت
والی باقی رہ گئی ہے۔

(۱۵۸) کوئی امید برہنیں آتی ۱ کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے ۲ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل یہ تہی ۳ اب کسی بات پر نہیں آتی
جاننا ہوں ثواب طلعت وزہد ۴ پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چھپ ہوں ۵ ورنہ کیا بات کہ نہیں آتی
 کیوں چنوں کہ یاد کرتے ہیں ۶ میری آواز گر نہیں آتی
 داغ دل گر نظر نہیں آتا ۷ بوجھ اسے چارہ گر نہیں آتی
 ہم وہاں ہیں جہاں ہم کو بھی ۸ کچھ ہماری خبر نہیں آتی
 مرنے ہیں آرزو میں مرنے کی ۹ موت آتی ہے پر نہیں آتی
 کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
 شرم تم کو مگر نہیں آتی

شاعر (۱) انہی بہتری کوششیں اور تدبیریں کیں لیکن کوئی امید پوری نہ ہوئی تھی تمام عمر ختم
 ہو گئی وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

شاعر (۲) یعنی یہ تو صحیح ہے کہ ہم نے تنگ آکر موت آنے کی دعائیں کیں وہ ہماری دعائیں قبول ہوئی
 اور موت اپنے وقت مقررہ پر ہی آئی لیکن پش فراق میں نیند کیوں نہیں آتی؟ کیا یہ بھی دوسری موت تو نہیں؟
 شاعر (۳) یعنی اس پہلے تھا شاہی تھا کہ ہمیں اپنے دل کی بتا بواؤں بھیندوں پر نہیں آجایا کرتی تھی
 لیکن اب یوں ہوا کہ حرا نصیبوں ایسا بھیس کر دیا کہ اب کسی بات پر نہیں خیال آتی خواہ وہ خوشی کی ہی بات کیوں نہ ہو؟
 شاعر (۴) یعنی میں جلدات پر ہرگز گاہی کے فوائد سے بخوبی واقف ہوں لیکن کیا کروں طبیعت
 اس طرف مائل ہی نہیں ہوتی۔

شاعر (۵) یعنی میری خاموشی بھی کسی مصلحت پر مبنی ہے ورنہ میں بھی بہت کچھ باتیں کرنا جانتا ہوں
 بلکہ لکھنے سے

ہماری خاموشی پر یہ نہ کہہ دو دل نہیں کھٹے یہ تیرا منہ ہے وہ نہ ہم کسی کی بات سنتے ہیں؟
 شاعر (۶) مطلب ہے کہ میں کیوں نہ نالہ فریاد کروں کیونکہ میرے مجبور کی میرا نالہ فریاد میں مبتلا رکھتا ہے

پند ہے۔

شعر (۷۷) چارہ گر کہتا ہے کہ سینہ پر بظاہر تو کوئی درخ نظر نہیں آتا مگر ہم کہاں لگاؤں۔ مرزا حسن فرماتے ہیں کہ داغ تو سینے کے اندر ہے کیا تمہیں دل کے جلنے کی بو بھی نہیں آتی۔

شعر (۷۸) یعنی ہم مجبور حقیقی کی محبت میں ایسے بخور ہوئے ہیں کہ ہمواری بھی خبر نہیں کہ ہم کہاں گسٹاں میں

شعر (۷۹) میں انتظار موت میں مہربا ہوں یہ موت مجازی ہے مطلب ہے کہ تجھے مجازی موت آتی ہے لیکن حقیقی موت نہیں آتی۔

شعر (۸۰) اگر معنی شاید یعنی تمہاری تمام عمر تو غالب سیکاری میں گزری اب تم کس منہ سے کہہ جانے کا ارادہ کر رہے ہو۔ تمہیں شرم نہیں آتی؟

- (۱۵۹) ۱ دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے ۱ آخر اس درد کی دوا کیا ہے
 ۲ ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار ۲ یا الہی یہ ماجرا کیا ہے
 ۳ میں بھی منہ میں بان لکھتا ہوں ۳ کاش پوچھ دو کہ مدح کیا ہے
 ۴ جبکہ تجھ بن نہیں کوئی ہو جو ۴ پھر یہ ہنگامہ اسے خدا کیا ہے
 ۵ یہ میری چہرہ لوگ کیسے ہیں ۵ غمزدہ و غشوہ واد کیا ہے
 ۶ شکن زلفِ عنبر کیوں ہے ۶ نگہ چشمِ مہ سا کیا ہے
 ۷ سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ۷ اب کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
 ۸ ہم کو ان سے وفا کی ہے امید ۸ جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
 ۹ ہاں بھلا کہ ترا بھلا ہو گا ۹ اور درویش کی صدا کیا ہے
 ۱۰ جانِ تم پر نثار کرتا ہوں ۱۰ میں نہیں جانتا دعا کیا ہے
 ۱۱ میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب ۱۱ مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

ایسا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں ۷ اس پر نہیں بار تو کعبہ ہی کو ہوائے
 کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تقریر ۸ اچھے رہے آپ اس مگر مجھ کو ڈبو آئے
 اس سخن ناز کی کیا بات ہے غالب
 ہم بھی گئے وال اور تری تقدیر کو روئے

شعر (۱) غالبہ ایک مرکب شیوہ ہوتی ہے جو مشک و عنبر اور کافور وغیرہ سے ترکیب بکر بنائی جاتی ہے
 تروباں مطلب ہے کہ اسے ہم نشینو تم تو ابھی یہی عاٹ کر رہے ہو کہ خدا کے کہ وہ غالبہ مرعنی لیسوئے مشکیں
 معشوق کہی آجائے لیکن میری یہ خواہش ہے کہ کوئی دن ایسا بھی آئے کہ تم میں سے کوئی شخص گھر گریہ کہہ آئے کہ لورہ کے
 شعر (۲) مطلب ہے کہ گوہر سوخت میرا دم واپس ہے اور کوئی دم گمان ہو اقد کشکش نزع میں
 بتلا ہونٹ کی وجہ سے اس سے حکلام نہیں سکتا لیکن پھر بھی بقا قضاے محبت میری یہی خواہش ہے کہ
 وہ کسی نہ کسی طرح میری بیمار پرسی کو فرو دے۔

شعر (۳) اصحابی مطلب ہے کہ دنیا میں ہمارا آنا بھی کئی آنا کیونکہ جتنا عمر بھی پہلے ہے جتنا رہا ہے
 شعر (۴) بادہ دوشینہ یعنی رات کی پی ہوئی شراب چمکنے سے پہلے پی تھی محض زراہ شوخی کتاب ہے کہ نیکرین
 کے سوال و جواب بچنے کی کوئی تدبیر کے سوا نہیں کہ شراب پی کر میں تاکہ نیکرین ملکی ہوگی کہ است سے بغیر
 سوال و جواب کچھ جائیں۔ (یادگار غالب)

شعر (۵) مطلب ہے کہ ہمارا محبوب حقیقی خواہ کسی لباس میں جلوہ گری کرے ہمیں وہ محبوب ہی نظر آئے
 مگر وہ جلاد و قاتل کی صورت میں آئے تو اس رائے نہیں ورا کر غلطی شدہ میں آئے تو ہم اس جگہ نیکے نہیں
 ہر رنگ کے خواہی جامہ سے پوش من انداز قدرت رائے شناسم

شعر (۶) نایافت، نہ پانا۔ لاجل مطلب ہے کہ اے اپنی طلب تلاش کرنے پر بھی ہم کو نہ ملا تو
 ہم ایسے حیرت زدہ ہیں کہ خود بھی گھوٹے گئے ہمارے رت میں اچھے رہے روز و گ طعنہ دیتے کہ عاشق کا دل کچھ نہ پایا۔

منزل عشق و محبت کی ہوئیں طے استعد
رفعتہ رنمتہ ہو کے گم میں خود ہی منزل ہو گیا
شعر (۷۷) شیوہ۔ طریقہ۔ مطلب ہے کہ ہمارا طریقہ بیکار بیٹھنا نہیں ہے اگر بتوں کے دوشے
سے کچھ نہ ملا تو کعبہ چلے گئے کہ لوگ حاجی تو کیسے گئے۔

شعر (۷۸) ہم انصوں و دمتوں مطلب ہے کہ میرے ستوں کے اسکے ملنے میری گدیہ ناری کا تذکرہ کیا
لیکن ہے پتہ چل گیا کہ میری نالہ و زاری بیوہ و بے ثوب ہے و ستوں کے مجھے پڑھا ہوا کیا کہ مجھے ڈبو ہی دیا۔
شعر (۷۹) مطلب ہے کہ اس زمین کی بزمِ ناز کے کیا کئے و ہارے پڑھائی ہی بے پروائی جلوہ گر ہے۔
اے غالب ہم بھی وہاں گئے تھے تیری باریابی کیلئے بہت کوشش کی لیکن اس نے ایک نہیں مانی گویا ہم تیری محبت
کا شمار آئے یا اس بات پر گریہ کیا کہ تو اس محفل میں باریاب نہیں۔

(۱۶۱۵) پھر کچھ اک دل کو بقراری ہے ۱ سینہ جو یاٹے زخم کا رہی ہے
پھر جاگر کھودنے لگا ناخن ۲ آمدِ فصلِ لالہ کا رہی ہے
قبضہ مقصدِ نگاہِ نیاز ۳ پھر وہی پردہ عمارت ہے
چشمِ دلالِ جنسِ سوائی ۴ دل خردارِ ذوقِ خواری ہے
وہی صدرِ رنگِ نالہ فرسائی ۵ وہی صد گوشتِ اشکباری ہے
دل ہوئے خرامِ ناز سے پھر ۶ محشرِ ستانِ بے قراری ہے
جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے ۷ روزِ بازارِ جاں سپاری ہے
پھر اسی بے وفا پر مرتے ہیں ۸ پھر وہی زندگی ہماری ہے
پھر کٹا ہے درِ عدالتِ ناز ۹ گرم بازارِ فوجداری ہے
ہو رہا ہے جہان میں اندھیر ۱۰ زلف کی پھر سرشتہ داری ہے
پھر دیا پارہ جگر نے سوال ۱۱ ایک فریاد آہ و زاری ہے

پھر سوئے ہیں گواہِ عشقِ طلب ۱۲ اشکیاری کا حکم جاری ہے
دل و ہر گاہ کا جو مقدمہ تھا ۱۳ آج پھر اس کی رو بکاری ہے

بے خودی بے سبب نہیں غالب

۱۴۔ کچھ تو بے جس کی پردہ داری ہے

شعر (۱) بویا۔ متاشی مطلب ہے کہ میر دلیں پھر محبت کی بچینی شروع ہو گئی ہے اور سینہ میں پھر غمیش
بیلا ہوتی ہے کسی کی تیغ نگاہ سے لے کر گھر کے خیمے میں۔ خیال کو ایک شاعروں شمع و بیٹے بیان کرتا ہے۔

خیال آتا ہے پھر راہ در رسم پیدا کریں ۱ پھر آرزوئے کس کا وہی تھا کریں
پرانے زخم جگر جا کے خود ہی تازہ کریں ۲ کریں وہ نار تو ہم انکے منہ کو دیکھ کریں

لذت ہوئی انہیں بھی عشق ستم نہیں ہے

دل بھی یہاں جڑ سج تیغ دو دم نہیں ہے

شعر (۲) موسمِ بہار میں وحشت و جنوں زوروں پر ہو جاتے ہیں مطلب ہے کہ سچے جنوں پھر اپنے
جگر کو زخمی کرینگے اور ہمارے زخم جگر زنگ لالہ کی بہرہ دینگے۔

شعر (۳) غماری، بھل۔ یہ وہ مطلب ہے کہ پھر وہی پردہ غماری ہمارے نگاہِ نیا زندگی قبلہ بنا ہوا
شعر (۴) مطلب ہے کہ ہمارا دل پھر لذت و غماری کی لذت کا خرید رہنا چاہتا ہے اور آنگے ایک دلا کر دے

شعر (۵) وہی سینکڑوں طرح کی مالہ و زاری ہے اور پھر ہی سینکڑوں طرح کی بچینی میں ہنسنا رہنا ہوتا ہے
شعر (۶) ہوا۔ خواہش یعنی خرام ناز کی خواہش نے پھر دل میں ایک قیامت برپا کر رکھی ہے۔ خرم ناز

اور محشرستان کی رہایت ظاہر ہے۔

شعر (۷) مولانا حسن شمع خانیہ میں جلوہ یار پھر بر سر زہت اور جاں سپاری عشق کا بازار گرم است

شعر (۸) شرمناہی بقول شخصے ۷ پھر میرا یاں میں پیا بکن دل چکا نہ رہا غبار کیا ہائے کیا کیا

پر پروانہ شاید بادبان کشتی سے تھا ۳ ہوئی مجلس گرمی سے وانی دوسرا غری کی
 کروں سدا ذوق پر فشانی عرفی قدرت ۴ کہ طاقت اڑ گئی اٹنے سے پہلے میر شہر کی
 کہنا تک توں اسکے خیمہ کے پیچھے قیامت، ۵ میری قیمت میں یا رب کیا نہ کتنی دیوار پتھر کی
 شہر (۱۱) انکوش۔ مٹا۔ مبادا۔ ایسا تو لیکن یا نفع تجب کیلئے استعال ہو رہا ہے مطلب ہے کہ مشوق کے
 ظلم کی شکایت کر نیا لائے کلامت کاستی ہے اسلئے اگر صبح محشر خداوندان بنجائے یعنی ظلم کے کوئی تعجب نہیں،
 شہر (۱۲) ریشی۔ ریشہ ادا ہونا لیکن اس جگہ مراد زخمی ہونا ہے مطلب ہے کہ اگر مجھے مجنوں کی خاک
 میں کسا دانہ کی جگہ نوک نشتر ملے تو یقین ہے کہ یہاں کی رگ میں اس کا اثر محسوس ہو یعنی جب مجنوں کے پاؤں میں
 نوک نشتر سے خون جاری ہوگا تو رگ بہت میل سے بھی خون جاری ہوگا۔ اتحاد محبت کا مضمون ہے۔

شہر (۱۳) چونکہ دوسرا غری رانی گرمی مجلس پر منحصر تھی اور گرمی محفل سوز پروانہ پر اسلئے پروانہ
 گویا کشتی سے کا بادبان ٹھہرا کہ اسکی وجہ سے در و سار و کشتی سے ظہور میں آیا۔ (حسرت)
 شہر (۱۴) پر فشانی۔ پر مارنا۔ مطلب ہے کہ مجھے اپنے ذوق پر فشانی کے ظلم بیان کرنے کی قدرت
 ہی نہیں کیونکہ اڑنے سے پہلے ہی میری طاقت پرواز ناممکن ہو چکی ہے۔

شہر (۱۵) شعر منشا ہے یعنی پتھر کی دیوار ہوتی تو میر بھڑک رہی اپنی دیوار لگی کا قبضہ ختم کر دیتا۔
 (۱۶) ۱۔ بلعد الیوں سبک میں ہم ہوئے ۱ جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
 پنہاں دام سخت قریب آشیان کے ۲ اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
 ہستی ہماری اپنی قنار پر دلیل ہے ۳ یا تک مٹے کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے
 سختی کشان عشق کی پوچھے ہے کیا خبر ۴ وہ لوگ رفتہ سرا یا الم ہوئے
 تیری وفا سے کیا ہوتا لانی کہ دہر میں ۵ تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے
 لکھتے رہے جنوں کی حکایات خوب کہاں ۶ ہر حنید اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

اللہ سے تیری تندی خوشی کے بیم سے ۷ اجڑا نالہ دل میں ترے زق ہم ہوئے
اہل ہوں کی فتح ہے ترکِ نیر و عشق ۸ جو پاؤں اٹھ گئے وہی انکے علم ہوئے
نالے عدم میں چند ہم کے پیر دیتے ۹ جو پاں کھنچ سکے سو وہ یا آئے ہم ہوئے
چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں لگی
سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

شعر (۱۱) سبک یعنی ذلیل و حقیر مطلب ہے کہ اپنی بے اعتدالیوں یا حد اعتدال سے بڑھ جانے کی وجہ
سے ہم لوگوں کی نظروں سے گئے ذلیل ہو گئے یا جتنا ہمارا اعزاز ہوا تھا اتنا ہی لوگوں سے ہمیں خیل کیا۔
شعر (۱۲) ایک سخت مضبوط جال ہمارے آشیانہ کے قریب ہی کسی نے بچھا رکھا تھا اور ابھی ہم نے
کاٹا ہوا ہی کر رہے تھے کہ اسیر ہو گئے۔

شعر (۱۳) یعنی ہماری برائے نام سستی ہم معنی قلب ہے یعنی صرف قسم کھانے کو ہستی ہے۔
شعر (۱۴) یعنی عشق و محبت کی سختیاں برداشت کرنے والے خود مجسمہ الم بن گئے ہیں۔
شعر (۱۵) تلافی۔ دلجوئی مطلب ہے کہ صرت تیرے قربان ہونے سے ہماری دلجوئی نہیں ہو سکتی کیونکہ
صرف تو ہی ہم پر ظلم و ستم کرتے وہ نہ تھا بلکہ ہم پر تمام زمانہ ظلم و ستم کر رہا ہے۔
شعر (۱۶) قلم ہوئے یعنی کاٹے گئے مطلب ہے کہ ہم اپنے عشق و محبت کی حکایات و خوبیاں براہِ لکھتے
رہے یا خونِ دل پی کر اشعار لکھتے رہے اگرچہ لوگوں نے موکنے کیلئے ہمارے ہاتھ بھی کاٹ دیئے اس شعر میں کہنے
اور قلم ہونے کی رعایت خوب ہے۔ ہاتھوں کا قلم بننا بھی ہو سکتا ہے۔

شعر (۱۷) اللہ سے۔ کلمہ تعجب۔ اجڑا نالہ یعنی نالے دھوکے بخور و لیل کی زدِ قہم ہو گئے ز
یکہ یگر اس طرح سے کہ کیا نالہ پیدا ہوا لیکن وہ داسے خوف کے یا ہرنہ لکلا تھا کہ دوسرا پیدا ہو گیا۔ ایسی
طرح دوسرا یا ہرنہ آیا تھا کہ تیسرا پیدا ہو گیا (قاضی صاحب)

شعر (۸) اہل ہوس، خواہشات نفسانی کی بنا پر جھوٹے عاشق ہوئیوٹے۔ نبرد۔ لڑائی۔ مصافحہ ہے کہ اہل ہوس کی فتح ہی ہے کہ وہ میدان عشق سے قرار ہو جائیں اور ان کے جواؤں اٹھ گئے گویا ان کی فتح وہی غلبہ فتح بلند ہوئے ہیں۔ پاؤں اٹھنا محاورہ ہے جو بھاگنے کے ہم معنی ہے۔

شعر (۹) یعنی عدم میں ہمیں قدرت کی طرف سے صرف چند نالے دئے گئے تھے جو ہم وہاں پورے نہ کر سکے اور نہ کھینچ سکے اور وہاں رہنے کا انتہا ختم ہو گئی پس وہ نالے یہاں بصورت نفس اسانس، تبدیل ہو گئے شعر (۱۰) یعنی اے اسد ہم گدال میں بھی لگی کی عادت چھوڑی یعنی فیکری میں بھی اہل کم سچی عاشق ہوئے۔

(۱۱) جو نہ نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاشا ۱ تو خسر دگی نہاں ہے بہ کمیں بے زبانی مجھے اس کی توقع بہ زبا نہ جوانی ۲ کبھی کو دکی میں جس نے سنی میری کہانی یونہی دکھ کسی کو دینا نہیں ہے فرزند کتنا ۳ کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی

شعر (۱۲) قافض سے آفراتے ہیں کہ شعلہ سے مراد شعلہ محبت، داغ دکھ چونکہ اثرنی سے متاہت ہے اس کی نقد داغ دل کہا گیا ہے، شعلہ کا پاشا بانی نہ کرنا وہی اسکی بے زبانی اور بے زبان ہونا اسکی خسر دگی یعنی بچھ جانا کہیں۔ شعر (۱۳) کو دکی بچپن یعنی جو بچپن میں ہی مجھ سے کشیدہ و متنفذ رہا وہ جان ہو کر مجھ پر کیسے کم کر سکتا ہے شعر (۱۴) مطلب یہ ہے یعنی مرزا صاف فرماتے ہیں کہ خدا میری جیسی زندگانی دشمن کو بھی نصیب نہ

کرے۔ نہایت لطیف خیال ہے۔

(۱۵) ظلمتِ کدرے میں میرے شبِ غم کا خوش ہر اک شمع سے دلیل سحر سو خوش ہے ۱
نے مشردہ وصال نہ نظارہ جمال ۲ مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گرش سے
مے نے کیا ہے حسن خود آرا کو بھجواب ۳ اے شوق یاں اجازت تسلیم و ہوش ہے
گوہر کو عقد گردنِ خواباں میں دیکھنا ۴ کیا اوج پرستارہ گوہر فروش ہے
دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست ۵ بزم خیال میں سکہ بے خر و ش ہے

۱ تازہ واردان بساط ہائے دل ۶ زہارا اگر نہیں مومن نائے ولوش ہے
 ۷ دیکھو مجھے جو دیدہ بہرت نگاہ ہو ۷ میری سنو جو گوش نصیحت نبوش ہے
 ۸ ساقی بجلوہ دشمن ایمان و آگہی ۸ مطرب نغمہ رہنمائی کی ہوش ہے
 ۹ یاشب کو دیکھتے تھے کہ سرگوشہ بساط ۹ دامن باغبان و کف گل فروش ہے
 ۱۰ لطف خرام ساقی و ذوق صدائے جنگ ۱۰ یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے
 ۱۱ یا بیدم جو دیکھئے اگر تو بزم میں ۱۱ نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
 ۱۲ داغ فراق صحت شب کی جلی ہوئی ۱۲ اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خاموش ہے
 آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں

غالب سریر خامہ نوائے سروش ہے

شعر ۱۱ مرزا مظہر نے مولوی عبدالرزاق حنا شاعر کو خط لکھتے ہوئے اس شعر کے معنی خود بیان فرمائے ہیں
 ہیں، پیر و شہداء و عہد اک شمع ہے بیل سے سو خاموش ہے یہ خبر ہے پہلا مہر عہد ظلمت کہ میں کیر شب غم کا جوش ہے
 بہ بقدا ہے شب غم کا جوش یعنی اندھیر ہی اندھیر ظلمت غلط ہے۔ سحر ناسید اگیا خلق ہی نہیں ہوئی۔ ہاں ایک،
 دلیل سچ کی بود پر ہے یعنی کبھی ہوئی شمع اس مادہ سے کہ شمع و چراغ صبح کو بجھ جایا کرتے ہیں، لطف اس مضمون کا
 ہے کہ برائے کہ دلیل صبح لٹھرا یا وہ خود ایک سبب ہے منجملہ اسباب تاریکی کے پس لکھا چاہیے جس گھر میں
 عداست صبح موید ظلمت ہوگی وہ گھر کتنا تاریک ہوگا؟

شعر ۱۲ آنتی صلح مطلب یہ ہے کہ اب زمانہ نہیں پانہ کون صباں یار کی خوشخبری سے لذت آشنا
 ہوا کرتے اور انھوں کو رشک پیدا ہوتا تھا کہ ہم لذت عیش سے محروم اسی طرح جب تک میں لذت نظاہ جمال
 محظوظ ہوا کرتی ہیں تو کان محروم رہ جاتا ہوں اور معاملہ نیک و ناپاک تک پہنچتا ہے لیکن اب دونوں اس
 لذت سے محروم ہیں، اور کسی کو رشک پیدا نہیں ہوتا۔ گویا اب دونوں میں صلح ہو گئی ہے۔

شعر (۳۳) حسن خود آرا اپنی آپائش کر نیوالا تسلیم۔ پیر و کرنا۔ ہوش۔ دانائی۔ جان و غیرہ مطلب یہ ہے کہ حسن خود آرا کی شرب نے بے حجاب یعنی بے پردہ کر دیا ہے اس شوق اس جاہت دے کہ اپنے ہوش و اس اس کے پیر و کر دے۔

شعر (۳۴) اہل عقد گردن ہمارے مطلب ہے کہ موتی معشوق کے گلے کے ہار تک پہنچتا ہے ذرا جوہری کے متناہ قیمت کی بلندی ملاحظہ ہو۔

شعر (۳۵) خوش شور و غل مطلب ہے کہ ہماری بزم خیال ایک ایسا شراخانہ ہے کہ جس میں شور و غل کا نام نہیں یہاں بیدار شرب صلیہ ساتی ہے کہ ہر ایک طرف کے مطابق اسکو شرب پلاتا ہے نگاہ ایک مست بارہ کوش ہے کہ برابر پستی جا رہی ہے مصرفہ اولیٰ میں کوئی اضافت نہیں ہے۔

شعر (۳۶) (قطعہ) اپنے انقلاب حالت کا نقشہ اس بمثل قطعہ میں کھینچتے ہیں غالباً مٹی اقصیٰ شاعر ہر کہہ سکتے تازہ الخ جوانوں کو نصیحت کرتے ہیں اگر تم کو ناؤ نوش کا شوق ہو تو اس کے نتیجے سے خبردار ہو جاؤ۔ ناؤ نوش یعنی نغمہ و شرب (دیکھو مجھے الخ اس کو چہ میں تم کھنے سے اگر تم عبرت میں آنکھ دیکھتے ہو تو میری حالت کا مشاہدہ کر لو اور اگر کوش نصیحت نبوش (سننے والا) ہے تو میری بات سن لو۔ ساتی جلوہ الخ ان جلوہ میں ہوتا ہے کہ ساتی اپنی جلوہ گری سے عقل ایسا رت کر دیتا ہے اور مطرب اپنے نغمہ سے تسکین ہوش کو دیتا ہے پھر محفل کی گرمی اور لطف تھوڑی ہی بربک ہوتا ہے یا شب کو الخ رات کو یہ دیکھتے تھے کہ پھولوں سے اس طرح محفل راستہ ہے کہ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرش کا ہر گوشہ امن باعجا اور کف گل فروش کو لطف خراٹم الخ ساتی کی جلوہ گری اور مطرب کی چنگ آبی سے آنکھ اور کان کو جنت کا لطف آ رہا ہے یا بخدمت ما خوش ہے صبح کو بزم میں اگر دیکھتے تو نہ وہ ساتی کی جلوہ گری ہے نہ مطرب کی نغمہ سرائی۔ نہ جوش و خروش ہے نہ لطف و نشاط ہے بس ایک سناٹا سا چھایا ہوا ہے مان آرائش و زینت کچھ نہیں صرف ایک شمع باقی ہے وہ بھی دم بجھ رہی ہے۔

شعر (۳۷) نوا۔ آواز۔ سروش۔ افرشتہ، صریحہ آواز جو لکھتے وقت قلم سے ظاہر ہوتی ہے بالی مطلب

۱۱۶۵۱۔ آ۔ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے ۱ طاقت بیداد انتظار نہیں ہے

دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بٹے ۲ نشہ بہ اندازہ خمار نہیں ہے

گر یہ لکھائے ہے تری بزم سے مجھ کو کہ ۳ ہائے کہ بونے یہ اختیار نہیں ہے

ہم سے عجب ہے گمان رنجش خاطر ۴ خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے معانی ۵ غیر گل آئینہ بہار نہیں ہے

قتل کا مرے عہد تو کیا ہے بارے ۶ ولے اگر عہد استوار نہیں ہے

تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب

۷۔ تری قسم کا کچھ اختیار نہیں ہے

شعر ۱۱۶۵۲ یعنی بہت جلد کہ میں تیرے بیدار وصال کیلئے بے چین ہو رہا ہوں اور اب تم انتظار برداشت کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔

شعر ۱۱۶۵۳ انشہ سے کہنا یہ آرام جنت اور خمار سے نکالیف تیا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ دنیاوی زندگی میں جتنے مصائب برداشت کرنے پڑے ہیں اسکے بدلے میں کہتے ہیں کہ جنت طبعی لیکن ہم اس خیال میں ای کے مقابلہ میں آرام جنت بہت کم ہے اور یہ تلافی باعث تسکین نہیں۔

شعر ۱۱۶۵۴ یعنی میں بوا کی محبت میں رنجش جتیا بک کر دینے لگا تو انکی بزم سے نکال گیا کیونکہ اس انکی روائی تھی اور از محبت فاش ہوا تا انھوں نے کہ مجھے اپنے لطف پر قابو حاصل نہیں ہے۔ بقول شاعر ۵
سو کیا محفل میں لے دے تیرے لئے لٹا دیا خود مجھ کو لے دزد نظر تو نے

شعر ۱۱۶۵۵ خاک میں ہرشت میں طیف میں غبار رنجش مطلب یہ ہے کہ تیرا یہ گمان کرنا کہ میرے دل میں تیری طرف سے رنجش ہے خیال غلط ہے کیونکہ عاشقوں کی طیفیت میں غبار یعنی رنجش نہیں ہوتی۔

شعر ۱۱۶۵۶ دیگر شاعرین اس شعر کی شرح اس طرح فرمائی ہو کہ اگر معانی کا لطف حاصل کرنا چاہیے

تو دل سے صل کر کے نہ کہ بہار کا مزہ بغیر آئینہ گل کے نہیں سکتا یعنی گل ایک آئینہ ہے جس میں بہار کی تصویر نظر آتی ہے اس صورتِ دل آئینہ ہے جس میں نہادِ ان معانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے ۱۵

ہماری باتیں اس میں لفظ آٹھا تبعدہ امر استفعال نہیں ہے بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ دل سے جاؤ گے معانی کا ٹھکانہ ٹھیکہ کیا۔ جو تارِ ماکینہ کہ حب اگر سچ کہیں کہ کلام کو نہ سمجھا بلکہ اعتراض کئے تو میرے دل کا پتھر یا خیمہ مرچا گیا اور حب بکل سر جوہر یا نہ صفت بہار کا حاصل ہو؟

شعر (۱۶) مطلب ہے کہ اس سے میرے قمر کا غم کی ہے اور یہ میرے لئے خوشی کا مقام ہے۔ اور اگر اس نے اپنے دوستِ کرمہ و پیان کی طرح مضبوط نہ رکھا تو پھر اس پر فزون ہے۔

شعر (۱۷) یعنی غالب تو نے آئندہ کیسے شراب پینے کی قسم کھائی ہے لیکن تیری قسم کا میں اعتبار ہی نہیں تو اس سے پہلے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے قہیں لکھ چکا ہے اور انہیں توڑ بھی چکا ہے۔

شعر (۱۸) ۱۔ بھوہم غم سے یا تارِ مہر گئی بھگاؤں ۲۔ کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرقِ مثل ہے
۳۔ زخمِ زخمی مطلب لذتِ زخمِ سوزن کی ۴۔ سمجھو مت کہ یاسِ درد سے دیوانہ نماں ہے
۵۔ وہ گل جس گلستاں میں جلوہ زارانی کرے غالب ۶۔ چٹکنا غنچہ دل کا صدائے خندہ دل ہے
شعر (۱۹) یعنی کثرتِ غم کے بوجھ سے دل پر ہر تاج چھک گیا ہے کہ سردیوں تک پہنچ گیا ہے اور تارِ دامن اور تارِ نظر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا دونوں ایک ہو گئے ہیں۔

شعر (۲۰) یعنی زخمِ دل کے رفو کرنے سے میری یہ خواہش نہیں کہ میرا زخم اچھا ہو جائے اور مجھے لیکن دھلیان حاصل ہو بلکہ اس سے میری یہ مراد ہے کہ نوکِ سوزن زخموں کے اور زیادہ لذتِ اندوزی حاصل ہو کیونکہ خیال نہ کرنا کہ میرے جیسا دیوانہ لذتِ درد سے بے پروا ہو گیا ہے بقول شخصے سے
اس کی لذت کو مجھ سے کچھ کوئی دردوں کی دوا نہیں نہ سہی!
میرزا صاحب ایک اور شعر میں بھی نے اسی شعر کا مضمون لکھ چکے ہیں۔

زخم سادہ نے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن غیر کج ہے کہ لذت زخم رزن میں ہیں
 ششتر (۱۱) گئی مینی وہ گل اندر مہ شوق گر کسی باغ میں جاٹا اور وہاں اگر کوئی غنیمت گل چلے تو اس منگنے
 کی آواز کو خبر نہ دل کہ آواز مجھنا چاہئے جس گھنساں کی سترت و خوشی کا منتہ پلنگہ ہے گئی تو اس گلاب کے پھول کو
 کہتے ہیں تو اس کا غنیمت دل سے مشابہ ہوتا ہر سائے اس کے چلنے کو شہر خندہ و گردیہ توئی استعارہ کیا کرنے ہیں۔
 (۱۲) ۱۔ پاؤں ہو پاؤں بسکہ میں سحر انورد ۱ خار پا میں جو ہر آئینہ زانو مجھ
 دیکھنا تیرے دلی ہم آغوش کی وقت ۲ ہتھ لگاہ آئینا تیرا سحر ہر مہو مجھے
 ہوں سحر پاسار ہنگام شکایت کچھ نہ چہ ۳ ہے یہی بہتر کہ لوگوار پاں چھیرے مجھے
 ششتر (۱۳) اس شعر کی شرح میں بناب بناب الی صاف فرماتے ہیں کہ پاؤں جو زانو سے متصل ہیں تو سحر انورد
 ہیں کہ ان پاؤں میں چھیرے تھے وہی آئینہ زانو کا جو ہر بنے میں اس شعر میں تشبیہ کے میاں مانی میں کھٹکے نہیں۔
 ششتر (۱۴) یعنی ہم خوش ہونے کی وقت ہر دلی حالت دیکھنے کے قابل ہوئی کیونکہ تیرا بال بال تیرے دل
 سے آگاہ ہے یعنی میرا دل تیرے گیسوؤں کی محبت میں بدلتا رہ چکا ہے۔

ششتر (۱۵) آہنگ۔ راگ مطلب ہے کہ میں ایک ساز ہوں جس میں شکایتوں کا راگ بھرا ہوا ہے پس
 تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تو مجھے لوگوں میں چھیرے ورنہ فیروز نے مجھ پر راہ ساز کو چھیرے میں کہ اس میں سے
 شکایتوں کا راگ شروع ہو جائیں گے۔ مرزا صاحب ایک اور جگہ یہی مضمون لکھ چکے ہیں۔
 ہر ہوں میں نیکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجا ۱ ک ذرا چھیرے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے؟
 وہ کہ میں نرم ملیں ناز سے گفتار میں آئے ۱ جہاں کا لبد صورت دیوار میں آوے
 سایہ کی طرح ساتھ پھر میں سر و صندوق ۲ تو اس قید دلکش سے ہو گلزار میں آئے
 تب ناز گراں مانگی اشک بجائے ۳ جب بخت جگر دیدہ خونبار میں آوے
 ہے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستم گر ۴ کچھ تجھ کو مرزا بھی مرے آزار میں آئے

اس چشم فسون گر کا اگر پائے اشارہ ۵ طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے
 کانٹوں کی زباں سو کہ نئی پیاس یارب ۶ اک آبلہ پا فادی پر خار میں آوے
 مر جاؤں کیوں رشک سے جب وہ تن نازک ۷ آغوش خیم حلقہ زتار میں آوے
 غارت گر ناموس نہ ہو گر ہوس زر ۸ کیوں شاید گل بلغ سے بازار میں آوے
 تب چاک گریبا کا ہرزہ ہے دل نالاں ۹ جب اک نفس بچا ہوا ہزار میں آوے
 آشکدہ ہے سینہ ہر راز نہاں سے ۱۰ لے لے اگر معرض ظہار میں آوے
 گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے!
 " جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں ہے

شعر (۱) اکابید۔ بدن مطلب ہے کہ اگر تو کسی محفل میں گفتگو سے مانکرے تو چونکہ تیری گفتگو لبانِ سخن
 کے ذریعہ سے ہوگی اسلئے ممکن ہے کہ تیری معجز ناطقہ سے اس محفل کے بعد دیار میں زندگی کے آثار پائے جائیں
 شعر (۲) مطلب ہے کہ اگر تو باغ میں آئے تو تیرے قد و کش کی کشش سے سرو و صنوبر بھی تیرے سایہ
 قد کی طرح تیرے ساتھ ساتھ پھر میں اپنی سرو و صنوبر کو بھی تیرے قد و کش کے ساتھ عشق ہو جائے۔
 شعر (۳) جیسا کہ انیسویں صحت میں اپنے گونا گویاں پر غور کر سکتے ہیں چشمِ خوفشانِ لختِ جگر بھی کی ہم تر ہیں
 شعر (۴) یعنی اگر میں اپنی تکلیف اور دردِ محبت کی شکایت کروں گا تو مجھے اس میں ایک قسم کی لذت
 حاصل ہوگی اے ظالم مجھے شکایت کی اجازت دے تاکہ میرے آنار دینے سے تجھے لطف حاصل ہو۔

شعر (۵) فسونگر۔ جادوگر معشوق کی آنکھ کو چشمِ سخن گو بھی کہتے ہیں یعنی وہ آنکھ جہاں دلوں سے
 باتیں کہے مطلب ہے کہ اسکی چشمِ سخن گو کے اشارہ ملکس جب آئینہ میں پڑے گا تو آئینہ بھی طوطی کی طرح باتیں
 کرنے لگ جائے گا۔ لفظ آئینہ اور طوطی میں بھی ایک مناسبت ہے کہ آئینہ کی طرح سے طوطی کو
 بولنا سکھایا کرتے ہیں۔

شعر (۲۱) یعنی پیاس کی شدت جنگل کے کانٹوں کی زبانیں خشک ہو گئی ہیں اے خدا اس کانٹوں کے جنگل میں اس دیوانہ کو بھیج دے کہ جنگے پاؤں میں جھٹکے ہو مطلب ہے کہ جب کئی آدمیہ پاکانٹوں پر چلے گا تو کانٹے اس کے پاؤں میں جھپکے کر آئے جھوٹ جائیں گے اور ان میں سے پانی نکلے گا تو کانٹوں کی زبانیں تر ہو جائیں گی۔

شعشعہ (۷) کسی ہندو عاشق کا ہنرِ بیاں ہو کر مرزا رضا فرماتے ہیں کہ اس مازن کے تین نازک سے نہ تازا دلپا
ہو رہے افسوس کہ میں نہ تار کے تاگر سے بھی گیا گزرا بھڑاکاش میں نہ تار ہی ہوتا تاکہ لذت ہم آغوشی حاصل ہوتی۔

شعر (۸) مولانا نظم صاف فرماتے ہیں کہ گلاب میں جو زیرہ ہوتا ہے اسے زرِ گل کہتے ہیں شعر کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ گلاب کا کھلنا اور زرِ گل کا کھلنا کیا ہو گیا زر کی ہوس میں تھک چکے ناما ہو جس کا انجام یہ کہ ہر بازار بڑا تو برباد ناما ہو کہ کیوں سامنا ہو غنچہ کی طرح بندھی مٹھی جہاں گیا ہوتا جیت تھک پھیل کر زر لیا تو شاہد بازار ہی ہو گیا اور نموس و عزت باد ہو

شعر (۹) یعنی بے دل نہ لاں گریباں چاک کرنے کا منہ تو جیباں گرا اگر تارِ نفس بھی ہر تار گریباں کے ساتھ

الجبہ ہوا آئے لیکن تارِ نفس کو بھی تارِ گریباں کے ساتھ کام تمام ہو چلے۔

شعر (۱۰) مطلب ہے کہ جس راز پوشیدہ کی وجہ سے میرا سینہ تشکدہ بنا ہوا ہے اگر وہ راز ظاہر ہو گیا تو بہت بُری بات ہوگی یعنی ایک زمانے میں آگ لگ جائے گی۔

موتے ہیں وہ خزانہ معالی کا طلسم ہیں یعنی میں ایسا سحر البیان ہوں کہ میرے شعر کا ہر ایک لفظ کثیر المعنی ہوتا
جس سے عجیب و غریب معنی پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ اکابر حسن مہر گرچہ ہنگام کمال اچھا ہے
۲۔ بوسہ دیتے نہیں وٹل پہرے سرِ محظوظ نگاہ
۳۔ اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
۴۔ بے غلبہ ہیں تو مزہ اس میں سودا ملتا ہے

اس کے میر امہ خور شید جہاں اچھا ہے
جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال چھا
ساغرِ جہم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے
وہ گدا جس کو نہ خوئے سوال اچھا ہے

انکے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق ۵ وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
 دیکھے پاتے ہیں عشاق تیرے کیا فیض ۶ اک برہمن نے کہہ دیا کہ یہاں اچھا ہے
 ہم سخن تیشہ نے فرہاد کو شیریں سے کہا ۷ جس طرح کا بھی کسی میں ہو کمال اچھا ہے
 قطرہ ریاحین چمک جائے تو دریا ہو جائے ۸ کام اچھا ہے جس کا کہ مال اچھا ہے
 خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز ۹ شاہ سے باغ میں تازہ نہال اچھا ہے
 ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
 دیکھے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

شعر (۱) مطلب ہے کہ اگرچہ چودھویں رات کا چاند بھلا معلوم ہوتا ہے لیکن میرا معشوق خورشید جا
 ہے اس لئے وہ اس سے زیادہ بہتر ہے دراصل چاند بھی آفتاب ہی کی روشنی سے منور ہوتا ہے۔
 شعر (۲) مطلب ہے کہ وہ ہمارا دل لٹایا جاتے ہیں اور ہم اس کے معاد میں لٹے طلب کرتے ہیں لیکن رے
 سے نہیں نکال رہے گویا ان کا مطلب ہے کہ وہ مفت میں ہمارا دل لٹا چاہتے ہیں اور اس کی کوئی قیمت مانیں کرنا چاہتے
 شعر (۳) جام سفال بٹی کا پیالہ یعنی ایسی چیز کی کیوں جستجو کی جائے جس کی جستجو کی تکلیف کے عیش سے
 زیادہ ہو یعنی ساغر جم اگر تیار کر لیا تو پھر کیا کریں گے اور اگر مٹی کا پیالہ ٹوٹ جائیگا تو بازار سے سوا وہ بے آہنگ۔
 شعر (۴) شعر کا مطلب صاف ہے۔ سزا دل کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔

شعر (۵) مطلب ہے کہ جب ہزارہ ترجم میری بیماری پر ہی کو آتے ہیں تو ان کو دیکھ کر میں ڈر مرت سے
 خوشحال ہو جاتا ہوں اور چہرے پر ایک قسم کی تازگی ہی آجاتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اس کو نئی بیماری کا بہانہ کیا تھا
 یا سمجھتے ہیں کہ اب تو اس کا مرض جاتا رہا ہے اور اس کا حال اچھا ہے۔

شعر (۶) گویا معشوق کی تمنائیں یہاں مستغرق ہے کہ دنیا اور مافیہا کی کچھ خبر نہیں یہاں تک کہ نہ دیکھنے
 سال کو چھوٹا بنا دے تو اس کے اچھا ہونے کے یہی معنی سمجھا ہے کہ شاید سال معشوق عاشقوں پر مہربانی ہو جائے

نہ کیے اس سال قحط نہیں پڑیگا یا وہاں نہیں آئیگی یا لڑائیاں نہیں ہونگی وغیرہ (یادگار غالب)
 شاعر (۱۷) مبالغہ ہے کہ تیشہ زنی کے کمال نے فرا کو ٹریں سے ہم سخن ہونے کا موقع دیا انفرض انسان
 میں کئی نہ کوئی کمال ضرور ہونا چاہیے۔

شاعر (۱۸) مونیوں میں جو توحید و جود کے قائل ہیں ان کے نزدیک ہر چیز اپنی ہستی سے نالاں
 ہے اور طبعاً اپنے مبداء سے اتحاد و اتصال کے لئے کوشش کر رہی ہے اور اس مقصود ہی ہے کہ دریا میں
 فنا ہو جائے۔ یہی اس کا حق انجام ہے۔

شاعر (۱۹) سلطان خضر۔ فرزند بہادر شاہ ظفر کو گلستان شاہی کے تازہ ہزار سے تشبیہ کر
 ان کی سرسبزی کی دعا کی ہے۔ اس شعر میں خضر۔ سرسبز باغ۔ ہمال وغیرہ الفاظ کی رعایت ہے۔
 شاعر (۲۰) یعنی اے غالب میں جنت کی حقیقت خوب معلوم ہے درحقیقت جنت کوئی چیز نہیں تو وعظ و
 یونی سر باغ دکھا ہے میں ہاں بہتہ دل کے خوش رکھنے کیلئے اچھا خیال ہو غار میں مرزا جھانے یوں لکھے ہیں

فردوس جئے عمر لوبہ اس دادہ آہ
 (۱۶۲) نہوئی گرسے مرنے سے تسلی نہ سہی ۱
 سرایہ نیز در سرا و سودے رود
 (۱۶۳) متھاں اور بھی باقی ہوں یہ بھی نہ سہی
 خار خار الم حسرت دیدار تو ہے ۲
 شوق گلچین گلستان تسلی نہ سہی
 مے پر شاخ مے منہ سر لگاتے ہی بنی ۳
 ایک ن گرنہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی
 نفس قیس کہ ہے چشم و چہر غ صحر ۴
 گر نہیں شمع سبہ خانہ لیلے نہ سہی
 ایک ہنگامہ یہ موقوف ہر گھر کی وقت ۵
 فوجہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی
 نہ ستائش کی تمنا نہ جلد کی پروا ۶
 گر نہیں ہیں میرے شمار میں معنی نہ سہی

عشرت صحبت خواہاں ہی نصیحت سمجھو
 نہوئی غالب اگر عمر طبعی نہ سہی

شعر (۱) یعنی اگر تجھے یہ منظور نہیں کہ میں تجھ پر جان قربان کر دوں اور اگر میں مر بھی جاؤں تو تیری تسلی نہ ہوگی تو اچھا میں نہیں مرتا اگر ابھی میرا کوئی اور امتحان لینا باقی ہے تو میں حاضر ہوں۔

شعر (۲) یعنی اگر میرے شوق کو گلستانِ تسلی کی گلچینی حاصل نہیں تو کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ فوراً دارالمحسرت دیدار میں رو رو کر کانٹے نکال رہے ہیں۔

شعر (۳) مطلب ہے کہ اے شراب پیئے والا اگر آج بزم میں ساقی ہوتا تو یہی کٹھا کہ جام سے شراب پلاتا لیکن اگر آج وہ نہیں ہے تو خود ہی خم مے کو منہ لگا دو نہ اس میں تمہارا فائدہ ہی ہے کہ خوب جی بھر کر جتنی چاہو گئے ہو گئے

شعر (۴) نفس قیس یعنی مجنوں کی یہ شعلہ نشاں مطلب ہے کہ اگر نفس قیس جو چشم و چراغ صحرا ہے سیاہ خانہ بیلے کی شمع نہیں ہے تو نہ سہی مسکن قیس تو اس سے روشن ہے۔

شعر (۵) ہنگامہ مجمع و محفل مطلب ہے کہ اگر گھر میں نغمہ شادی ہوگا تو لوگوں کے اجتماع سے ایک رونق ہوگی اور اگر ذمہ غم ہوگا تو جیب بھی ایک محب ہوگا۔

شعر (۶) زبانش۔ توفیق۔ صلہ۔ انعام۔ مرزا غالب کے کلام پرانے کے معاصرین سخت نکتہ چینیوں کی ہیں عمر بیک کا رستہ تھا کہ ان کا ہم سفر اور بے معنی ہوتا ہے یہ شعر انہیں لوگوں کے جواب میں بطور ناراضگی لکھا ہے مطلب یہ ہے کہ میر شاعر کا جہل اور سنسنی کتنا ہے وہ میر شاعر کی توفیق نہ کہے اور جو انعام سنے دینا چاہئے پاس ہی رکھے

شعر (۷) طبعی یعنی اصلی وافی صفا فرماتے ہیں کہ معشوق کی صحبت اگر دلکش ہے لیکن انسان کی صحبت اور ان کی زندگی پر برا اثر ڈالتا ہے اور اس قسم کے لوگ عمر طبعی تک پہنچنے سے پہلے مرتے ہیں لیکن بے شک خدا کی عمر کسی کی اتنی زیادہ قدر نہیں ہے کہ اسکے خیال میں حسینوں کی صحبت سے آدمی باز رہے۔

لیکن بقول غالب ہماری رائے میں عمر طبعی یا اصلی زندگی ہی یہی ہے کہ جو حسینوں کی صحبت میں گزرے۔

(۱) عجیب ط سے جلاؤ کے چلے میں ہم آگے ۱ کہ اپنے سائے سے سر پاؤں کے بے وقوفہ آگے

نفسانے خناب مجھے چاہا خراب بادہ الفت ۲ نقطہ خراب لکھا پیش چل سکا قلم آگے

غم زمانہ نے چھاری نشاط عشق کی سستی ۳ وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذت الم آگے
 خدا کے واسطے داد اس جنوں شوق کی دینا ۴ کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ سے ہم آگے
 یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھاتی ہیں ہم نے ۵ تمہارے ایوانے طرہ پائے خم خم آگے
 دل و جگر میں پرافشاں جو ایک جہ خون ہے ۶ ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے
 قسم خانیے پہ آنے کی میر گھٹائے میں غالب
 ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

شعر (۱) یہ ایک بدیہی بات ہے کہ بھوپ یا چاندنی میں نساں بیکر کا سایہ پاؤں سے آگے ہوتا ہے مطلب یہ
 ہے کہ ہم نہایت ذوق و شوق اور خوشی کے ساتھ جھومتے ہوئے جلاد کے ساتھ قتل میں جاتے ہیں کہ قوطا متیا
 شہادت میں ہمارا سر پاؤں سے بھی دو قدم آگے جاتا ہے۔

شعر (۲) کاتب تقدیر نے چاہا تھا کہ مجھے خراب بادۂ الفت لکھے لیکن فقط نقط خراب ہی لکھا تھا کہ
 آگے ظلم نہ چل سکا اس لئے اب مجھے کوئی خراب بادۂ الفت نہیں سمجھتا فقط خراب کہتے ہیں اور یہ میر کے سر امر خرابی ہے
 شعر (۳) مرزا حسن فرماتے ہیں کہ غم روزگار نے ذوق شوق اور عشق و محبت کا تمام نشہ اتار دیا یعنی
 زمانہ کے مصائب نے عشق و محبت کے غم بھی بجلا دیئے ہیں۔

شعر (۴) مطلب یہ ہے۔

شعر (۵) یعنی گیسوؤں کو نکال دینے کے مرزا حسن فرماتے ہیں کہ یہ جو تمام عمر ہم نے تمہارے عشق میں پریشانیاں
 اٹھائیں ہیں اگر سے کہ اے گیسو و تمہارے آگے کو یا یہ ایک قسم کی گیسوؤں کو بددعا ہے لیکن ہماری سائے میں
 تو گیسوؤں کا پریشان ہونا بھی ایک قسم کی رعنائی و دلفریبی میں داخل ہے اور یہ عاشق کیلئے اور بھی قیامت کا سامنا ہے
 شعر (۶) زعم یعنی گمان۔ قاضی حسن فرماتے ہیں کہ جگر سے مراد یہاں پیچھے پڑا ہے مطلب یہ ہے کہ جبکہ ہم اپنا
 سانس سمجھتے ہیں یہ اصل مرنے خون کی پرافشانی ہے پرافشانی کے معنی ترک علاقہ یا ترک دنیا کے ہیں۔

شعر (۱۷) آگے یعنی پہلے مطلب ہے کہ پہلے تو وہ ازراہ محبت و عزت ہمیشہ میری جان کی قسم کھاتا کرتے لیکن خدا کی شان ہے کہ اب یہی قسم دوسری شکل میں تبدیل ہو گئی ہے یعنی اب اس نے قسم کھالی ہے کہ اب اگر جاؤں گا تو غائب کے جنازے پر ہی جاؤں گا۔

- ۱ یہ بھی مت کہہ جو کہے تو گلا ہوتا ہے
۲ اک ذرا چھڑے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے
۳ شکوہ جو رہے سرگرم جفا ہوتا ہے
۴ ست رہ جیسے کوئی آبدہ یا ہوتا ہے
۵ آپ اٹھالتے ہیں گم تیر خطا ہوتا ہے
۶ کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے
۷ لب تک آتا ہے جو ایسا ہی سا ہوتا ہے
۸ شاہ کی طرح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے
۹ تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے
۱۰ تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے
۱۱ آستان پرتے مرہ ناسیہ ہوتا ہے
۱۲ یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فرا ہوتا ہے
- رکھو غالب مجھے اس تلخ لوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

شعر (۱۸) شکوہ کا لفظ بھی اگر زبان پر آجائے تو وہ جفا ہو جاتا ہے بلکہ بھی کہے کہ وہ جفا ہوتا ہے

شعر (۱۹) شعر کا مطلب صاف ہے۔

شعر (۱۳) مطلب ہے کہ گو وہ میرے شکوؤں پر غور نہیں کرتا لیکن جن تلافی بھی تو ملاحظہ ہو کہ
شکوہ ظلم و ستم من کر اور بھی سرگرم جفا ہوتا ہے۔

شعر (۱۴) چرخِ مکوب۔ ستاروں بھرا آسمان۔ مطلب ہے کہ راہِ عشق میں آسمان کی ایسی سُست رفتار
ہے کہ جیسے اگلے پاؤں میں چھلے پڑ گئے ہوں۔ ستاروں کو آبلوں سے تشبیہ دی ہے۔ سُست راہ سے
یہ مراد ہے کہ جدائی کی راقم اور دن کاٹنے مشکل ہو گئے ہیں۔

شعر (۱۵) ہٹ۔ نشانہ۔ ناوک۔ تیر۔ خطا ہونا۔ تیر نشانہ پر نہ لگنا۔ مطلب ہے کہ ہم کیونش تیر ستم
کا نشانہ نہیں کہ اگر ہمارے معشوق کا تیر خطا ہو جاتا ہے تو ہم خود جا کر اٹھا لیتے اور معشوق کے ہاتھ میں
دینے میں کہ دوبارہ ہمیں نہ اٹھنا پڑے۔

شعر (۱۶) یہی اچھا تھا جو اس سے پہلے ہم اپنے بد خواہ تھے اور اب بھلائی کی دعا کرنے میں۔ تو
برائی پیش آتی ہے۔ حضرت یحییٰ فرماتے ہیں

نالگا کرینگے اب سے دعا ہجر مار کی آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ
یا اللہ بھی اب اس بُتِ کافر کی طرف ہے کچھ لڑا ہی ہو تلے عاؤں کا اثر بھی

شعر (۱۷) پہلے تو میرے نالہ میں اتنا زور تھا کہ وہ عرش تک پہنچ جاتا تھا لیکن اب حالت ہے کہ
زیادہ سے زیادہ زور مارا تو لبِ تاب پہنچ گیا۔

شعر (۱۸) بار بیک مشہور موسیقی دان کا نام ہے جو خسرو پرورد کے مقررین میں سے تھا۔ نعل بہا
معنی تخت میں اس طرح یکے ہیں کہ وہ مال جو نہ یہ یعنی صدقہ اپنی ولایت کا دشمن قوی کی فوج کو دیں تاکہ لوٹ مار نہ
کے۔ لیکن مرزا حسن نے اس جگہ یہ معنی مراد نہیں لئے بلکہ شکر کے نعل کی قیمت مراد لی ہے۔ مطلب ہے کہ خام
میر تقی میر اعظم جو بادشاہ کی بنیم کا بار بیک ہے بادشاہ کی تعریف میں اس طرح گیت گاتا ہے کہ اسے شہنشاہ شکار
تیری فوج اور آفتاب تیرا جھنڈا ہے تیری خوش یا بُرگی کہ کن بیان کر سکتا ہے سات اقلیم الخ اگر ساتوں

دلاتیوں کا محل جمع کیا جائے تو وہ تیر لشکر کا صرف نعل بیا ہوتا ہی یعنی لشکر کے گھوڑوں کی نعلیند میں خیم ہو جاتا ہے
 ہر صنیہ النہم چودھویں ات کا چاند جو گھٹ کر ہلال ہو جاتا ہے تو یہ سلٹے کہ تیرے آستانہ پر جیبہ سائی کرتے کرتے ایسا
 ہو گیا ہے میں جو النہم اصل غزنویانی میں کہیں کہیں سے بڑھ جاتا ہوتا یہ بھی محض تیر ہی کرم باعث افزونی فوق ہے
 شعر (۱۱۱) غالب میری یہ کڑوی کیلی باتیں سن کر معاف کرنا کیونکہ آج مجھے یہ صدمہ پہنچا ہے
 جس نے مجھے حق بات کہنے پر مجبور کر دیا ہے۔

- (۱۱۵) ہر ایک بتا یہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے ۱ تمہیں کہو کہ یہ انداز گفت گو کیا ہے
 نہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا ۲ کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تمذخ کیا ہے
 یہ شک ہو کہ وہ ہوتا ہی ہم سخن تم سے ۳ وگرنہ خوف بد آموزی عدا کیا ہے
 چپکٹا ہے بدن پر لہو سے پیرا من ۴ ہماری جیب کو اب حاجت تو کیا ہے
 بھا ہے جسم جہاں دل بھی گل گیا ہوگا ۵ کہہ دے ہو جواب را کہ ہجو کیا ہے
 رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل ۶ جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
 وہ چیز جسکے لئے ہم کو بہشت عزیز ۷ سوائے بارہ کلف نام شک کیا ہے
 پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں و جاہ ۸ یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے
 رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بختی ۹ تو کس امید پہ کہے کہ آرزو کیا ہے

ہو اے شہ کا مصاحب پھر سے اترنا

۱۰۔ وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

شعر (۱۱) شعراء ہے۔ تو کیا ہے یعنی تیری حقیقت کیا ہے۔

شعر (۱۲) یعنی میرا معشوق شوخی و تند خوئی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔

شعر (۱۳) یعنی مجھے اس بات کا تو کوئی خوف نہیں کہ میرا دشمن تمہیں میرے خلاف کوئی بُری باتیں سنا سکے گا۔

مجھے تو صرف اس بات کا رشک ہے کہ وہ تجھ سے ہمکلام کیوں ہوتا ہے؟

شعر (۴)۔ شعر صاف ہے شمع کی ضرورت نہیں۔

شعر (۵) یعنی دل تو جسم کے ساتھ ہی جل گیا ہوگا پھر راکھ کرید کر کیا تلاش کر رہے ہو؟

شعر (۶) یعنی وہ خون ہی نہیں جو آنکھ سے اشک خویش بن کر نہ ٹپکے۔

شعر (۷) یعنی ہمارے دل میں بہشت کی ہر بات اس لئے کچھ عزت ہے کہ وہاں شراب پینے کو ملیگی۔

شعر (۸) یعنی چھوٹے چھوٹے پیالے پیالیوں سے ہماری سیری نہیں ہوتی ہم تو کم از کم دو چار

ٹکے شراب کے پیئیں تو کچھ سرور آئے۔

شعر (۹) اول تو بات کرنے کی جرات ہی نہیں اور اگر ہو تو کس امید پر یہ کہیں کہ ہماری یاد رو

ہے؟ کیا اس نے کبھی ہماری کوئی آرزو پوری کی ہے؟

شعر (۱۰) غالب اس بات پر کیوں فخر و ناز کرے کہ بادشاہ کے مصاحبوں میں داخل ہو گیا اور نہ

شہر میں غالب کی کون عزت کرتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اصل اس شعر میں ذوق پر چوٹ کی گئی ہے اور شعر میں

بجائے لفظ ذوق لکھنے کے غالب لکھ دیا ہے۔ مراد اس سے ذوق ہی ہیں۔

(۱۶۶) میں انہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں ۱ چل نکلتے جو مے پیئے ہوتے

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو ۲ کاش کہ تم مرے لئے ہوتے

میری قسمت میں گر غم اتنا تھا ۳ دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے

آہی جاتا وہ راہ پر غالب ۴ کوئی دن اور بھی جئے ہوتے

شعر (۱۱) شعر صاف ہے۔

شعر (۱۲) خواہ تم کتنے ہی ظالم و سفاک ہو لیکن ہمیں سب کچھ منظور تھا کاش کہ تم ہمارے نصیب میں

ہوتے یعنی تمہارا اصل ہمیں نصیب ہوتا۔ دواوین میں لفظ کاش کے لکھا ہے ہمارے خیال میں کاش کہ ہوگا۔

شعر (۱۳) شعر صاف ہے۔

شعر (۱۴) راہ پر آجانا۔ راہ راست پر آجانا۔ ہمارا کہا مان لینا۔

(۱۵) غیر میں محفل میں بوسے جام کے ۱ ہم رہیں یوں آتش لب پیغام کے
خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ ۲ ہتھکنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے
خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ۳ ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
رات پی زمرم پہ مے اور صبح دم ۴ دھوئے دھتے جامہ حرام کے
دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا۔ نگہ ۵ یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے
شاہ کے ہے غسل صحت کی خبر ۶ دیکھئے کب دن پھریں حمام کے

عشق نے غالب نکتا کر دیا!

ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

شعر (۱۶) مطلب ہے کہ رقیب و محفل معشوق میں معشوق کے ہاتھوں کیے ہوئے جام ہونٹوں سے
لگاؤ اور ہم صرف اتنی بات کیلئے بھی پیاسے ہیں کہ وہ ہمیں کب پیغام بھجیگا ہے کہ آؤ اگر مل جاؤ یا نرم
عیش میں شریک ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

شعر (۱۷) یعنی اپنے خستہ و خوار ہونے کی تم سے کوئی شکایت نہیں سب فلک ہنجر کے ظلم و ظم ہیں۔

شعر (۱۸) یعنی خط لکھنے میں اگر ہمارا کوئی خاص مقصد نہ بھی ہو لیکن ہمیں تو تیرے نام کے ساتھ

عشق ہے اسلئے سزاوارتہ یا نفاذ پر تیرا نام تو لکھیں گے اور یہ بھی ہماری تسکین کا باعث ہوگا۔

شعر (۱۹) زمرم۔ مکہ معظمہ میں ایک کنواں ہے جو کہ مسلمانوں میں نہایت متبرک سمجھا جاتا ہے حاجی لوگ

اکی پانی بطور تبرک بھی اپنے ہمراہ لاتے ہیں لیکن مرزا غالب فرماتے ہیں کہ ہم نے رات کو زمرم کے کنوئیں پر بیٹھ کر سزا

پی اور صبح کی وقت اسی زمرم کے پانی سے جامہ احرام کے وہ جھٹھکے جو شرب کے کرنے سے پڑ گئے تھے۔ جامہ احرام

وہ لباس ہوتا ہے جو حاجی لوگ حج سے پہلے پہنتے ہیں اور حج کے بعد اتارتے ہیں۔

شعر (۵) بیکر دیکھو میری آنکھوں کے تمہارے غم عشق میں پھنسا یا گویا میرا کچھ تمہارے غم حسن کے حلقے بن گئیں۔
بقول شخصے: آنکھوں نے تم کو دیکھا تھا دل قید کیوں کیا آنکھوں کا ہے تصویر یہ دل کی خطا نہیں

شعر (۶) بادشاہ کے غم صحت کی خبر گرم ہے دیکھئے اہل حمام انعام و کرام سے کبٹا لانا چوتے ہیں۔
شعر (۷) بے غالب صدات عشق برداشت کرنے سے ہم ناکار ہو گئے ورنہ کبھی ہم بھی کام کے آدمی تھے مینی دنیا کے ہر ایک کام کرتے تھے۔

(۱۷۸) ۱ کھڑا انداز سے بہار آئی کہ ہوئے ہر موسم تماشا سانی
۲ دیکھو اے ساکنانِ خطہ خاک اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
۳ کہ زمیں ہو گئی ہے سبز تاسر ۴ روکش سطح چرخ مینائی
۵ سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی ۶ بن گیا روئے آب پر کائی
۷ سبزہ و گل کے دیکھنے کیلئے ۸ چشم نرگس کو دی ہے بینائی
۹ ہے ہوا میں شراب کی تاثیر ۱۰ بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی
کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہ دین دار نے شفا پائی

شعر (۸) یعنی ایک پھر بہاؤ ایسے ٹھٹھے سے آئی ہے کہ کتاب امتابا ہی اسکے تماشا بن گئے ہیں۔
قسط ۲ تا ۶۰ بخش مقابل منہ پھیرنے والی مطلب کہ دیکھو اے زمین کے باشندو! رات دن دنیا سے کہتے ہیں کہ زمین ۱ سبزہ بہاؤ کی وجہ سے ایک جانب کے بیکر دوسری جانب تک چرخ مینائی کو رات کو ہی ہے مینائی یعنی جس پر سبزی و مرغی سے نقش و نگار بنائے گئے ہوں۔ سبزہ کو الخ یعنی سبزہ کی اس کثرت سے ہمہ گیر وسیع ہو ہے کہ کوئی جگہ بھی اس سے خالی نہیں یہاں تک تختہ آب پر بھی کائی کی شکل میں سبزہ نمودار ہے۔ سبزہ گل الخ

اس بہارِ بہرہ و گل کے دیکھنے کیلئے چشمِ نرس کو بنیاد دیا ہے۔ ہوائے الخ جب بہار نے شراب کی تاثیر ہوا
میں پیدا کر دی ہے تو ہوا خوری سے ہی کیفیتِ بادہ نوشی پیدا ہو سکتی ہے۔

شعر (۷) شروعات ہے۔

(۱۷۹) تغافلِ دوست ہو میرا داغِ عجزِ خالی ہے ۱ اگر پہلو تھی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے
رہا آبادِ عالمِ اہلِ ہمت کے نہ ہو نیسے ۲ بھسے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے
شعر (۱۱) میں تغافل کو پسند کرتا ہوں اور میرا داغِ عجز اس قدر بلند ہے کہ آپ اگر مجھ سے پہلو تھی کریں
تو میں اس پہلو تھی کو یہ سمجھوں گا کہ آپ میرے لئے جگہ خالی کی ہے۔

شعر (۲) یعنی دنیا اس جہ سے آباد ہے کہ اہلِ ہمت اس میں نہیں گویا یہ نیا ایک میخانہ ہے جس میں
جام و سبو تو بھرے پڑے ہیں لیکن پینے والے اور پلانے والے ہی نہیں ورنہ سب چٹ کر جاتے۔

(۱۸۰) کب وہ سنتا ہے کہانی میری ۱ اور پھر وہ بھی زبانی میری
خلشِ غمزہ خونِ نیرِ نہ پوچھ ۲ دیکھ خونِ نابہ نشانی میری
کیا بیا کر کے ہر اروٹیں گے یا ۳ مگر آشفستہ بیانی میری
ہوں ز خود رفتہ بیدائے خیال ۴ بھول جانا ہے نشانی میری
مقابل ہے مقابل میرا ۵ رک گیا دیکھ روانی میری
قدر سنگِ سر رہ رکھتا ہوں ۶ سخت ارنال ہے گرانی میری
گر و بادِ رہ بیتابی ہوں ۷ صرصر شوق ہے بانی میری
دین اس کا جو نہ معلوم ہوا ۸ کھل گئی ہسچیدانی میری
کر دیا ضعف نے عاجز غالب

۹ - تنگ پیری ہے جوانی میری

شعر (۱) شعر صاف ہے۔

شعر (۲) خون شبابہ۔ خاص خون مطلب ہے کہ اس کے غمزہ خونریز کی خلش کا اندازہ کیا لگانا چاہتے ہو وہ تو آپ میرے اسک خونیں کی روانی سے لگاؤ۔

شعر (۳) مطلب ہے کہ میرے خوش واقف یا دوست احباب میری کونسی خوبی یاد کر کے مجھے اُس کے سوائے اس کے کہ میری پریشان خیالی یا میری شاعری کو یاد کر کے دیں۔

شعر (۴) مہیا۔ جنگل۔ میدان۔ خیال احباب ایک جنگل ہے جس سے میں نکل گیا ہوں اور اب میری نشانی صرف یہ ہے کہ وہ مجھے بھول گئے ہیں۔

شعر (۵) مولوی عبدالمزاق شاکر کو لکھتے ہوئے مرزا غالب نے خود اس شعر کے معنی بیان فرمائے ہیں لکھتے ہیں تقابل و تضاد کون نہ جائیگا۔ اور ظلمت۔ شادی غم۔ راحت رنج۔ وجود و عدم۔ لفظ تقابل اس مہوع میں معنی مرجع ہے جیسے کہ حریف یعنی دوست بھی مستعمل ہے۔ مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست از روئے خود عادت ضد ہمدیگر ہیں۔ وہ میری بلع کی روانی کو دیکھ کر رک گیا۔

شعر (۶) گرانی کے معنی بھاری پن اور گراں قیمت پہننے کے بھی ہیں۔ کتاب ہے کہ میری قدر اس پتھر کی سی ہے جو راہ کے سرے پر پڑا ہے اور ہر شخص آتے جاتے اس پر پاؤں رکھ کر گزرے یعنی ہوں تو گرا غلہ گز اس پتھر کی طرح بے قدر پس میری گرانی کس قدر رزانی ہے (یادگار غالب)۔

شعر (۷) گرد یاد۔ بگولہ بوتیز ہو اسے پیدا ہوتا ہے۔ صرصر۔ آندھی۔ مطلب ہے کہ میں بتیابی کی رنگرز کا بگولہ ہوں اور صرصر شوق کی حیرانی ہے کہ مجھ کو ایسا بنادیا ہے۔

شعر (۸) جی جیسے اپنے معشوق کا دم من معلوم نہ ہو سکا تو میری ہسچیدانی ظاہر ہو گئی۔

شعر (۹) ننگ، شرم۔ مطلب ہے کہ اگرچہ میں جوان ہوں لیکن صدات نے ایسا ضعیف زار کر دیا ہے کہ میری ہونتی بھی بڑھا پلے کا شر مار ہی ہے۔

(۱۸۱) نقش نازب طناز بہ آغوش رقیب ۱ پائے طاؤس پئے خامہ مانی مانگے
 تو وہ بد خو کہ تختہ کو تماشا جانے ۲ غم وہ افسانہ کہ آشفتمہ بیانی مانگے
 وہ تپ عشق تمنائے کہ پھر صورت شمع ۳ شعلہ تابض جگر ریشہ روانی مانگے
 شعر (۱) خامہ قلم۔ مانی ایک مشہور مصور گزرا ہے۔ طناز ناز کے ساتھ چلنے والا مطلب ہے کہ
 جب معشوق رقیب بوسیاہ سے بغلیک ہو کر ناز کرے تو اسکی اس حالت کی تصویر یہ چیتھی ہے کہ مصور کے ہاتھ میں
 بجائے مو قلم کے پائے طاؤس کا قلم ہو۔ چونکہ طاؤس کا بدن خوب صورت ہوتا ہے اور پاؤں صورت اسٹے بہ عایت مد نظر
 شعر (۲) مطلب ہے کہ تیری لمبی بری عادت ہے کہ میں حیرت زدہ ہوتا ہوں۔ تو تو میری حیرت کو
 تماشا سمجھ کر خوش ہوتا ہے اور اگر افسانہ غم بیان کروں تو اسے پریشان خیالی کہتا ہے۔

شعر (۳) ریشہ روانی کرے یعنی دور سے مطلب ہے کہ مجھے اس تپ عشق کی تمنائے کہ جس شعلہ
 تن کی طرح نبض جگر یک لیش روانی کہے یعنی ریشے، جگر سے اندر رو سینہ مراد ہے اور نبض سے لگ گیا نہ جگر کی
 کوئی نبض بند ہوتی اور نبض حرکت تن کا نام ہے اور اگر عجزاً جگر سے دل مراد لی جائے تو پھر صحیح ہو سکتا ہے۔
 (۱۸۲) گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آبی ۱ ہر غنچہ کا گل ہونا آغوش کشائی ہے
 واں کنگرہ استغنا ہر دم ہے بلندی پر ۲ یاں نالے کو اور الٹا دعویٰ سائی ہے
 از بسکہ سکھاتا ہر غم ضبط کے اندازے ۳ جو داغ نظر آیا اک چہنم نسائی ہے
 شعر (۱) مطلب ہے کہ گلشن میں تیرا قیام کرنا پھولوں کو بہت مرغوب ہے کیونکہ ہر غنچہ کا شلفہ
 ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ تجھ سے ہم آغوش ہونا چاہتا ہے۔

شعر (۲) کنگرہ جو عکاس کی دیوار کے اوپر چاروں طرف بتاتے ہیں۔ استغنا بے پروائی۔ مطلب ہے کہ
 وہاں تو انکی بے پروائی کا کنگرہ روز بروز بلندی پر جا رہا ہے اور یہاں ہمارا نالہ بھی نیک سائی کا دعویٰ
 کر رہا ہے اگر ہمارا نالہ رسا ہوتا تو وہ اور زیادہ بے پروا نہ ہوتے۔

شعر (۳۳) غم مجھ کو ضبط کے قواعد سکھاتا ہے اور ہر درغ سے چشم نہائی کا کام لیتا ہے۔
 (۱۸۳۴) جس زخم کی ہو سکتی ہے تیسر فو کی ۱ لکھ کچھ یار بے سے قسمت میں عدو کی
 اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور ۲ دل میں نظر آتی تو ہے اک بندہ لو کی
 کیوں دیتے ہو عشاق کی بے وصلگی سے ۳ یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسی کی
 دشمن نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو ۴ خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی
 وید حیف ناکام کہ اک عمر سے غالب ۵ حسرت میں ہے ایک بت عریذہ جو کی
 شعر (۱۸۳۵) یعنی مجھے وہ زخم چائیں جس میں ٹانگے نہ لگ سکیں اور نہ ہی اچھے ہو سکیں۔

شعر (۳۴) لفظ تو نے جو دوسرے مہر عیاں ہے یہ معنی پیدا کر دیتے ہیں کہ آنکھ سے لہو ریتہ ریتے دل میں
 خون کا قطرہ بھی باقی نہیں رہا اسلئے درست کے سر انگشت حنائی کے تصور کو فطرت سمجھتا ہے کہ اس کی وجہ سے
 دل میں لہو کی ایک بوند تو نظر آتی ہے (یادگار غالب)

شعر (۳۵) مطلب ہے کہ اگر عشاق تنگ آکر میسر بنی سے تیری شکایت کر بھی بیٹھتے ہیں تو تجھے اس
 کی کیا فکر ہے کہ زکے بیاں (دنیا میں) کوئی ان کی فریاد سننے والا نہیں۔

شعر (۳۶) دستہ خنجر۔ گلو۔ گلا سے مراد معشوق کے تاز واد ہیں۔

شعر (۳۷) ناکام نامراد۔ عریذہ جو۔ (ڑا کا۔ مطلب ہے کہ افسوس ہماری تمام عمر ایک لمبھوق
 کے تناسف وصال اور حسرت میں ہو گزر گئی لیکن وہ ہمارے پاس نہ آیا۔

(۱۸۳۸) یہاں پشت گرمی آئینہ دے ہے ہم ۱ حیران کئے ہوئے ہیں دل بمقرر کے
 آغوش گل کشودہ برا سے ردا ع ہے ۲ اے عندلیب چل کہ چلے دن بہا کے

شعر (۱۸۳۹) پشت گرمی۔ پشت بانی۔ امداد۔ مطلب ہے کہ جس طرف کہ یارہ کی اعانت سے شیشہ آئینہ
 نہ تابتہ می درج میرے دل کی بمقراری نے مجھے آئینہ حیرت بنادیا ہے۔

شعر (۱۸۴) یوں رخصت ہونے کیلئے پھول آفوش کھوئے ہوئے ہیں سلٹے اے عبدلیب بس اب گھس
 سے چلنا چاہیے کہ بہار ختم ہونے پر ہے۔ فارسی میں یہ مضمون اس طرح لکھ گئے ہیں
 بروئے برگ گل ناقطرہ شبنم نہ پنداری بہار از حسرت فرصت بندگان میگزد لب
 (۱۸۵) ہے ہجر وصل عالم کیوں ضبط میں ۱ معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہیے
 اس لب کیل ہی جائیگا بوسہ بھی تو ہاں ۲ شوق فضول جرات زندانہ چاہیے
 شعر (۱۸۶) یعنی اگر معشوق بلحاظ قدر و منزلت غرور و ناز میں رہا اور خود کو ضبط عاشق نے یہاں
 بھی رعب حسن سے مرعوب ہو کر ضبط سے کام لیا تو ایسا وصل ایک طرح کا ہجری سمجھا جائے گا۔
 شعر (۱۸۷) شعر صاف ہے۔

(۱۸۶) چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے ۱ یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے
 صحبت نذاں سے واجب کھنڈر ۲ جائے تے اپنے کو کھینچا چاہیے
 جاننے کو تیر کیا سمجھا تھا دل ۳ بائے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے
 چاک مت کر حیب بے ایام گل ۴ کچھ ادھر کا بھی اشار چاہیے
 دوستی کا پردہ بے بیگانگی ۵ منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے
 دشمنی نے میری کھوینا غیر کو ۶ کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے
 اپنی سوتلی میں کیا چلتی ہے سعی ۷ بار ہی ہنگامہ آرا چاہیے
 منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید ۸ ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے
 غافل ان مہ طلعتوں کی واسطے ۹ چاہتے والا بھی اچھا چاہیے

چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسد
 آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

شعر (۱۱) اچھوں سے مراد حسین میں یعنی جس قدر محبت کرو حسینوں سے اور پھر اگر وہ بھی محبت کریں تو اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے۔

شعر (۱۲) خذر۔ پرہیز مطلب ہے کہ میکشوں اور رندوں کی محبت سے پرہیز کرنا چاہیے اور میکشی کی بجائے اپنے آپ کو کھینچنا یعنی کشیدہ رکھنا چاہیے۔

شعر (۱۳) ہمارے دل نے تمہارے عشق میں جھکا ہونا معمولی کام سمجھا تھا ذرا آپ سبکی اچھی طرح خبر لیں۔
شعر (۱۴) پھول کھلنے کو چاک گریبان سے عموماً تشبیہ بیجاتی ہے کہتا ہے ہر ایک کام نیچر کی ہدایت کرنا چاہیے پس جب تک پھول اپنا گریبان چاک کرے تو بھی گریبان چاک کر اس میں لطف یہ ہے کہ مجنوں کو ہمیشہ بار میں جوش جنوں زیادہ ہوتا ہے یادگار غالب

شعر (۱۵) تم جو اخفائے محبت کیلئے مجھ سے پردہ کہتے ہو لوگ اس میں شک کریں گے یعنی کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے کیونکہ پردہ اسی سے کیا جاتا ہے جس کچھ نگاہوں میں ستا سہی ہے کہ آپ ہم سے پردہ نہ کریں۔

شعر (۱۶) مطلب ہے کہ میرا رقیب میرا کس قدر دشمن ہے کہ اس نے میری عداوت کی وجہ سے اپنے آپ کو قباہ کر لیا ہے کیونکہ نہ وہ شکایتا میرے عشق سے میرا ذکر کرتا اور نہ ہی میرا عشق مجھے پرنا راض ہوتا۔
شعر (۱۷) مطلب ہے کہ صرف عشق ہی اپنے آپ کو رسوا کرنا چاہے تو ہو سکتا ہے ورنہ عاشق کی کوشش سے وہ رسوا نہیں ہو سکتا۔ یعنی اگر عشق ہر بان ہے تو پھر کون شکایت کر سکتا ہے۔

شعر (۱۸) یعنی ہماری تمام میدوں کا دار و مدار فقط اس بات پر ہے کہ صرف مرثیے بعد ہی ہر قسم کی تکلیف سے نجات ہو سکتی ہے۔

شعر (۱۹) بات تو ٹھیک سی ہے کہ حیفوں کا چلنے والا بھی حسین ہونا چاہیے۔

شعر (۲۰) یہ شعر بھی شرباۃ کی کڑی ہے۔

۱۱۱، ہر قدم دوری منزل ہے نہایا مجھ سے ۱ میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

دس عنوان تماشا بہ تغافل خوشتر ۲ ہے نگہ رشتہ شیرازہ مژگاں مجھ سے
 وحشت آتش دل سے شب تنہائی میں ۳ صورتِ رودر با سایہ گریزاں مجھ سے
 غم عشاق نہ ہو سادگی آمیز تباں ۴ کس قدر خانہ آئینہ پرویراں مجھ سے
 اثر آبلہ سے جادہ صحرائے جنوں ۵ صورتِ شہ کوہِ پیرے چراغاں مجھ سے
 بخودی بستر تمہید فراغت ہو جو ۶ پیرے سایہ کی طرح غیر اشتباں مجھ سے
 شوق دیدار میں گر تو مجھے گردن لائے ۷ ہونگے مثل گلِ نفع پریشاں مجھ سے
 مکیسی بائے شب ہجر کی حسرت ہے ۸ سایہ خورشید قیامت میں پھناں مجھ سے
 کہ نہ ساعر صد جلوہ رنگیں مجھ سے ۹ آئینہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے
 نگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد

۱۰۔ ہے چراغاں خرم خاشاک گلستاں مجھ سے

شخص (۱) مطلب ہے کہ جس قدر میں چلتا ہوں اسی قدر منزل مقصود مجھ سے دور ہوتی جا رہی ہے
 نہ بچن بھی سری دشیا نہ رفتار سے ڈر کر دور دور بھاگ رہا ہے بقول شخصے

بتاؤں کتنا محبت کا رستہ ہے طویل کہ جتنا طے کیا اتنا ہی اور اور دور ہوا
 شمعِ راز کا ظاہر ہے کہ رشتہ شیرازہ مژگاں غیر محسوس ہوتا ہے پس مطلب کھرا کہ کتابت رکھے یاد کا
 دریا بہ نہ استقامتِ محبوب و نیاز کا لطفِ حقیت میں کہ ہم اے دیکھیں در اسے ہم اے دیکھنے کا علم نہ ہو حسرت
 شمعِ راز (۲) دور۔ دھواں۔ گریزاں۔ بھانسنے والا۔ مطلب ہے کہ میری آتش دل کی وحشت سے دور
 کر شب تنہائی میں میرا سایہ بھی دھوئیں کی طرح بھاگتا ہے۔

شخص (۳) پہلے مصرعہ میں عا ہے یعنی خدا نہ کرے کہ عشاق کا غم حسینوں کی سادگی سکھائے اور ان زینت
 و آئینہ حیرانہ ایک سیر کرنے سے کس قدر آئینہ خانہ ویران ہو گیا آداب میں جلوہ حسن کھائی نہیں دیا اور

میرے سوگ میں جیتوں نے آئینہ دیکھنا اور نب و کرنا چھوڑ دیا ہے۔ (نظم)

شعر (۱۵) ابیو میرے صحرائے جنوں کا راستہ میرے پاؤں کے چھالوں کے نقوش سے موتیوں کی لڑی کی طرح چمک چمک کر چراغاں کا عالم دکھا رہا ہے۔

شعر (۱۶) یعنی میں اپنی بچہ کی کیونکہ بچہ بستان میں رام کر رہا ہو خدا کے بچہ کی بھی بستر استراحت نصیب ہو
شعر (۱۷) گردن ہائے قتل کرے مطلب ہے کہ جس طرح گل شمع کاٹنے سے اور زیادہ شمع روشن ہو جاتی ہے
اور اس کی روشنی پھیل جاتی ہے اسی طرح اگر میری گردن کاٹ بھی دی جائے تو اس کے بعد بھی تیر شوق وید میں
میری نگاہیں بے نور نہ ہوں گی۔

شعر (۱۸) انسوؤں، انسوؤں میں اپنے بھائے فراق کی بیکسی اور وحشت کا کیا ذکر کر دے ان تار بیکہ ان
کے خوف سے میرا سایہ بھی مجھ سے ایسا بھاگا ہے کہ آفتاب تیا کی روشنی میں بھی وہ نظر نہیں آتا قبول شخصے
سہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے کہ تار بیکہ میں سایہ بھی جدار ہوتا ہے انسان سے

شعر (۱۹) ثابت ہے کہ تیر حلوہ بنگین اس محفل میں گردشِ ساغر کا کام کر رہا ہے اور میرا دیدہ حیراں آئینہ کا۔

شعر (۲۰) ابیو میری نگاہ گرم ہے فحشستان میں آگ لگادی۔ بچوں کا سُرخ ہونا آگ سے مشابہ ہے۔

(۱۸۸۱) کہہ دیجئے غمِ دل اسکو شائے نہ بنے ۱ کیا بنے بات جہاں بات نہا کے نہ بنے

میں بلانا تھا ہوں اسکو مگر اسے جذبہ دل ۲ اسے بچائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

کھیل سمجھا ہو کہیں رنہ ڈے بھول نہ جائے ۳ کاش توں بھی ہو کہ بن میرے تھائے نہ بنے

غیر بھیرتا ہے لہو یوں ترے خط کو کہ اگر ۴ کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ چھپے

اس نزکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا ۵ ہاتھ آؤں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے ۶ پردہ چھوڑا ہے اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ ہے ۷ تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلا کے نہ بنے

بوجہ وہ سرگرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے ۸ کام وہ آن پڑا ہے کہ بتائے نہ بنے
 عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش عذاب
 کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

شعر (۱۱) مرزا صفحہ فرماتے ہیں کہ چونکہ میر عشق بہت بڑا نکتہ چیں واقع ہوا ہے یعنی ہر بات پر اعتراض
 کر دیا کرتا ہے اسلئے میں اپنا ماجرا سے درد و غم سے سنائیں سکتا۔ بھلا وہاں میری کامیابی کی کیا صورت
 ہو سکتی ہے کہ جہاں میری کوئی بات بھی صحیح تسلیم نہ کی جائے۔

شعر (۱۲) ماشاء اللہ نہایت ہی پاکیزہ شعر ہے جس کی داد نہیں دی جاسکتی۔ مطلب ہے کہ اے
 جذبہ دل میری بھی تو یہی خواہش ہے کہ وہ فوراً چلا آئے لیکن تو بھی تو اپنی کوئی خاموشی نہ رکھا بقول شخصہ
 اکے دل میں بھی تیری طرح تڑپ پیدا ہو جذبہ دل میں تو جادو کا اثر پیدا کر

شعر (۱۳) چونکہ اس میرے شاعر کو ایک تفریح طبع یا کھیل سمجھ رکھا ہے مجھے فکر ہے کہ اس کھیل سے اس کی
 طبیعت اکتانہ جائے اور وہ اس کھیل کو چھوڑ نہ دے میری تو یہی تمنا کہ وہ میرے شاعر کو گرہ بن جائے اور بغیر میرے چین آئے
 شعر (۱۴) مرزا صفحہ ایک عجیب طریقہ سے اپنے عشق اور رقیب کی خط و کتابت بند کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ بھی

بتا دیا ہے کہ میں بھی تیری خط و کتابت کا علم ہو گیا ہے مطلب ہے کہ رقیب میری سوائی کا کوئی خیال نہیں یعنی تیرے
 خط کو وہ اس طرح کھلم کھلائے پھرتا ہے کہ اگر کوئی پوچھ بیٹھے تو اسے بھجورنا بتانا پڑے کہ یہ فلاں معشوق کا خط ہے
 شعر (۱۵) ہاتھ آویں یعنی ہمارے قبضہ میں آجاویں۔ مطلب ہے کہ ہمارا معشوق ایسا ناز و نین اور ناز و کبدن

ہے کہ اگر وہ ہمارے پاس بھی آجائے تو ہم اسے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ مبادا کلاں ٹوٹ جائے یا کمر دہری ہو جائے۔
 شعر (۱۶) یہ بلوغ و بہار۔ آفتاب و آفتاب، زمین و آسمان میں جکی جلوہ گری ہے اسے کوئی نہیں سکتا
 اس نے رنگارنگی اور کثرت کا ایسا پردہ چھوڑا ہے کہ وہ کسی کے اٹھائے نہیں اٹھ سکتا۔

شعر (۱۷) کہتے ہیں ت کی راہ کیوں دیکھوں کہ وہ بغیر آئے نہ رہیگی۔ یہ مجھ سے نہ ہو گا کہ تم سے

کہوں کہ تم نہ آؤ۔ پھر مجھ سے باتے بھی نہ بن پڑے یعنی آپ ہی آنے کو منع کروں تو پھر کس منہ سے بلاؤں اظہار
اس طرف ہے کہ تمہارے نہ آنے سے موت کا آنا بہتر ہے۔

شعر (۸) مطلب صاف ہے۔

شعر (۹) مطلب ہے کہ سے فاقہ یہ وہ آگ ہے کہ کسی لگنے نہیں لگتی اور کسی کچھلنے میں نہیں جیتی یعنی نہ
تذیر دیتی کسی کے کئے پر کوئی عیب کا عاشق ہو سکتا ہے نہ نہ ہی کسی کے کئے سے عشق سے باز آ سکتا ہے۔
(۱۸۹) چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عریانی کرے ۱ صبح کے مانند زخم دل گریبانی کرے
جلوہ کا تیرے عالم ہے کہ گریجے خیال ۲ دیدہ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے
شکستن سے بھی دل امید یاب کب تک ۳ آجینہ کوہ پر عرض گرس جانی کرے
میکدہ گر چشم مست ناز سے پائے شکست ۴ موئے شیشہ دیدہ ساغر کی مڑگانی کرے
خط عارض سر لکھا زلف کو الفت عہد ۵ یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے
شعر (۱۱) یعنی اگر عریانی کی حالت میں میر وحشت گریبانی چاک ناپے کہ یہ صبح کی طرح میر زخم دل بنایا
شعر (۱۲) یعنی تیرے جلوہ وہ عالم ہے کہ دیکھنا تو ایک طر صورت خیال کرنے سے بھی میر دل کو سخت حیرانی ہوتی ہے۔
شعر (۱۳) آجینہ۔ کاغذ۔ شیشہ شراب، کہ سے مراد محشوق نگدل ہے مطلب ہے کہ ہمارا دل شکستی
سے بھی ناامید ہو گیا ہے یعنی ہم تو چاہتے ہیں کہ وہ ہماری دل شکستی کرے لیکن وہ اب ایسا بھی نہیں کرتا اسے
خدا ہم کب تک اس کو وہ وقار محشوق سے عرض کرتے رہیں گے کہ ہم سخت جان واقع ہو گئے ہیں۔

شعر (۱۴) موئے شیشہ۔ عروا شیشہ کو ٹھیس لگنے سے جو خط شکستی آتا ہے اسے بال کہتے ہیں مطلب
ہے کہ لگڑ میکدہ اس کی چشم مست ناز سے شکست کھائے و شیشوں میں جو بال پڑے ہیں وہ بھی دیدہ ساغر کو حیران
کر دیں گے کیونکہ یہ بال ایک نگاہ مست کے اثر سے پڑے ہیں۔

شعر (۱۵) ایک قلم منظور یعنی میں منظور ہے فقہ قلم کے استعمال کے یہ نایت بھی مقصود ہے کہ خسار

بھی دونوں طرف نہیں ہوتی ہیں مطلب ہے کہ معشوق کے رخسار پر جو خطر نکل آیا ہے وہ دراصل ایک عمدہ
 ہے جو کہ میری الفت نے اسکی زلف کو لکھا ہے کہ جو کچھ میری حق میں پریشانی کہے مجھے منظور ہے (قافیہ)
 (۱۹۰) وہ آگے خواب میں تسکین اضطراب دے ۱۔ وے مجھے تپش دل مجال خواب تو دے
 کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا دینا ۲۔ تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے
 دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہم کو ۳۔ نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جو اب دے
 پلائے اوک ساتی جو ہم سے نفرت ہے ۴۔ پیالہ گر نہیں دتیا نہ دے شراب تو دے
 اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
 کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

شعر (۱۹۱) مطلب ہے کہ شاید وہ خواب ہی میں کہہ دل بقرار کو نسکین دے لیکن یہی دلی بقرار مجھے سنے بھی نہیں دیتی
 شعر (۱۹۲) مطلب ہے کہ تیرا ہواٹ رونا بھی مجھے قتل کئے ڈالتا ہے تیرے آنسوؤں کا پانی تیغ نگاہ کے
 لئے آبداری کا کام دیتا ہے۔

شعر (۱۹۳) یعنی اگر تو بوسہ دینا نہیں چاہتا تو نہ سہی انکار ہی کر دے تاکہ ہمارا کام تمام ہو جائے یعنی
 مر جائیں جس کے لئے تیرے لب ہلانا ہی کافی ہیں۔

شعر (۱۹۴) اوک چلو۔ اگر ساتی کو یہ خیال ہے کہ پیالہ میں شراب پلانے سے پیالہ ناپاک ہو جٹ گا تو
 نہ سہی ہم چلو سے ہی پی لیں گے لیکن وہ شراب تو دے۔

شعر (۱۹۵) شرف صاف ہے۔

(۱۹۱) تپش میری قف کشمکش ہزار بستر ہے ۱۔ مرا سرج بالیں ہے مرا تن بار بستر ہے
 مرا شک بھر ادا دہ نور العین امن ہے ۲۔ دل بیتہ ویا افتادہ میں خود دار بستر ہے
 خوشا اقبال بخوری عیادت کو تم آئے ہو ۳۔ فریغ سنج بالیں طالع بیدار بستر ہے

طیوفاں گاہ جوش اضطراب شام تنہائی ۴ شمع آفتاب صبح محشر تار بستر ہے
 ابھی تپتی ہے بوبالش سے اسکی زلف مشکیں کی ۵ ہماری دید کو خواب زلیخا غار بستر ہے
 کہوں کیا دلی کیا حالت ہے ہجر یار میں غائب
 کہ بیتیانی سے ہر اک تار بستر غار بستر ہے

شعر (۱) میر تپتی ہے بستر کا ہر ایک زلف میں میر میر کیلئے بوجیا یاد اور میر بستر کیلئے عذاب ہے
 شعر (۲) فور العین مجازا فرزند میر صبر ادا دہ۔ آوارہ۔ بیدست و پا افتادہ۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر پڑ رہنے
 والا نظم صفا فرماتے ہیں کہ آنسو دامن کی آنکھ کا تارا اور دل بستر مرض کا مرادوں والا ہے یعنی آنسو ہمیشہ دامن
 میں رہتا ہے اور دل بیمار کو بستر پر پڑے رہنے سے انس ہو گیا ہے۔

شعر (۳) بیمار کے سر ہانے عموماً شمع جلائی جاتی ہے مطلب ہے کہ میر بیماری کا بڑا اچھا نصیب ہے کہ ہم بیمار
 بیمار برسی کے لئے آئے ہوا وہ مجھ بیمار کا نصیب بھی سر ہانے رکھی ہوئی شمع کی طرح روشن ہو گیا ہے۔

شعر (۴) یعنی میری شام تنہائی میں یہ جوش اضطراب طوفاں آیا ہوا کہ میرا تار بستر شمع آفتاب بن گیا ہے
 شعر (۵) بالمش۔ یکہ مطلب ہے کہ ابھی تک اس حکم سے اس کے گیسوئے مشکیں کی بوبالش ہے کہ جس پر
 میر کہہ کر وہ شبصال میں سویا تھا اور ہمارا ذوق دیدار اس کو اپنی ہتک سمجھتا ہے کہ وہ زلیخا کی طرح خواب
 میں اپنے عشق کو دیکھے۔

شعر (۶) شو صاف ہے۔

شعر (۷) خطر ہے رشتہ الفت گ گردن نہو جائے ۱ غرور دوستی آفت ہے تو دشمن نہو جائے
 سمجھیں فصل میں کوتاہی نشو و نما غالب ۲ اگر گل سرو کے قامت پہ پیر من نہو جائے
 شعر (۸) رگ گردن۔ غرور۔ سرکش۔ مطلب ہے کہ یہ رشتہ الفت جو مجھ میں اور تجھ میں کمال کو پہنچ گیا ہے
 رگ گردن نہ بن جائے اور میرے اس غرور پر تو مجھ سے ناراض ہو کر میری گردن ہی نہ کاٹ دے۔

شعر (۲) یعنی ایک اگر فصل گل میں اس قدر پھول نہ آئیں کہ سرو کو ڈھانپ لیں اور اس کا پیرا من نہ بن جائیں تو اس سے کھینا جائیے گا ایک فصل گل خاطر خواہ نہیں ہوئی۔

(۱۹۳) فریاد کی کوئی گئی نہیں ہے ۱ نالہ یا بند نے نہیں ہے
کیوں جوتے ہیں باغبان تو نبی ۲ گر باغ گد لئے نہیں ہے
ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے ۳ پر تجھ سے تو کوئی شے نہیں ہے
ہاں کھائیو مت فریب ہستی ۴ ہر چند کہ ہے نہیں ہے
شادی سے گزر کہ غم نہ ہووے ۵ ادی جو نہ توئے نہیں ہے
کیوں رد و قدح کرے بے ابد ۶ ہے یہ گل کی قے نہیں ہے
ہستی سے نہ کچھ عدم ہے غالب
آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

شعر (۱) یہ شعر سہل متع ہے ہر شخص کو یہ بات معلوم ہے کہ نالہ لکھی نے (بانسری) کا پابند نہیں بنایا اور فریاد کی کوئی نے نہیں ہوتی اسلئے اس کا کوئی بھی ذکر نہیں کرتا لیکن شاعر نے اسے لکھیں الفاظ میں ادا کر کے بھولی ہوئی بات یاد دلادی۔ ان واقعات سے مرزا کا دیوان بھر اچھا ہے۔

شعر (۲) مرزا نے فرماتے ہیں کہ اگر باغ شراب کی بھی کٹنگے والا نہیں تو باغبان باغ میں تو نبی کیوں ہوتے ہیں واضح ہے کہ تو نبیوں کی شکل گدائی بھی بنتا ہے اور انہیں تو نبیوں میں شراب بھی رکھی جاتی ہے۔
شعر (۳) اگرچہ تو ہر ایک شے میں ہے مگر عالم جہانی میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جو تجھ سے مشابہ ہو ہر ایک شے میں تیرا ظہور ہے اور جب کبھرا۔ با عسا و ربے ہم۔

شعر (۴) ہستی مخلوق۔ موجودات ہرگز در حموکانہ کھانا کوئی آکھ کھائے کہ تو لیکن تو بھی سمجھ کر نہیں ہے۔
شعر (۵) رنج انسان کو اسلئے ہوتا ہے کہ وہ خوشی و مسرت کے مقابلہ کرتا ہے مثلاً ہم کو خزاں اسلئے غم مڑتا

ہے کہ ہم بہار سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں اس لئے کہتے ہیں کہ تم شادی سے قطع نظر کرو تو پھر غم نہیں ہو سکتا۔
 اردو (بہار کا حسینہ) نہ ہو گا تو دے (خزاں کا حسینہ) نہیں ہو سکتا۔

اور ہی (بہار کا مقصد) نہ ہوگا تو اسے (مرا لہا ہینہ) میں ہرگز
شعرا (۱) اس کی تے یعنی شہدہ زائد جو شہدینے کو موجب ثواب سمجھتا ہے اور شراب نفرت کرتا، اسکو
شراب کی ترغیب دیتا ہے اور یہ جانتا ہو کہ نفرت کی چیز شراب نہیں ہے بلکہ وہ چیز ہے جو نگس کے قے سے چال ہوتی ہے
شعرا (۲) یہ نہ ہستی کوئی چیز ہے نہ عدم کوئی شے ہے تو پھر اسے جناب نہیں ہے صاحب آخر تو کیا ہے۔ از
راہ شوخی مدلیف غزل کو نام نہایا گیا ہے۔

۱۱۴) نہ پوچھو نسخہ مرہم جراحت دل کا ۱ کہ اس میں ریزہ الماس جزو اعظم ہے
 بہت دلوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی ۲ وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے
 شکر (۱) الماس، ہیلز ہیلز و چنے جوشیے تک کو کاٹ دیتا ہے پھر بھلا وہ خم میں اور سنگ کیوں
 نہ کر گیا مطلب ہے کہ میرے زخم دل کے مرہم کا نسخہ آپ کیا پوچھتے ہیں اس میں جزو اعظم تو الماس ہے
 الماس کا یہ مضمون نفی پہلے لکھ چکا ہے ۔

نوشدارو نے محبت و مہربانی سے اجزا کہ چیت سودہ الماس در زہر ہلاہل می کنند

صفحہ ۱۲ بہت دنوں کے بعد تیرے تغافل نے یہ بات پیدا کی ہے کہ اب تو ہم کو نگاہ غلط انداز سے دیکھ لیتا ہے اگرچہ یہ نگاہ نگاہ نہیں کہی جاسکتی۔ اس شعر میں لفظ نگہ کو لفظ نگاہ سے کم نہایا گیا ہے کیونکہ نگاہ میں ہنر نہیں ہوتا اور نگاہ میں ایک الف ہوتا ہے۔

(۱۹۵) ہم رشک کو بھی اپنے گوارا نہیں کرتے ۱۔ مرتے ہیں مگر اس کی تمنا نہیں کرتے
درپردہ انہیں غیر سے بے ربط نہانی ۲۔ ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں ہے
یہ باعثِ نو میدی اربابِ بس ہے ۳۔ غالب کو بُرا کہتے ہو چچا نہیں کرتے
شعر (۱) یہ شعر کاہم معنی ہے دیکھا قسمت آپ اپنے بہ شک آجائے ہے
میں سے دیکھو لیلہ کب میر سے دیکھی جلتی ہے

شعر (۲) چونکہ وہ غیر سے پردہ نہیں کرتے اس لیے پتہ چلتا ہے کہ انہیں غیر سے در پردہ پوشیدہ ربط و تعلق ہے اور بظاہر اپنی بے تعلقی کو چھپانے کے لیے پردہ کرنا غیر سے چھوڑ دیا ہے۔

شعر (۳) جب جھوٹے عاشقوں کے سامنے تم غالب جیسے عاشق صادق کو بُرا کہتے ہو تو اس کے منہ سے جھوٹے عاشق شکستہ خاطر ہو جائینگے اور وہ خیال کریں گے کہ جب غالب کی یہ گت ختمی ہے تو ہمارا کیا ہوگا؟
 (۱۹۶) کہے ہے بادہ نرے لب کب تک فروغ ۱ خطہ پیالہ سراسر نگاہ گلچیں ہے
 کبھی تو اس ل شوریہ کی بھی داد ملے ۲ کہ ایک عمر سے حسرت پرست بالیں ہے
 بجا ہے گردنہ سنے نالہ ہائے بلبل زار ۳ کہ گوش گل نم شبنم سے پنبہ آگیں ہے
 اسد ہے نزع میں چل بیوفا برائے خدا ۴ مقام ترک حجاب و دواع تمکیں ہے
 شعر (۱) مطلب ہے کہ شراب تیرے لبوں کی سُرخیاں سے رنگ و رونی حاصل کر رہی ہے اور خط پیالہ نگاہ گلچیں ہے جو اس کب زنگ کا تماشا دیکھ رہی ہے۔

شعر (۲) یعنی تمام عمر ہی اس حسرت میں گزر گئی کہ کبھی تو ہم اور تم ایک تکیہ پر بیٹھ کر موشی
 شعر (۳) اگر بلبل بیمار کھٹکے پھول نہیں سنتے تو صحیح بات یہ کہونکہ گوش گل میں شبنم کی دلی بھری ہے
 شعر (۴) اے بیوفا اس وقت تو غالب کو چل کر دیکھ آ کیونکہ وہ حالت نزع میں ہے اور یہ حالت ہے کہ اس موقع پر مشرم و حجاب اور غرور و ناز نہیں کرنا چاہیے۔

(۱۹۶) کیونکہ چشمِ تنہاں جو تغافل کیونہو ۱ یعنی اس بیمار کو نظارہ سے پرہیز ہے
 مرنے مرنے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی ۲ وائے ناکامی کہ اس فکر کا خیر تیرے
 غرض گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد ۳ جو شش فصل بہاری شتیاق انگیز ہے
 شعر (۱) چونکہ شاعر چشمِ محبوب کی اسکی مستی کی وجہ چشمِ بیمار کہا کرتے ہیں اسلئے مرزا صافرتے ہیں۔
 کہ وہ اس لئے ہماری طرف نہیں دیکھتے کہ چشمِ بیمار کا پرہیز یہ ہے کہ وہ ہماری طرف نہ دیکھے۔

شعشعر (۲) افسوس ہے کہ میرے قاتل کا خنجر بہت تیز ہے اور وہ ایک آن میں میرا گلا کاٹ دیا اور سے
جی بھر کر دیکھنے کی حسرت میرے دل ہی میں رہ جائیگی۔

شعشعر (۳) رض۔ چہرہ۔ چونکہ گلاب پھول کو چہرہ تسلیم ہی جاتی ہے اس لئے مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ پھول
کو دیکھ کر مجھے معنوق کا رخ نہ لگے یاد آگیا اور موسم بہار کا جوش پر موزا بھی میرے لئے اشتیاق دیدار کا باعث ہے۔

- (۱۹۸) دیا میری دل اگر اسکو بشار ہے کیا کیئے ۱ ہوا اور قیامت ہو۔ نامہ بر ہے کیا کیئے
یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے ۲ قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کیئے
ہے ہیوں کہ وہیگے دوست کو اب ۳ اگر نہ کیئے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کیئے
نہے کر شمع کہ لوں ذکر کھا ہے ہم کو فریب ۴ کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کیئے
سنجھ کے کہتے ہیں بازار میں وہ پریش حال ۵ کہ یہ کہے کہ سیر رکھ دے کیا کیئے
تمہیں نہیں ہے سرشتہ وفا کا خیال ۶ ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کیئے
انہیں سوال یہ زعم جنوں کیا لڑیئے ۷ ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کیئے
حد سنارے کمال سخن ہے کیا کیئے ۸ ستم بہائے متاع ہنر ہے کیا کیئے

کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں مگر

۴۔ سوائے اس کے کہ آشفقہ سر ہے کیا کیئے

شعشعر (۱) مطلب ہے کہ گز نامہ بڑے دیکھ کر عاشق ہو گیا ہے تو کیا کیا ہے میرے معنوق کا سخن ہی
میا ہے کہ جو اس کو دیکھ بقیلے وہ عاشق ہو ہی جاتا ہے اور نامہ بر بھی تو آخر ہماری طرح بشری ہے۔
شعشعر (۲) یوں تو موت ایک ایک ن ضرورتاً لگی مگر ہم چاہتے تھے کہ آج شب فراق کے صدموں کے
جو تم رنگ آئے ہوئے ہیں آج ہی موت آ جائے مگر اسے نہ رہے کہ ہمیں ترسا ترسا کر اور ترس پاتا ترس پاتا کہ ہلاک
کر لگی بس اندازہ لگاؤ کہ ہمیں قضا سے کس قدر شکایت ہے۔

شعر (۱۳) مطلب ہے کہ رقیب وقت بے وقت ہمیشہ کو چہ یار میں ہی پھرتا نظر آتا ہے۔ اگر ایسی حالت میں ہم معشوق کے گھر کو دشمن کا گھر تصور نہ کریں تو کیا کہیں۔

شعر (۱۴) ارشمہ آنکھ کا اشارہ مطلب ہے کہ اس کے کرشمے نے مجھے یہ ہوکا دیا کہ میں اسے اپنا حال دل بیان نہ کر سکوں اور میں اسی دھوکے میں ہوں کہ اسے میرا حال پہلے ہی سب کچھ معلوم ہے۔

شعر (۱۵) مطلب صاف ہے۔ معشوق کی عیاری ظاہر کی ہے۔

شعر (۱۶) مرزا حسن معشوق سے پوچھتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں کیا ہے اور بطف کی بات یہ ہے کہ مصرعہ اولیٰ میں بتا بھی دیا ہے کہ ہمارے ہاتھ میں سر رشتہ و فاپے جو تھامے ہائیں نہیں یعنی تم سو فاپو۔ شعر (۱۷) مطلب ہے کہ میں کوئی سوال کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ یوازہ ہے اتنی باتیں ان کی بات

کا کیا جواب دوں معشوق سے لڑنا ٹھیک نہیں لیکن وہ ٹھیک بھی تو کہہ رہے ہیں عاشق دیرانہ ہی تو ہوتا ہے۔

شعر (۱۸) مرزا حسن اپنی ناقہ روانی کی تمکایت کر رہے ہیں۔ نوتانے میں کہ میرے کمال سخن کی سزا مجھے یہ دی جا رہی ہے کہ لوگ مجھ سے حسد کر رہے ہیں اور میرے متاع ہمنر کی قیمت یہ ہے کہ زمانہ مجھ پر ستم کر رہا ہے اب بتائیے کہ کیا کیجئے اور کیا کہیئے؟ اس مضمون کو عربی نے بھی خوب ادا کیا ہے۔

ازین باغیر غیرت و کب ہمنر کن باجخت خود عداوت ہفت آسماں مجاہ

شعر (۱۹) یعنی غائب بُرا تو ضرور ہے لیکن اس میں برائی صرف یہی ہے کہ وہ آشفقہ دماغ ہے۔
 (۱۹۹) دیکھ کر در پردہ گرم دامن نشانی مجھے ۱ کر گئی و اب تہ تن میری عربانی مجھے
 بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگِ فساں ۲ مرجہا میں کیا مبارک ہو گراں جانی مجھے
 کیونو بے اتفاقی اسکی خاطر جمع ہے ۳ جانتا ہے مجھ پر ستم شائے پنہانی مجھے
 میر غم خانے کی قیمت جب تم ہونے لگی ۴ لکھ دیا بھلا اسباب ویرانی مجھے
 بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے ۵ اس قدر ذوق لائے مرغِ ستانی مجھے

وائے وال بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا ۶ لیگیا تھا گوری میں وقت تن آسانی مجھے
 وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے ۷ تم تے کیوں پی بے میر گھر کی ربانی مجھے
 ہاں نشاط آمد فصل بہاری واہ وا ۸ پھر ہوا ہے تازہ سوائے غر خوانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی

4 - میرزا یوسف ہے غالب یوسف ثانی مجھے

شعر (۱) دامن نشانی۔ دامن جھاڑنا۔ مجازاً دنیا سے قطع تعلق کرنا مطلب ہے کہ دنیا سے قطع تعلق کرنے
 کی کوشش کرنا محض بیکار ہے کیونکہ دامن افشانی کے بعد بھی جسم کے لئے لباس کا تعلق رکھنا پڑتا ہے۔

شعر (۲) سنگ نساں۔ سنا مطلب ہے کہ میں یسا سخت جان واقع ہوا ہوں کہ تیغ نگاہ یار فار پیار

پڑے ہیں لیکن پھر بھی زندہ ہو جس طرح کہ سان پر تلوار کو کتنا ہی رگڑو وہ نہیں کٹتی۔ دو کمر مصرعہ میں از راہ
 طرک کہا ہے کہ آفرین ہے کہ مجھ کو میری سخت جانی بہت ہی مبارک ہو کہ تیغ نگاہ یار کا سنگ نساں مجھے بنا دیا

شعر (۳) پریشاں ہے پنہانی رہ پریش جو علانیہ نہ ہو بلکہ در پردہ ہو مطلب ہے کہ معشوق چونکہ اس
 خیال بھٹاں ہے کہ عاشق پرستھا پنہانی کی وجہ خوش ہے اسلئے وہ اپنی بے اتفاقی میں بخیر مند ہے۔

شعر (۴) غم خانہ یعنی مرزا غالب کا گھر مطلب ہے کہ کاتب تقدیر نے جب میری خانہ ویرانی کی کیفیت
 لکھی تو منجملہ اسباب ویرانی مرزا صاحب کا نام بھی لکھ دیا۔

شعر (۵) مطلب ہے کہ میں نعمت ہائے بلبل کے سننے کا جو شائق ہوں تو میرا معشوق مجھ سے بدگماں کہ اس
 معشوق کی کوش آواز کے مقابل میں بلبل کی آواز پر بھی عاشق ہو گا اسلئے مجھے خوش آوازی کا شوق نہ ہوتا۔

شعر (۶) یعنی میں تو اس لئے موت اختیار کی تھی کہ گوشہ قبر میں آرام سے پڑے ہونگے لیکن افسوس کہ
 جو مجھ نے وہاں بھی آرام سے نہ رہنے دیا۔

شعر (۷) سبحان اللہ بالکل نیا خیال اور نیا مضمون ہے جسے آج تک کسی شاعر نے چھوٹا کم نہیں ہوا

روادہ کی کیا تدبیر لگالی ہے اور نئی قسم کی درباری کا ثبوت دیا ہے۔

شعر (۸) یعنی اسے آدھ دوسم بار کی خوشی تیرے کیا کہنے ہیں میرا سونے غزلخانی پھر تازہ ہو گیا ہے۔

شعر (۹) اتنی صفائے ہمت ہیں کہ مرزا غالب کے بھائی مرزا ایف تیس برس تک دلوں سے اور زمانہ غدر میں مذہب بکسی کے عالم میں اتھال کیا۔ گویا بقول غالب ان کو از سر نو زندگی حاصل ہوئی۔

لیکن بظاہر الفاظ سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ ان کو بیماری سے صحت حاصل ہوئی۔

(۲۰۰) یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یار بجے ۱۔ سچے زائد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے

۲۔ کھٹا طلسم قفل ابجد خانہ نکبت مجھے

۳۔ رشک ساکش ہے زندانیوں کی ب مجھے

طبع ہے مشتاق لذت ہائے محبت کیا کروں ہم آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھے

دل لگا کر آں بھی غالب مجھی سے ہو گئے

عشق سے آئے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

شعر (۱۱) طباطبائی صاف فرماتے ہیں کہ یارب کے معنی ناری محو ہے میں ہائی دینے کے میں در سچے زائد سے وہ

ذکر خفی مراد ہے جو چپکے چپکے ہونٹوں پر کہتے ہیں کہتے ہیں شادی میں بھی مجھ سے شور یارب نہیں بھولا، میر خندہ زیر لب

گو یازد کا ذکر خفی ہے۔ لیکن ہم عرض کرتے ہیں کہ اہل تصوف کے اصطلاح میں ذکر خفی اس کو کہتے ہیں جو منہ نہ

کرے بلکہ زبان تالو سے لگا کر دل سے ذکر کیا جائے جبرت ہو کہ طباطبائی صاحب ایک ہی بات کو ذکر خفی بھی کہتے

ہیں اور شور یارب بھی اور پھر لفظ ہنگامہ کے معنی ہیں وقت جمع محض کے۔

شعر (۲) میں نے طلسم قفل سجد سے ایک ہی سبق پڑھا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح اس کا کھٹا لفظ مقررہ

کے بننے پر موقوف ہے یا بالفاظ دیگر جس طرح کہ اس کا وہاں نادر رہن بھی ہر کسی طرح میر طاهر وابستہ کا کھٹا نادر رہن

سنجھ ہے صحت حاصل یہ کہ صرف شعر گوئی سے ہی میری طبیعت کو شگفتگی حاصل ہوئی ہے (قاضی)

شعر (۳۴) یا اٹلی اس پریشانی کا بھی کوئی علاج ہے کہ قیدیوں کی آسائش پر مجھے رشک آ رہا ہے یعنی وہ آرام سے جیسے ہیں اور میں مارا مارا صحراب صحراب پھر رہا ہوں۔

شعر (۳۵) یعنی میری طبیعت ہمیشہ حسرتوں اور ناکامیوں سے لذت اندوز ہونے کی مشاق رہتی ہے اس لئے ہر آرزو سے میری یہ مراد ہوتی ہے کہ میری کوئی آرزو پوری نہ ہو۔

شعر (۳۶) میرزا ضیاء حسین مرزا غالب دوسرے لوگوں کو دل لگانے اور عشق بازی سے منع کیا کرتے تھے لیکن اب خود کسی کو دل لٹے بیٹھے اور دوسرے لوگوں کی طرح خود بھی عاشق ہو گئے۔

۱۔ ۱۲ جنوری ۱۸۵۷ء میں اس سخن کی آزمائش ہے ۱۔ چمن میں شش نوا بیان چمن کی آزمائش ہے
۲۔ جہاں ہم ہیں ہاں آرزوین کی آزمائش ہے
۳۔ ہنوز اس تختہ سے نیرنگ تن کی آزمائش ہے
۴۔ اسے تو صحت کے لئے پیر من کی آزمائش ہے
۵۔ شکست جبرائیل انجمن کی آزمائش ہے
۶۔ غرض شہت بہت ناک و فلک کی آزمائش ہے
۷۔ وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے
۸۔ مگر پھر تاب لے لے پر سکون کی آزمائش ہے
۹۔ ابھی تو تلخی کام و دین کی آزمائش ہے

وہ اپنے گھر وعدہ کیسا دیکھتا غالب

۱۰۔ نئے فتنوں میں اب چرخ کمن کی آزمائش ہے

شعر (۳۷) مطلب صاف ہے اور کسی درباری مشاعرہ کی غزل ہے۔

شعر (۳۸) دارہ سولی۔ سن۔ تہی مجازاً پچانسی بھلہ ہے کہ ہمارا امتحان فرما دو مجھوں کے زیادہ کھنہ ہے

یہ دونوں عاشق تو قد و گیسو کی محبت میں مبتلا ہیں لیکن ہمیں تو دیکھنے کا مقابلہ میں سولی پر چڑھایا جاتا ہے اور گیسو کے مقابلہ میں پچاسی کا پھندا ہے۔

شعر (۳) نیر و منی زور و قوت مطلب ہے کہ ابھی تو صرف فریاد کی قوت جہانی کی آزمائش ہے کہ پہاڑ کاٹ کر بجے شیر کال لاؤ لیکن عشق میں ثابت قدم رہنے کا امتحان تو ابھی باقی ہے کہ جب ایک بڑھیا فریاد کر شیر کے مرنے کی خبر کر سنا لگی اور وہ تیشہ مار کر مرجائے گا اور محبت ہار دے گا۔

شعر (۴) پیر کنول مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں مطلب ہے کہ ہوائے میسر جو حضرت یوسف علیہ السلام کے پیرن کی خوشبو بیکر آئی ہے تو اس کے نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ یوسف کے باپ کی خوشخبری کر رہی ہے نہیں بلکہ اس کا مطلب ہے کہ وہ یعقوب علیہ السلام کا امتحان ہے کہ اس کو کان پر کیا اثر ہوتا ہے؟

شعر (۵) دیکھو خبردار ہو جاؤ۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ پھر نہ لکنا کہ اس نے فحلت میں ہمیں مار ڈالا یعنی آج وہ غارتگر ہوش و حواس محفل میں آ رہا ہے جسے اب صبر و قرار کا امتحان ہوگا۔

شعر (۶) مطلب ہے کہ اگر ہم اسے تیر انداز کا تیروں میں پیوست ہو جائے تو بھی اچھا ہے اور اگر جنگ کے پار ہو جائے تو بھی اچھا ہے۔ ہمیں تو اس کے کمال نشانہ بازی کا امتحان منظور ہے۔

شعر (۷) مطلب ہے کہ نہ تو کچھ شیخ کی تبع میں رکھا ہے اور نہ برہمن جلیوں میں یعنی نہ تو نسیم چلائے گا

مغرب الٹی ہے اور نہ زمار بچنے والا بلکہ یہ تو ایک وفاداری کی آزمائش ہے کہ ان کو اس میں لگا رکھا ہے۔

شعر (۸) مطلب ہے کہ اے وابستہ دامن لطف دل تو اپنے سے کیا فائدہ رازم سے پڑا رہنے اس نے نکلنے کی کئی دندہ کوششیں کیں مگر نہ نکل سکا۔ کیا اب جو پھر پئے ہے تو طاقت زلف کی آزمائش کرنے لگا ہے

شعر (۹) غم عشق کا زہر ہے مقابلہ کیا ہے یعنی جس طرح زہر تباہ میں حرف زبان حلق میں اتر کر تاکہ اور بعد میں تمام جسم میں سمیٹ کر کے ہلاک کر ڈالتا ہے اسی طرح زہر عشق کا کام ہے۔

شعر (۱۰) مطلب ہے کہ انہوں نے جو میسر گھر آنے کا وعدہ کیا ہے اور بیٹھے صبح مان لیا ہے یہ میری خام خیال ہے کیونکہ اس نے وعدہ ایسا کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو آسمان ایک نیا نقشہ برپا کرنے والا ہے۔

(۲۰۲) کہی ہوئی بھی ہے جی میں آجائے مجھ سے ۱ جفا میں کہے اپنی یاد شرم جائے مجھ سے
 خدایا جذبہ دل کی مگر تاشب الٹی ہے ۲ کہ جتنا کہتی تھی اتنا کھینچتا جائے مجھ سے
 وہ بدخوا اور میری داستان عشق طولانی ۳ عبارت مختصر قاصد بھی شرم جائے مجھ سے
 ادھر وہ بدگمانی ہے ادھر نہ توفانی ہے ۴ نہ پوچھا جائے مجھ سے نہ بولا جائے مجھ سے
 سنبھلنے دے مجھے نامیک کی قیامت ہے ۵ کہ دامن خیال یار چھوٹا جائے مجھ سے
 تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن ۶ وہ دیکھا جائے کہ ظلم دیکھا جائے مجھ سے
 ہٹے ہیں پاؤں ہی پہلے بند عشق میں خمی ۷ نہ بھاگا جائے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے مجھ سے
 قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب
 وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے مجھ سے

شعر (۱) لایا ہے اگر بھی اسکے دل میں مہربان ہوئے کا خیال بھی ناہی تو وہ اپنے منہ عالم یاد کے محبوب جاتا ہو
 شعر (۲) مگر معنی شاید مطلب صاف ہی یعنی محبت کرتا ہوں وہ کثیدہ خاطر ہوتا ہے۔
 شعر (۳) مطلب ہے کہ جب قاصد تک میر طویل پیغام سکر گھبرا جاتا ہے تو میر معنی تو ہے ہی بد
 درند فراج۔ وہ بھلا کب اتنی طویل داستان سنے گا۔

شعر (۴) مطلب صاف ہے یعنی نہ تو وہ میری بدگمانی کی وجہ میری محبت کا ماں پوچھ سکتا ہے اور نہ
 ہی میں ضعف و ناتوانی کے باعث حقیقت حال بیان کر سکتا ہوں۔

شعر (۵) مطلب ہے کہ انتہائے ناامیدی کی حالت میں بے اختیار یہ منہ سے نکلا ہے کہ اے ناامیدی
 دیکھ مجھے، تنہا پاؤں نہ کر کہ خیال یار کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹ جائے۔

شعر (۶) یعنی اگر میں اسے دیکھنے والاں میں بھی شریک ہو جاؤں تو میر سے یہ بھی تکلیف دہ ہے
 نیز کہ میں مارے رشک کے یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ میر سے غیر بھی دیکھ سکیں۔

شعر (۷) اس شعر میں جہانی کیفیت کی تمثیل محو شائستگی سے کی ہوئی ہے کہ وہ قوی جن عشق کے ترک کرنے یا اس کے شداؤ پر تجھ کو نیکی قدرت بھی اتنے عشق میں بند کر سکے پنچاویں نب عشق ترک ہو سکتا ہے اور نہ اس پر دہش ہو سکتا ہے۔ میدان عشق میں کس ہو جانے کی یہ مثال دیا ہے (یادگار غالب) کئی صدمے طریق عشق میں کج گئے ہیں تجھے تو پاؤں لگتے پہلی ہی منزل میں بھا ہے

شعر (۸) اس شعر میں مرزا صاحب نے انتہائی غیرت و ثابت کاشون دیا ہے یعنی خدا کا بند گناہوں سے فراتے ہیں اے غالب یہ کیا قیامت ہو کہ جس معشوق کو سفر کے موقع پر سپرد خدا کرنا بھی گوارا نہ کرنا کھانا وہاں رقیب کے ساتھ ہم سفر ہوتا ہے۔

(۲۰۳) زبکاء عشق تماشا جنوں علامت ہے ۱ کشاد و بست مثرہ سلی ندامت ہے
 نہ جانوں کیونکہ مٹے داغ طعن بد عہدی ۲ تجھے کہ آئینہ بھی ورطہ ملامت ہے
 یہ سچ قیاب تمسک عافیت مت توڑ ۳ نگاہ عجز سر رشتہ سلامت ہے
 وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد ۴ جنوں ساختہ و نص کل قیامت ہے

شعر (۱) سلی، طمانچہ مطلب ہے کہ دنیا کے لوہو و لعب اور سیر و تماشہ میں اپنا وقت صرف کرتا ہوا ہے
 کی علامت ہے اور بیکوں کا ٹھکانا اور بند ہونا ایک طرح سے سلی شرم و ندامت ہے۔ غالباً مرزا صاحب نے یہ مضمون مرزا بیدل کے ان شعروں سے اخذ کیا ہے۔

دیدہ را کہ بہ نظارہ در محرم نیست مثرہ برہم زدن اور دست ندامت کم فیت
 تم است اگر ہوت کشد کہ بہ سیر سر و سخن در را تو ز غنچہ کم نہ دیدہ در دل کشا بچن در را

شعر (۲) ورطہ۔ جائے ہلاکت، اگر داب مطلب ہے کہ تیرے دامن عزت پر سے بد عہدی کے طعن کا داغ کس طرح مٹے گا۔ تیرے لئے تو آئینہ بھی ورطہ ملامت ہے۔

شعر (۳) سک، لڑی، عافیت، سائیش و دلجمعی مطلب ہے کہ عافیت کی لڑی کو بوس کے نیچے

مے کر نہ ٹوڑا۔ اگر سلامتی جاسنا ہے تو عاجزی اور قناعت سے بسر کر۔

شعر (۳۸) : سام شادین سکی شرع ہی فرماتے ہیں کہ معشوق تو وفا کیلئے آمادہ ہو سکتا ہے لیکن قیاب و غوی عشق جیسا
ہے نفی ہمارے جو بنوں کو لیکن کوئی دیوانہ نظر نہیں آتا کہ خوش جنوں کا ثبوت کتنے ہیں یہ اس شعر میں قیاب پر چوتھا
سمجھ میں نہیں تاکہ اس میں قیاب کی یہ مصیبت ہے شاعری اپنے جنوں کا ثبوت دیتا ہے۔

(۳۹) لاغر آتشا ہو کہ گر تو نیرم میں جاوے مجھے ۱ میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلاوے مجھے
کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آجائے حم ۲ واں تلک کوئی کسی جیلے سے پہچانے مجھے
نہ نہ دکھلاو نہ دکھلا پیر بہ انداز عتاب ۳ کھیل کر پردہ را آنکھیں بھی دکھلاوے مجھے
تک یاں میری گرفتاری وہ خوش ہے کہ میں ۴ زلف گر خجاؤں تو شائے میں آنجاوے مجھے
شعر (۴۰) : مطاب ہے کہ تیر عشق میں مقدر لاغر و نحیف نہ رہو کہ اگر تو اپنی محفل میں مجھے بیٹھنے کیلئے جگہ
تو اس اسبات کا ذمہ نیا بنوں کہ کوئی مجھے دیکھ کر ہرگز یہ نہیں سکنا کہ یہاں کوئی غیر شخص بیٹھا ہے۔

شعر (۴۱) : مطلب مناسب ہے۔

شعر (۴۲) : معشوق کہ حجاب کرے گی اچھی تدبیر کا ہے کہ کھلا دے یعنی پناہ عرصہ ہی قہر پر ظاہر کرے۔
شعر (۴۳) : مطلب صاف ہے۔

(۴۴) : ماریہ اطفال ہے نیا مے آگے ۱ ہوتا ہے شب روز تماشا مے آگے
اک کھیل ہے روز نک سلیمان مرزدیک ۲ اک بات ہے اعجاز میسما مے آگے
جز نام نہیں رت عالم مجھے منظور ۳ جز وہم نہیں سہی اشیا مے آگے
ہوتا نہ لگد میں صحر امرے ہوتے ۴ گھستا ہے جیس خاک پیریا مے آگے
مت پو کہ کیا حال ہے میرا سے پیچھے ۵ تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مے آگے
سچ کہتے خود ہیں خوراز ہوں کیوں ہوں ۶ بیٹھا ہوں بت آئینہ سہا مے آگے

پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار ۷ رکھ دے کوئی پیمانہ و صہبامے آگے
 نفرت کا گماں کنے میں شک ہو گزرا ۸ کیونکہ کہوں نام نہ ان کا سرے آگے
 ایسا مجھے روکے ہو تو کھینچے ہو مجھے کفر ۹ کعبہ مرے پیچھے کلیسا مرے آگے
 عاشق ہوں معشوق فریبی ہے مرا کام ۱۰ مجنوں کو برا کہتی ہے یعلیٰ مرے آگے
 خوش ہونے میں پرہیز میں یوں مر نہیں جا ۱۱ آئی شب ہجران کی تنہا مرے آگے
 سے میا جزن اک قازم خوں کاش ہی ہو ۱۲ آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے
 گویا نفع تو جنہیں نہیں آنکھوں میں دم ہے ۱۳ بسنے دوا بھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے اپنا
 ۱۴۔ غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

شعر (۱۱) باز کچھ اطفال۔ بچوں کا کہیں مطلب صاف ہے۔

شعر (۱۲) درنگ تخت اپنی میری نظر میں تخت سیماں ایک کھیل سے زیادہ وقت نہیں کھتا اور حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام جو تم کہہ کر مرے زندہ کیا کرتے تھے میں اسے بھی ایک بات سمجھتا ہوں یعنی ناجیز بات۔

شعر (۱۳) یعنی یہ جو دنیا کی صورت نظر آرہی ہے یہ صرف اعتباری نام ہے اسکی حقیقت کوئی نہیں
 درو جو را شاید محض وہم ہی وہم ہے۔

شعر (۱۴) یعنی میری مہر افروزی اور اشکباری کے مقابلہ میں صہبہ اور دریا کوئی ہستی نہیں رکھتے۔
 شعر (۱۵) یعنی تو یہ کیوں بوجھتا ہے کہ میری عدم موجودگی میں تیرا کیا حال ہو رہا ہے جس کو سوچو یہی دیکھو
 کہ جو تیرا میرے ساتھ ہوا ہو مرنے پر میرا رشتہ کئے تو سخت بیقرار اور بچپن کتاب ہے کہ کب ٹھہرے گا جاں

شعر (۱۶) یہاں پستانی، یعنی تم جو مجھے خور آ رہی و خود بینی کا الزام لگا رہے ہو تو یہ واقعی صحیح ہے و میرا خود میں
 ہر ملاحظہ پر مبنی ہے نہ کہ میں تیرے جیسے بیٹہ سیما عاشق ہوں اگر خود میں خود رہوں تو محض تیری وجہ سے ہوں

شعر (۸۷) یعنی اگر کوئی میرے سامنے ساغر و شراب کھائے اور ایک جام اڑاؤں اور داغ میں رنگینی پیدا ہو تو بھر دیکھئے کہ میرے منہ سے مضامین و اشعار کے پھول جھڑتے ہیں۔

شعر (۸۸) یعنی میں تو ازراہ غیرت لوگوں کو اس کا نام لینے سے منع کرتا ہوں لیکن دھوکا یہ ہوتا ہے کہ میں اس سے نفرت کرتا ہوں اس لئے اب میں نے رشک کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔

شعر (۸۹) یعنی میں عجب شکش میں مبتلا ہوں کہ ادھر تو ایمان مجھے اس بت کافر کے پاس جانے سے دکتا ہے اور ادھر اس بت کافر کا عشق مجھے کھینچ رہا ہے کہ آ اور معشوق کے قدموں پر اگر سر رکھ دے تو گویا کتبہ مجھے پیچھے سے کھینچ رہا ہے اور کافر آگے سے۔

شعر (۹۰) مطلب ہے کہ میں ایسا چالاک اور عیار عاشق ہوں کہ معشوق بھی دھوکا کھا جاتے ہیں کہ اس بڑھ کر سچا عاشق ہی دنیا میں نہیں گذرے حتیٰ کہ سلی بھی میرے مقابلہ میں مجذوب کو ذلیل سمجھتی ہے۔

شعر (۹۱) یعنی شب فراق میں جو مجھے یہ دعا کی تھی کہ یا، نبی اگر مجھے مارنا ہی چاہتا ہو تو وصل کی رات میں موت نصیب ہو شب فراق میں مرنا تو بہت برا ہے پس وہ بول بول ہوا میرے آگے آیا اور مجھے شادی مرگ نصیب ہوئی۔

شعر (۹۲) یعنی تیرے دل میں ایک دریائے خون موجزن ہے کاش سی دیا مجھے باکر لیجئے اور میری جیبوں کا خاتمہ بوجئے لیکن ایسا ہونا نظر نہیں آتا۔ بنیاں معلوم ابھی کیا کیا ٹونڈیں دیکھنے نصیب ہیں میں۔

شعر (۹۳) مطلب ہے ہر مرزا صاحب کے گماں صفائی سے اپنی حرص بادہ نوشی کا انصرار کیا ہے۔

شعر (۹۴) اتنا ضیضا فرماتے ہیں کہ مرزا غالب کی ذوق مرحوم سے ہمیشہ چٹک ہتی تھی۔ اکثر انداز میں ان پر چٹ کر جاتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس شعر میں بھی درپردہ انہیں پر صاف ہو جیسے ایک شعر پہلے گزر چکا ہے۔

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھسے سے اتراتا

۱۔ ۲۰۴) کہو جو حال تو کتنے موملہ کا کیئے

نہ کہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کیئے

۲۔ مجھے تو خوف ہے کہ جو کچھ کہو بجا کیئے

وہ بیشتر می پر دل نہیں جب تر جائے ۳ رنگاہ ناز و پھریوں نہ آشت کیے
 نہیں ذریعہ راحت جراثیم پر کیاں ۴ وہ زخم تنگ ہے جس کو کہ دکشا کیے
 جو مدعی بنے اس کے نہ مدعو بنیے ۵ جو ناسترا کیے اس کو نہ ناسترا کیے
 کہیں حقیقت جانکا ہی مرض لکھے ۶ نہیں مصیبت ناسازی دوا کیے
 کبھی شکایت رنج گراں نہیں نیچے ۷ کہیں حکایت صبر گریز پا کیے
 بے نہ جان تو قاتل کو خونہا دیے ۸ کئے زبان تو خنجر کو مرہب کیے
 نہیں انگار کو الفت نہ ہونگار تو پت ۹ روانی روش و مستی ادا کیے
 نہیں بیمار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے ۱۰ طراوت چمن و خوبی ہوا کیے

سفینہ جیب کہ کنارہ پہ آگاہ غالب

۱۱ خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کیے

شعر (۱) مطلب صاف ہے۔ مستوق کے تجاہل عارفانہ کا چربہ اُٹا رہا ہے۔

شعر (۲) مطلب ہے کہ میری تو عادت ہو گئی ہے کہ کئی ہر ایک بات پر خواہ صحیح ہو یا غلط سب جھٹکے یا
 کرتا ہوں کہ بجائے پس جب اپنے یہ کہا کہ ہم تم گریں؟ تو میں حسبِ طاعت کہہ دیا کہ بجا ہے پھر آئینہ میں کیوں ہوتے
 ہیں اپنے آپ کی بات کو کاٹا تو بہر اُمّی بات تم گریں گئے ہو تو آئینہ ذرا سوچ کر مُنہ سے بات نکال کر بس
 سوچ کر مُنہ سے نکالو بات بھر کھتاؤ گے نوٹ کر آتا نہیں ہے تیر چل جانے کے بعد

شعر (۳) بیشتر نسترِ دل میں اتر جائے یعنی دل نشین ہو جائے یہ صحیح ہے کہ رنگاہ یا رنسر کی طرح زخم
 کرتی ہے لیکن جب وہ دل نشین ہو جائے اور دل خود ہی اسے پسند کرے تو کیوں نہ اسے مجھوینا چھا جائے۔

شعر (۴) مطابقت ہے کہ جو کوئی دشمنی کرے اسے دشمنی نہ کیجے اور جو نہیں بُرا کہے اسے بُرا نہ کہو۔

شعر (۵) یعنی صرف تیر کے زخم سے میری نیکیں نہیں ٹوٹے گی۔ وہ تو تلوار ہی کا زخم نہیں ہے جس سے

دلکشانی حاصل ہوتی ہے بعضی گمراہ ختم آتا ہے۔

شعر (۶ و ۷) بس ہماری تو اسی طرح بسر ہو رہی ہے کہ کسی کو اپنی بیماری کا حال لکھ رہے ہیں۔ کسی کے مددگار کے نام و اتالی آئے کا حال بیان کر رہے ہیں کہیں اپنے انتہائی رنج و الم کا اظہار کر رہے ہیں اور کہیں اپنی بے صبری کی کہانی بیان کر رہے ہیں۔

شعر (۸) ماشاء اللہ یہ بھی چھوٹا مضمون ہے مطلب ہے کہ اگر قتل ہو جاؤ تو اٹنا خود ہی قاتل کو خونبھا یعنی خون کی قیمت دو (حالا) نکہ خونبھا قاتل کو دنیا لازم ہے اور اگر زبان کٹے تو تیزی بخبر کی تعریف کرو۔

شعر (۹) مطلب ہے کہ جب یا شخص کو معشوقہ محبوب تسلیم کر لیا تو پھر اس کی عادات و منطالم کی شکایت نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کے نقش و نگار اور حسن و جمال کی تعریف کرنی چاہیے۔

شعر (۱۰) یہ شعر بھی شعر بالا کی کڑی ہے۔

شعر (۱۱) کشتی میں سوار ہو کر دریا کے پار اترنا خطرناک راستہ ہے نا خدا یعنی کشتی بان نے کشتی کو ایک کھلیفہ چنچالی ناجائز فائدہ اٹھایا۔ شکر ہے کہ کشتی کو اسے پر لگی۔ مرزا صاحب طبیعت فرماتے ہیں کہ جان بچی لاکھوں بٹے اب خدا کی شکایت کرنا مناسب نہیں۔ جو مٹا سو ہٹا۔

(۲۰۷) روئے سے اور عشق میں بدیاک ہو گئے ۱ دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے
سرنہ بٹے سے ہوئے آلات سے کشتی ۲ تھے یوں ہی و حساب سویوں پاک ہو گئے
سیرے دہر گو ہوئے آوری سے ہم ۳ باسے طبیعتوں کے تو جہاں پاک ہو گئے
بنتا سے کون نہ لے بلبل کو بے اثر ۴ پرے میں لاکھ گل کے جگہ پاک ہو گئے
لو جیسے ہے کیا وجود و عدم ال شوق کا ۵ آپ اپنی آگ کے حسن و خاشاک ہو گئے
کرتے گئے تختے سے سے تغافل کا ہر کلمہ ۶ کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
سے رنگ سے گل اس اٹھائی اس کی بخش ۷ دشمن بھی حیرا کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

شعر (۱) ادا دھویا جانا، بے شرم و بدیاک ہونا۔ پاک آواز۔ شہدا۔ مطلب ہے کہ جتنا کہ آنکھوں سے آنسو نکلے تھے تو ایساں کا پاس لحاظ تھا کہ عشق کا راز کسی پر ظاہر ہونے پائے۔ مگر جب نا ضبط نہ ہو سکا اور ہر وقت آنسو جاری ہونے لگے تو اختلافے راز عشق کا خیال جاتا رہا اور ایسے بے شرم و بیجا ہو گئے (یادگار غالب)

شعر (۲) آلات میکشی کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ شراب کھینچنے کا سامان یا شراب پینے کا سامان مثلاً ساغر و مینا وغیرہ مطلب ہے کہ ہم آواز و فطرت تھے لیکن دونوں بھی ساتھ تھیں ایک یہ کہ شراباں میں جب میں نہیں دوسرے آلات میکشی کی حفاظت کون کرے یہی مناسب سمجھا کہ آلات میکشی کی قیمت وصول کرو اور پھر اسی قیمت سے شراب پیو اس طرح دونوں ٹکروں سے نجات ہو گئی۔

شعر (۳) مطلب صاف ہے۔
شعر (۴) مطلب ہے کہ بس ہی ناہ پر اثر سے گلوں کے جگر چاک ہوئے ہیں جنہیں لوگ پھولوں کا سفتہ ہونا کہتے ہیں
شعر (۵) مطلب ہے کہ جس طرح خس و خاشاک آگ میں جلا کر آگ ہو جاتی ہے اور اسے پھر نہ موجود کہتے ہیں اور نہ معدوم۔ اسی طرح آتش شوق فنا میں جلنے والے عشاق کا حال ہے۔

شعر (۶) شاید حقیقی کا جو معاملہ عشاق کے ساتھ ہوا اسکو تغافل کیا اور عشاق معاملہ کو نگاہ کیا تعبیر کیا ہے پس شاعر کا مطلب ہے کہ ہم نے اسکو تغافل سے رنگ آکر شکایت کی تھی اور اسکی توجہ کے خواستگار ہوئے تھے جب اس نے توجہ کی تو ایک ہی نگاہ میں ہم کو خاک کر دیا۔ (یادگار غالب)

شعر (۷) یعنی ایسی محفل و مغموم صورت بنا کر اس نے اسکی لاش اٹھائی کہ دشمن بھی یہ نظارہ دیکھ کر ابد بد ہوا گئے
(۲۸) نشہ یا شاداب رنگ ساز ہست طر ۱ شیشہ سے سرو و سبز جو بہار لغتہ ہے
ہمنشین کہ کہہ کہ بر ہم کر نہ نرم عیش ست ۲ وال تو میرے نالے کو بھی اعتبار لغتہ ہے
شعر (۱) جو بہار۔ نہ مطلب ہے کہ محفل محبوب میں یہاں سرور و رنگ خود نشہ اس کے رنگ شاداب ہیں اور ساز و آواز ہے یہ بھی نشہ طرک مست ہیں اور شیشہ جو بہار لغتہ کا سرور بنا ساز کو تار کو بھی طرک مست ہیں اور طرک مستی خوشی جو ہیں

شعر (۲) یعنی اودست تیرا یہ خیال غلط ہے کہ میں اپنی آہ و فغاں بزم یا سکائیش خراب کر رہا ہوں یہاں میرے نالوں سے بھی وہ فتنہ مسرت کا کام لیتے ہیں۔

(۲۰۹) عرض ناز شوخی ندان بڑے خندہ ہے ۱ دعویٰ جمعیت احباب جائے خندہ ہے
 سے عدم میں غنچہ محو عبرت انجام گل ۲ یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے
 کلفت افسردگی کو عیش بتیابی حرام ۳ ورنہ دندان بدل افشردن بڑے خندہ ہے
 سوزش باطن کے ہیں احباب منکر ورنیاں ۴ دل محیط گریہ لب آشنائے خندہ ہے
 شعر (۱) مطلب ہے کہ ہنسی کیوت دانت اپنی شوخی ناز کا اظہار کرتے ہیں راہبان دندان کو چونکہ جمعیت احباب شرارتیہ دیا کرتے ہیں اسلئے مرزا جانا فرماتے ہیں کہ ذیل کے دوستوں کی جمعیت جائے خندہ ہے۔
 شعر (۲) یعنی غنچہ ہنوز عدم میں ہے مگر انجام گل کی عبرت پر حیرت میں ہے۔ یک جہاں زانو تامل سے مراد فکر بے حد مطلب ہے کہ اس کا بھی وہی انجام ہوگا جو دوسرے پھولوں کا ہوا۔

شعر (۳) دندان بدل افشردن اصائب تکلیف اٹھانا مطلب ہے کہ ہم افسردگی سے مجبور ہیں جس کے ذریعہ ہم عیش بتیابی حرام سے رنہ اپنے دل کو زخمی کرنا اور ثون بینا یہ تو عین غمش کی جگہ ہے اور پھر فخر کرنا چاہیے
 شعر (۴) محیط کے معنی گھیرنے والے کے ہیں لیکن یہاں مجازاً دریا کے محیط کے معنوں میں استعمال ہوا ہے آشنائے کے معنی جاننے والے کے ہیں لیکن پیر کے معنوں میں آتما و دوس میں ریا کی مناسبت مضمر ہے مطلب ہے کہ احباب میری سوزش باطن کے قائل نہیں اور یہ اس لئے کہ ہونٹوں پر ہنسی ہے اور آنکھوں کے آنسو جاری ہیں یعنی وہ سمجھتے ہیں کہ اس کا دل تو بھر گریہ ہے پھر سوزش کہاں؟

(۲۱۰) حسن بے پردا خریدار متاع جلوہ ہے ۱ آئینہ زانوئے فکر اختراع جلوہ ہے
 تا کجا اے گلی رنگ تماشا باختن ۲ چشم و اگر ویدہ آغوش داغ جلوہ ہے
 شعر (۱) مطلب ہے کہ بیک پر دہی اپنے جلوہ کی نمود کا خواہشمند ہو گیا ہے ورنہ اس جذبہ جلوہ گری کا

زانوسے فکر آئینہ تیار ہوا ہے۔

شعر (۲) مطابقت ہے کہ جلوہ عالم بے ثبات ہے اسکی مدت قیام ایک چشم زدن سے زیادہ نہیں گویا
تماشے کیلئے آنکھ کا کھنڈا اسکے رخصت کرنے کیلئے آغوش وداع کے کشادہ کرنے کے ہم معنی ہے۔
(۲۱۱) جنتک بان زخم نہ پیدا کرے کوئی ۱ مشکل کہ تجھ سے راہ سخن واکرے کوئی
عالم غبار و حشت جنوں سے سرسیر ۲ کب تک خیال طرہ لیٹے کرے کوئی
افسردگی نہیں طرب انشاء التفات ۳ ہاں رو بنگے دل میں مگر جا کرے کوئی
رونے سے لے ندیم ملا مت نہ کر مجھے ۴ آخر بھی تو عقدہ دل واکرے کوئی
جاگ جگر سے جب ہر شمس نہ واہوئی ۵ کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی
لخت جگر سے ہر گہر خار شلخ گل ۶ ناچند باغبانی تمھرا کرے کوئی !
ناکافی نگاہ ہے برق نظارہ سوز ۷ تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
ہر رنگ و خشت ہے صدف گو شہر گشت ۸ نقصان نہیں جنوں پر جو سودا کرے کوئی
سر برہوئی نہ وعدہ صبر آزما سے عمر ۹ فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی
ہے و حشت طبیعت ایجاب دیاس خیر ۱۰ یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی
بیکاری جنوں کو ہے سر چینی کا شعل ۱۱ جب تھ لٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی
حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد
۱۲ پہلے دل گداخت پیدا کرے کوئی

شعر (۱) صوفیہ کی اصطلاح میں محاورت اور فرقت (یعنی عید و معبود درمیان گفتگو ہونا) دو مرتبہ ہیں
کابلین اور عرفان کو حاصل ہونے میں کتنا ہی کہ شاید حقیقی کیا کہ اس معمولی لب و لہجہ گفتگو نہیں مل سکتی بلکہ اسکے
لئے دہان زخم پیدا کرنا چاہیے یعنی جنتک میں تیغ عشق سے مجروح نہ ہو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا زیادہ کا زنا ب

شعر (۳) مینے تمام عالم و حشر مجھوں کا غبار ہے سب سے پہلے کیت تک خیال کرتے رہیں مطلب ہے کہ کائنات ایک ہو کا ہے ہم کب تک معشوق حقیقی کی جلد نہ گری سمجھتے رہیں۔

شعر (۴) صرف افسردہ ہو کر رہ جانے سے کوئی معشوق کے انتفات کی خوشی پیدا نہیں کر سکتا ہاں کوئی سراپا درون جائے تو اس کے دل میں جگہ پانا ممکن ہے۔

شعر (۵) مطلب صاف ہے۔ عقارہ۔ گرہ۔ وا۔ کھلنا۔

شعر (۶) صاحب جگر تک نفی کر کے چلانے سے تو اسے ہمیں پوچھنا ایک نہیں تو وحشت میں آکر جیے گریبان کی دھجیاں اڑائیں گے تو وہ کب پوچھے گا۔

شعر (۷) میر جگر کے ٹکڑے ہر خاں پر اچھے ہو گئے ہیں اس لحاظ سے ہر خاں شاخ گل بنا ہوا ہے اب کب تک ہم اس جنگل کے باغ کی باغبانی کرتے رہیں؟

شعر (۸) مینے تجھ کو ہرگز کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ تیرے دیکھنے کیلئے ہمارے ہاں مٹی بقی تیار ہے زکاکام وہی ہیں

شعر (۹) جنوں کا سودا اپنے سر لینے میں کوئی نقصان نہیں اسلئے کہ جو اینٹ اور پتھر عاشق کے سر پر مار جاتے ہیں وہ بمنزلہ صدف ہیں کہ جن میں سے ترکست سر کے موتی نکلتے ہیں۔

شعر (۱۰) یعنی تمام عمر تو وعدہ صبر زما کے انتظار میں کٹ گئی پھر دوبارہ تیرے ملنے کی آرزو کب کرتے

شعر (۱۱) ایجاد کی طبیعت میں جو وحشت ہے وہ یاس انگیر ہے یعنی ہم وحشی لوگ یاس کو ایجاد کرتے ہیں اور اس طرح گویا یاس ہونے پر مجبور ہیں۔ (حسرت)

شعر (۱۲) مطلب ہے کہ بھارت و حشر جنوں پر کار بیٹھے تھے تو طبیعت میں بھی وہی پیدا ہوتی ہے آخر کوئی مثل جیسے ناچار جب منہ کو اتار تو سر پرٹ لیا کرتے ہیں لیکن جب پیٹنے پیتے ہاتھ پائی تھیں تو پھر کیا کریں

شعر (۱۳) غائبانہ زمانے میں شعر میں بھی اپنے کسی معاصر پر جو بڑی کی ہے کہ جب تک ٹل میں سوز

رنگ نہ پیدا نہ ہو شاعری کو فروغ حاصل ہو یا شکل ہے۔

- (۷۱۲) ابن مریم ہوا کرے کوئی ۱ میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
 شرع و آئین پر مدار سہی ۲ ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
 چال جیسے کڑی کمان کا تیر ۳ دل میں ایسے کہ جا کرے کوئی
 بات پرواں زبان کھتی ہے ۴ وہ کیس اور سنا کرے کوئی
 بکے ہاتھ جوڑوں میں کیا کیا کچھ ۵ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
 نہ سُنو گر بُرا کہے کوئی ۶ نہ کہو گر بُرا کرے کوئی
 روک لو گر غلط چلے کوئی ۷ بخش دو گر خطا کرے کوئی
 کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند ۸ کس کی حاجت روا کرے کوئی
 کیا کیا خضر نے سکندر سے ۹ اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
 کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

شعر (۱) یعنی اگر سچ ابن مریم ہی کیونٹ ہوں جو مرے زندہ کیا کرتے تھے لیکن گروہ میری بیماری
 کا علاج نہیں کر سکتے تو میرے کس کام میں انہیں کیا سمجھوں؟

شعر (۲) یعنی شرع و قانون تو اس شخص کو سزا دیا جاسکتی ہے جو کسی کو کسی ملکہ وغیرہ قتل کرے لیکن ایسے
 قاتل پر کوئی کیا گرفت کرے کہ جو ہاتھ نہیں نہ لگائے اور بغیر تلوار وغیرہ کے صرف ناز و غمرہ سے قتل کر دے۔

شعر (۳) یعنی ایسے شخص کے دل میں کون جاگہ پاسکتا ہے جو تیر کی طرح پاس گزر جاتا ہے اور بات کرنے کا

موقع نہیں دیتا

شعر (۴) مطلب صاف ہے۔

شعر (۵) مطلب ہے کہ مرزا صاحب کچھ تصدیق اور حقیقت کی باتیں کہہ گئے اور زبان پر پردہ ڈالنے

کے لئے کہتے ہیں کہ یہ تو مجھ کو نمانہ، اور مجھ کو بانہ بڑھتی۔

شعر (۸۹۵۹۶) مطلب صاف ہے۔

شعر (۹۱) مطلب ہے کہ جب خضر جیسا رہتا سکندر کو آب حیات تک بھی لے گیا لیکن سکندر کی قیمت میں آب حیات یتیمانہ لکھا تھا تو پھر کسی اور کی رہنمائی کسی کے کیا کام آسکتی ہے؟

شعر (۱۰۱) یعنی جب کسی شخص سے تعلقات ہی منقطع ہو گئے اور اس سے کسی قسم کی امید ہی باقی نہ رہی تو پھر اس کا تذکرہ و شکایت بھی بیکار ہے۔

(۱۱۳) بہت سی غم گیتی شراب کم کیا ہے ۱ غلام ساقی کو ترہموں مچھکو غم کیا ہے

تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے ۲ رقیب پر ہے اگر لطف دوستم کیا ہے

کئے تو شب کہیں گئے تو سانپ لکھا وے ۳ کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بہ خم کیا ہے

لکھا کرے کوئی احکام طالع مولود ۴ کسے خبر ہے کہ واں جنبش قائم کیا ہے

نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا ۵ خدا کیوں اسٹے ایسے کی پھر قسم کیا ہے

وہ داد و دید گر انما یہ شرط ہی ممد ۶ وگرنہ ہر ساماں و جام جم کیا ہے

سخن میں خامۂ نمال کی آتش انسانی

یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب ان میں دم کیا ہے

شعر (۱۱) گیتی، دنیا، ساقی کو ترہم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، مطلب ہے کہ اگر ہم کو دنیا جنت

نہ لگے ہوئے ہیں تو کوئی غم کی بات نہیں کہ غلط کرنے کیلئے شراب کیا تھوڑی ہے یہ بھی تو بہت ہے۔ اب

رہا آخرت کا غم تو اس خم کو غلط کرنے کیلئے ساقی کو ترہم دینگے۔

شعر (۱۲) یعنی رقیب پر تمہارا لطف و کرم کرنا بھی تو ہمارے لئے ایک تتم ہے۔

شعر (۱۳) یعنی سبکی زلف کا خیال ایک جدائی کی شب دراز ہے جو کائے کشتی نہیں ورکشتی بھی تو اس

طرح کہ جیسے کوئی نہ کہیں کہ کاش کھائے تو وہ مار گزیدہ تمام رات تڑپ تڑپ کے کائے اس شعر میں شب و زلف اور

سناپ اور کاسے کی رہائشیں خوب ہیں۔

شعر (۴) : یعنی اگر کوئی بخوبی جوتنی کسی پیدا ہوئیو اے بچے کے طالع و نصیب کیسے دل خوش کن کیوں نہ لکھ دے لیکن اسے ہرگز ہرگز معلوم نہیں کہ کاتب تقدیر نے اس کی قیمت میں کیا لکھا ہے۔

شعر (۵) : یعنی جو شخص کسی مذہب و ملت کا ہی پیرو نہ ہو اور نہ ہی روز قیامت کا فائل تو پھر کیا شخص اگر خدا کی قسم کھائے تو اس کا اعتبار ہی کیا ہے؟

شعر (۶) : دردِ دل انصاف بخش و عطا دیدہ دیکھنا۔ اگر تعالیٰ بہت بڑی پونجی و اصل چیز مطلب ہے کہ سلطنت و حکومت کیلئے عدل انصاف اور بخشش و عطا شرط اصلی ہے اور بادشاہ کیلئے اہل و عیال اور اہل نظر و نظر بہت بڑی دولت اور سرمایہ ہر روز نہ ہر سیدمان اور جام جمشید بادشاہی سرمایہ نہیں اور انکی کوئی ہستی نہیں۔ مندرجہ بالا اشعار نمبر ۳، ۴، ۵، ۶، بقول جناب قاضی حنا پڑنے دیوانوں میں نہیں پائے جاتے اور سبھی میں مرزا نے ایک خط میں میلانا علانی کو تاکید کی ہے کہ ان کو حق حاشیہ کر دیا جائے اسے ہم ان کا اضافہ کر دیا ہے۔ لیکن چونکہ قاضی حنا نے ان کی کوئی شرح نہیں لکھی خیر جو کچھ ہمارے فہم و دانش میں آئے انہی شرح لکھ دی ہے۔ شعر (۷) : یعنی شاعری میں غالب کے قلم کی آتش افشانی کا ہمیں یقین ہے مگر اصیادت زمانہ سے وہ عاجز آ گیا ہے اور خاموش پڑا رہتا ہے۔

(۲۱۴) باغ پاکِ خفقانی یہ ڈراتا ہی مجھے ۱ سایہ شاخِ گلِ افعی نظر آتا ہے مجھے
جو ہر تیغ بہ سرِ شمشیر دیکر معلوم ۲ ہوں میں، بے زہر کہ زہرِ بگاتا ہی مجھے
مدعا محو تماشاے شکستِ دل ہے ۳ آئینہ خانہ میں کوئی لئے جاتا ہی مجھے
نالہ سرائیہ یک عالم و عالم کفِ خاک ۴ آسماں ہفتہ قمری نظر آتا ہے مجھے
زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھاتے تھے ۵ دیکھو اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہی مجھے
شعر (۱) : افعی، سناپ مطلب ہے کہ میں باغ میں تامل تو باغ بھی ایک خفقانی دہی سمجھ کر ڈانے لگ جاتا

ہے یعنی ہر چھیل کی شاخ کا سایہ مجھے سانب کی طرح نظر آتا ہے طباطبائی صفا فرماتے ہیں کہ نظیری کے اس شعر سے اس تشبیہ کی طرٹ مرزا صفا کا ذہن منتقل ہوا ہے۔ شعر یہ ہے مے

بزیر شاخ گل افعی گزیدہ ببل را نوا گران آخردہ گز تدر چہ خبر
 شعر (۲) جس طرح تلوار کا جہر ہر میں معلوم ہے کہ زہر آب میں بچھا کے سو کسی اور چشمہ میں غوطہ دینے سے
 پیدا نہیں سکتا اسی طرح میں وہ سبز روئیدہ ہو کہ جس کی بیدارش صرف غم و غصہ کے زہر سے ہوئی ہے۔
 شعر (۳) میرزا صفا کی دل سے تمنایں جو ہے یعنی میل دل ایک آئینہ تھا جس کے ٹٹنے سے ایک آئینہ خراب گیا۔
 شعر (۴) یعنی میرزا نظر میں سلا بیفتہ قمری سے یادہ وقت نہیں کھتا اور جس طرح قمری ایک مشت خاکستر
 ہے اس طرح یہ دنیا بھی ایک مشت خاک ہے اور قمری سمرانیہ زندگی نالہ غریبی طرح دنیا کی ہستی بھی نالہ و فریاد ہی ہے۔
 شعر (۵) کون ٹھاتا ہے مجھے، اسکے دو معنی ہیں ایک کہ زندگی میں مجھے محفل سے اٹھا دیتے تھے اب میرے
 بعد کون مجھے وہاں سے کون اٹھاتا ہے؟ دوسرے معنی یہ ہیں کہ محفل سے اٹھا دیتے تھے اب میرا جنازہ کون اٹھاتا ہے؟ (یا گار)
 (۲۱۵) روندی ہوئی ہے کو کتبہ شہر یار کی اتراے کی نہ خاک سبر بگزار کی
 جب اسکے دیکھنے کے لئے آئیں بادشاہ لوگوں میں کیوں نمود ہو لالہ زار کی
 بھیکے نہیں ہیں سیر گلستاں شہم و لے کیوں نہ کھایے کہ ہو اسے بہار کی
 شعر (۱) انا کو کہہ۔ اشارہ مجازاً انہو وغیرہ، شہر یار، بادشاہ مطلب ہے کہ راندہ کی خاک کیوں باز
 کرے کہ اس پر سے شاہی لشکر کا گزرا ہوا ہے۔

شعر (۲) مطلب صاف ہے۔

شعر (۳) ہوا کھانا، سیر کرنا، بھوکے میں ہیں یعنی خواہش ریختنا نہیں ہے۔ کھانا اور بھوکے کی متناظر بھی گئی ہے
 (۲۱۶) ہزار خواہشیں ایسی ہر مشن دم نکلے بہت نکلے مرے ارادے لیکن پھر بھی کم نکلے
 دے کیونکہ میرزا قائل کیا رہ گیا اس کی گردن پر وہاں چشم تر سے عمر بھر یوں دم بدم نکلے

نکلتا خلد سے دم کا سنتے آئے ہیں لیکن ۳ بہت آبرو ہو کر تھے کوچہ سے ہم نکلے
 بھر کھل جائے ظالم تیری قیام کی درازی کا ۴ اگر اس طرح برج و خم کا سچ و خم نکلے
 اگر نکھوٹے کوئی اسکو خط تو سمجھے لکھوٹے ۵ ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے
 ہوئی اس دور میں نسوب مجھ سے بادہ اشامی ۶ پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جامِ حم نکلے
 ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی ۷ وہ ہم سے بھی زیادہ کشتہ تیغ و دم نکلے
 محبت میں نہیں، فرق جیسے اور مرنے کا ۸ اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فریہ دم نکلے

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں اعظم

پرانا جاتے ہیں کل وہ جاتا تھا کالہ ہم نکلے

شعر (۱) خواہش یہ تم نکلتا، اسکے پورے بولنے کیلئے جلدی کرنا، چنانچہ کہتے ہیں کہ کیوں تم نکلا جاتا ہے۔

یا کیوں ستر جاکے ہو یعنی کیوں جلدی کرتے ہو اور اگر غالب

شعر (۲) مطلب ہے کہ میرا قاتل میرا خون بہانے سے کیوں رہا ہے ہی خون جو ہمیشہ میری آنکھوں سے

جاری رہتا ہے اور اسے قرار ہی نہیں اسکی گردن پر کیسے رہے گا؟

شعر (۳) مطلب صاف ہے۔

شعر (۴) بھرم کھل جائے یعنی پروردہ ہو جائے اس شعر میں رازی زلف اور قد کا چھوٹا ہونا ثابت کیا ہے

شعر (۵) یعنی جس طرح منشی لوگان پر عموماً قلم رکھ کر تم میں اسی طرح مرزا قاسم بھی منشی خط و کتابت

نیکر یا نارو میں پھرتے ہیں کہ شاید مجھے لکھ یڑھا آدمی سمجھ کر کوئی مجھ سے خط لکھوٹے اور ممکن ہے کہ میرے

مشوق ہی کو خط لکھوٹے اور مجھے کسی رفیق کا بھیید معلوم ہو جائے۔

شعر (۶) یعنی جس طرح جمشید کی طرف شراب کی نسبت مشہور ہے اسی طرح میں کثرت نوشی سے ضرب المثل بن گیا ہوں

شعر (۷) مطلب ہے کہ جن لوگوں سمیں امید تھی کہ ان سے مجھ کو دل کا علاج کراہینگے وہ ہم سے

بھی زیادہ زمانے کے لئے نکلے۔ اور ہر ایک نے ہم سے یہی کہا کہ ہم میرا فسانہ جفا تجھ سے بھی کچھ دراز ہے۔

شعر (۸) مطلب صاف ہے۔

شعر (۹) مثبت ہے کہ حضرت عظمیٰ جو ہمیشہ شراب کی مذمت بیان کیا کرتے تھے بھلا کبھی گمان ہو سکتا تھا کہ وہی شہر خانہ کے روزانے پر نظر آئیں گے لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب ہم نے یہ دیکھا کہ ہم تو منجانب سے روزے سے نکلے تھے اور وہی حضرت و عظمیٰ داخل ہو رہے تھے۔

(۲۱۷) کوہ ہونے کا خطر گرجا ہوا جائے ۱ بے لطف اے شرارت نہ کیا ہو جائے
بیضہ سائنات لپڑ ہے یہ کنج نفس ۲ از سر نو زندگی ہے گر رہا ہو جائے
شعر (۱۰) کیا ہو جائے یعنی شراب کو ایک دم فنا ہو جائے۔ کوہ کے ہونا بارہ خاطر گرجا ہو جائے اس لحاظ سے کہ آواز
چاڑھے ملکر اکروا پس آ جاتی ہے۔ گویا اسکے بارہ خاطر ہی ہوئی جو واپس گئی۔ (رقاضی)

شعر (۱۱) کنج نفس مجازاً دنیا مثبت ہے کہ جس طرح پریمے کی اصل زندگی انڈے سے نکلنے کے بعد شروٹ
ہوتی ہے اسی طرح ہم اس بیضہ فاک اس قدر رنگ آ گئے ہیں کہ اگر ہم اس سے رہا ہوئے جی مر گئے تو ہم بھی گئے کہ ہم کو
از سر نو زندگی حاصل ہوئی۔ (رقاضی)

(۲۱۸) مستی نہ وقت غفلت ساقی ہلاک ہے ۱ مروج شراب ایک مضرہ خواب ناک ہے
بجز زخم تیغ ناز نہیں دل میں آرزو ۲ جیب خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے
جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد ۳ صحرا ہماری آنکھ میں اک مشبہ خاک ہے
شعر (۱۲) مثبت ہے کہ ساقی کے اندر زخاں نے مستی کو بھی ہلاک کر دیا ہے وہ شراب کی سرس مڑگاں خوا
دہنی ہوئی ہیں۔

شعر (۱۳) جیب خیال مجرا دل مثبت ہے کہ دل میں فقط یہی آرزو ہے کہ تیری تیغ ناز کے زخم کھائے۔
شعر (۱۴) مطلب صاف ہے۔

(۲۱۹) لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہو گوارہ جنبانی قیامت کشتہ نعل تنباں کا خواب نگیں ہے
 شعر (۱) مدِ پتہ ہے کہ کشتہ لبِ حشر قیامت کس قیامت نیند سورہا ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تم
 باؤں اللہ بھی کہتے ہیں تو یہ الفاظ جھڈ لا جھڈانے کا کام دیتے ہیں۔

(۲۲۰) آید سیلاب طوفان صد آب ہے ۱ نقش پا جو کان میں لکھتا ہر نگلی جادو سے
 بزمِ وحشت کدہ ہر کس کی چشمِ مست کا ۲ شیشے میں موج پری پنہانِ بھض بادہ سے
 شعر (۱) مطلب ہے کہ پانی کی صد اول طوفان کا سیلاب آ رہا ہو اور نقش پاتا پنے کان میں تارہ کی نگلی رکھی ہے
 شعر (۲) موج شرب کو بھض پری تصور کیا گیا ہے مطلب ہے کہ بھض شرب کس کا چشمِ مست اثر سے وحشت
 کر رہی ہوئی ہے کہ موج بادہ بھض پری بن گئی ہے۔

(۲۲۱) ہوئیں بھی تماشا کی نیرنگ تماشا ۱ مطلب نہیں کچھ اس کے کہ مطلب ہی برائے
 شعر (۱) یعنی میں اپنی تماشا کی نیرنگی کا تماشا دیکھ رہا ہوں تماشا کرنے سے مطلب برائی مقصود نہیں۔
 (۲۲۲) اب ہی جلیے جائے دمِ تحریر کا غیر مری قیمت میں لوں تصویرِ شہا ہجران کی
 شعر (۱) میر قیمت نامہ میں شبِ فراق کی تصویر اس طرح کھینچی ہوئی ہے کہ جیسے کاغذ پر لکھتے وقت یہی
 کی دوات ہی اٹ جائے اور وہ تمام تصویر یہ ہو جائے، شبِ فراق کی تاریکی کا نقشہ کھینچا ہے کہ جس میں کچھ
 سنجائی نہیں دیتا انھیں مری قیمت میں شبِ فراق کی سیاہ راقیں ہی لکھی ہیں۔

(۲۲۳) ہجومِ لہِ حیرتِ بحرِ عرض یکا افواں ہے ۱ خموشی ریشہ صد میتاں کے خسِ بدندان سے
 تکلفِ بر طرف ہر جاں تر و طف بدخوایاں ۲ نگاہِ بھجاب ناز تیغ تیز عریاں ہے
 ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلفِ کیفیتِ شادی ۳ کہ صبحِ عیدِ محفلِ بر تر از چاک گریباں ہے
 دلِ دین نقدِ لاساتی سے مگر سودا کیا چاہے ۴ کہ اس بازار میں ساغرِ قناع دست گرداں ہے
 غمِ خوش بلیں پرورش دیتا ہر عاشق کو ۵ چراغِ روشن اپنا قلم صرصر کا مرجاں ہے

شعر (۱) خن ندران مونا اظہار غلو بیت ہوتا ہے۔ مطلب ہے کہ اسے ہجوم نالہ میں جہ حیرت فریاد سے عاجز ہوں۔ میری خاموشی سے ناراض نہ ہو بلکہ اس کو میرا خس بد مذاں ہوتا سمجھ لے۔
 شعر (۲) نگاہ تیغ ہے اور جبہ سجائب ملی تو تیغ عریاں ہو گئی، اور اس کا نگاہ ٹھٹھ کرنا اور قاتل جو
 شعر (۳) مطلب صاف ہے۔

شعر (۴) تھن سہ گراں۔ وہاں جو ہاتھوں ہاتھ پھرتا ہے مطلب ہے کہ اگر ساقی سے شرب لینا چاہتا ہے تو اس کے کیلئے اس کی قدر و ثروت ہی یہاں ادھار سے کام نہیں چلتا۔

شعر (۵) مرجان ہونگہ اس درخت دریا میں ہوتا ہے۔ قديم۔ دریا۔ صرہ رطبان، آندھی مطلب ہے کہ بدلتی گود میں غم عاشق کی پرورش کرتا ہے یعنی عاشق کی زندگی غم سے ہے گویا جس طرح مرجان کی پرورش اور زندگی قازم میں ہوتی ہے اسی طرح ہماری زندگی کا پرغ قازم طوفان مہلک میں ڈھنڈھاتا ہے حالانکہ نہ تو پانی میں طغ رشن رہ سکتا ہے اور نہ ہی آندھی میں۔

شعر (۶) ۱۔ خموں شلوں میں تماشا ادا نکلتی ہے ۱۔ نگاہوں سے تری سرسرا نکلتی ہے
 ۲۔ فشار تنگی خلوت سے بنتی ہے شبنم ۲۔ صبا جو غنچے کے پرے میں جات نکلتی ہے
 ۳۔ نہ پوچھ سینہ عاشق سے آب تیغ نگاہ ۳۔ کہ زخم روزن در سے ہوا نکلتی ہے

شعر (۷) ہماری جو خاموشیاں ہیں ان میں جو نکلتی ہے وہ قابل تماشا ہے کہ یا رکن نگاہ سرگس ہمارے دل میں تر گئی ہے اور ہم سب نے خاموش رہتے ہیں، سر رکھنے سے اور بیٹھ جاتی ہے اس میں جی حمایت مقرر ہے۔

شعر (۸) فشار بھینچا غنچہ جو کہ مگ اور خلوت پسند ہے اسلئے وہ باد بھاگو کو چھٹنگ میں پار لایا بھینچتا ہے کہ وہ سر سے سینہ سینہ ہو جاتی ہے۔

شعر (۹) آب تیزی یعنی جس روزہ سے معشوق جہان کا بدوہ ورنہ نہیں بلکہ تیغ نگاہ نے ایسا کلامی خم کیا ہے کہ جس میں ہوا نکلتی ہے پھر صفیہ عاشق کی کیا ہستی ہے اس شعر میں آب ہوا کی رعایت بھی رکھی گئی ہے اور کیا

عجب ہے کہ مصنف نے ہوا کے معنی خواہش رکھے ہوں۔

- ۱۲۵۱ جن شانہ کش زلف یار ہے ۱ نافہ دماغ آہوئے دشت تیار ہے
کس سرخ جلوہ حیرت کو اے خدا ۲ آئینہ قرش شش جہت انتظار ہے
ہے ذرہ ذرہ تنگی جا سے غبار شوق ۳ گردام یہ ہے وسعت صحر آشکار ہے
دل مدعی و دیدہ بنامد عا علیہ ۴ نظارہ کا مقدمہ پھر رو بکار ہے
چھڑکے ہے شبنم آئینہ برگ گل پر آب ۵ اے عندلیب وقت و دایع بہار ہے
سج آپری ہے عہدہ دہدار کی تجھے ۶ وہ آئے یا نہ آئے یہ یاں انتظار ہے
بے پردہ سُوئے وعدہ مجنوں گزرنہ کر ۷ ہر فکے کے نقاب میں دل بیقرار ہے
اے عندلیب یک کف خس بہر اشیاں ۸ طوفان آمد آمد فصل بہار ہے
دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی ۹ اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے

غفلت کفیل عمر و اسد ضامن نشاط

۱۰ اے مرگ ناگساں تجھے کیا انتظار ہے

شعر (۱) شانہ کش کنگھی کرنے والی۔ لیکن اس جگہ ہوا سے معشوق کی زلف شکیں کا بکھرنا مراد ہے اُشت
تیار جس مالک آہوان صحرائی کے نافوں سے کستوری نکلتی ہے۔ مطلب صاف ہے۔
شعر (۲) مطلب ہے کہ یا الٰہی حیرت کس کے جاوہ کا سرخ نگاہی ہے کہ جس انتظار میں قرش
شش جہت آئینہ بنا ہوا ہے۔

شعر (۳) یعنی غبار شوق دل میں تنگی جا کی وجہ سے پس کر اور بھی ذرہ ذرہ ہو گیا ہے اگر ان ذروں
کو پھیلا کر دام بنایا جائے تو تمام صحر آشکار ہو جائے گا۔ یعنی وہ دام تمام صحر پر چھا جائے گا۔

شعر (۴) یعنی دل نے آئینہ پر عکس کیا کہ اس آئینے کی جیسے عین دل دیکھا کہ جسے میر غونگہ دیا آج آئی پی ہے۔

شعر (۵) ایران میں سم ہے کہ جب کوئی وطن چھوڑ کر سفر کو جاتا ہے تو آئینہ پر چند ہنر پتے رکھ کر پانی چھڑکتے ہیں تاکہ وہ جلد بخیر واپس آئے۔ چنانچہ اس شعر میں بھی وہی مضمون ہے۔

شعر (۶) کچھ آپڑنے سے کسی بات کا بنام نہ مراد ہوتا ہے مطلب صاف ہے۔

شعر (۷) ذرہ کے جگمگانے کو دل کی بقراری سے تشبیہ دی ہے مطلب ہے کہ صحرائے مجنوں کا فزہ دل مجنوں کی بینائی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

شعر (۸) اے بیل! ایک مٹی خاں خوش کی اپنے آشیانہ کیلئے فراہم کر دے پھر زخان ہر مٹی تنگے ڈھونڈ سے نہیں ملیں گے۔

شعر (۹) مثال تصویر چین میں دنیا بھر کی حسرتیں اور آرزوئیں بھری ہوئی آئینہ تصویر ہے کہ اگرچہ اس میں ایسی صفائی نہیں کہ جاوہ معرفت ہو سکے لیکن یہ میر کیا کم ہے۔ (نظم)

شعر (۱۰) کہیں، ضامن، غفلت نے عمر بھر کا لمحہ بکریا ہے اور سدا ہمیشہ کی شادمانی کا خفا میں ہو گیا ہے۔ اے مرگ کہاں تجھے کس بات انتظار ہے یعنی تو ذرا ایسے سامان غفلت کو جاگ بگاڑ کر نباہ کر لیا کرتی ہے۔

(۲۲۶) آئینہ کیونکہ وہ کس تماشا کہیں جسے ۱ ایسا کہاں لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

حسرت نے لار کی تری بزم خیال میں ۲ گدہ منہ نگاہ سودا گری میں جسے

کھونٹا ہر کس کو شت محبت میں لے خوار ۳ افسون انتظار تمنا کہیں جسے

سورج بھرم درد غریبی سے ڈلے ۴ وہ ایک مشت خاک کہ سحر کہیں جسے

سے چشم تریں حسرت دیدار سے تہاں ۵ شوق عنان کی سختہ دریا کہیں جسے

درکار ہے شگفتن نگاہ لے عیش کو ۶ صبح بہار بندہ بینا تمہیں جسے

غالب برائے زمان ہو واعظہ بُرا لگنے

ایسا بھی کرتی ہے کہ سب چاہا کہیں جسے

شعر (۱) میں تیرے برابر کیا ہے؟ کہتا ہے: مائیں سکا لیکن میں تجھے آئینہ ہی کیوں نہ دوں کہ جسے دیکھ کر نہ محو حیرت ہو جائے اور لوگ تیرا منہ نہ دیکھیں۔

شعر (۲) بزم خیال یعنی روشنی کا برس۔ مطلب ہے کہ میرا سیدھے دل ایک گلدستہ نگاہ ہے جو تیری حسرت دیدار سے میرے دل میں پیدا ہو گیا ہے۔

شعر (۳) تنہائے عشوق کو اس عین انتظار تصور کیا ہے۔ مطلب صاف ہے۔

شعر (۴) یعنی کسرت درد غریبی سے تنگ آکر بس اب عجزِ نندوی اختیار کیجئے۔

شعر (۵) شوقِ عنان گینختہ! اشتیاقِ معشوق میں جس کی عنان صبر ٹوٹ چکی ہو۔ مطلب ہے کہ حسرت دیدار معشوق میں بفرط شوق میری چشمِ نرسے دریا سے اشک جاری ہیں۔

شعر (۶) مطلب ہے کہ عیش و مسرت کیلئے صبح بہار کی ضرورت ہے اور وہ صبح بہار شیشہ شراب کی روٹی میں پنہاں ہے۔

- | | | | |
|---|----------------------------------|----|-------------------------------------|
| ۱ | دایغِ دل بیدارِ نظر گاہِ حیا ہے | ۲۲ | بشنم بہ گل لہ نہ خالی زاد ہے |
| ۲ | آئینہ بدستِ بت بدستِ حنا ہے | ۲۳ | دلِ خوں شدہ کٹکٹشِ حسرتِ دیدار |
| ۳ | جی جس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے | ۲۴ | شعلہ سے نہوتی ہو بس تعلقہ نے جو کی |
| ۴ | آئینہ بہ نڈازِ گل آغوشِ کشا ہے | ۲۵ | نمثال میں تیرے وہ شوخی کہ لہجہ شوق |
| ۵ | اے نالہ نشانِ جگر سوختہ کیا ہے | ۲۶ | قمری کیفِ خاکستر و بیلِ قفسِ رنگ |
| ۶ | معشوقی و بے وصلگی طرفہ بلا ہے | ۲۷ | خونے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو |
| ۷ | دستِ تنگ آئندہ پیمانِ وفا ہے | ۲۸ | مجبوری و دعوائے گرفتاریِ الفت |
| ۸ | تیغِ ستم آئینہ تقویرِ نملا ہے | ۲۹ | معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ |
| ۹ | سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے | ۳۰ | اے پرتوِ خورشیدِ جہاں تاباں دھر بھی |

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی طے دا ۱۰ یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب

۱۱۔ کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

شعر (۱) مطلب ہے کہ گل و لالہ پر قطراتِ شبنم کا ہونا خالی از حلت نہیں کیونکہ لالہ خیال کرتا ہے کہ میروں میں داغ تو ہے لیکن حقیقتی در و سوز نہیں اس لئے یہ شبنم عرقِ تداامت ہے۔

شعر (۲) یعنی حسرت دیدار کی کشمکش نے میر و لکھنوی کے اس کا خون کر دیا اس طرح کہ میروں کا سینہ خراب گیا ہے۔

شعر (۳) میرا دل افسردہ ہو کر رہ گیا ہے یعنی اسے جلنے کی حسرت ہے کہ میں کیوں جل گیا اور اس جلنے

سے جلاتے کہ اگر شعلہ بھی اسے جلانا چاہتا تو اس قدر نہ جلتا۔

شعر (۴) تیری تصویر عکس میں ہو شوقِ دلفریب ہو کہ آئینہ نے بفرط شوق پھوکی طرح اپنی آغوش کھول دی ہے

شعر (۵) مطلب ہے کہ قمری جو ایک کفِ خاکستر سے زیادہ اور بلبلی جو ایک نفسِ عنصری سے زیادہ نہیں

ہے ان جگہ سوختہ یعنی عاشق ہونے کا ثبوت صرف ان کے چمکنے اور بولنے سے ہوتا ہے۔

شعر (۶) مطلب ہے کہ اے رگت و صامت نے وہے معشوق تیری عادت نے میرے جنون و شوق

کو افسردہ کر دیا ہے معشوق ہو کر ایسی بے حسی زیبائیاں۔

شعر (۷) مطلب ہے کہ کسی سنگین مزاج محبوب کو دل دیکر پیمان و وفا پورا کر رہے ہیں جس طرح پتھر کے نیچے

ہاتھ دب جائے اور مجبوراً نکل نہ سکے۔

شعر (۸) تیری خون آلودہ تیغِ بزم کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ نے شہیدانِ گزشتہ کو کس بیرحمی سے قتل

کیا ہے گویا تیری تلوار ایک آئینہ ہے۔

شعر (۹) یعنی ہم پر بھی اے مہرِ شمع معشوق نظر کر م کر۔ پرتو اور سایہ کی لفظی عایت اور وقت پڑنا محاورہ کی بات

شعر (۱۰) مطلب ہے شعر (۱۱) یعنی جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا خدا ہوتا ہے۔

- (۲۲۸) منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی ۱ قسمت کھلی تھی قدو بخ سے ظہور کی
 اک خوچکا کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں ۲ پڑتی ہے آنکھ تیرے شہید پہ حور کی
 واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو ۳ کیا بات ہے تمہاری شراب ظہور کی
 لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیا اٹھا ۴ گویا ابھی سنی نہیں آوازہ صُور کی
 آمد بہار کی ہے جو بلبل سے نغمہ سنج ۵ اڑتی سی اک خبر ہے زیبانی طہور کی
 گدواں نہیں پڑے ان کے کالے سینے تو ہیں ۶ کعبے میں بتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی
 کیا فریضہ ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب ۷ او نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی
 گرمی سہی کھام میں لیکن نہ اس قدر ۸ کی جس بات اُس نے شکایت ضرور کی
 غالب گرم سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
 ۹ - حج کا ثواب زائر کروں گا حضور کی

شعر (۱) تجلی۔ جلوہ۔ نور خداوندی مطلب ہے کہ خدا کو اپنے نور کا جملہ دکھانے کیلئے تیری صورت کا منہ نہ بنے۔
 شعر (۲) چونکہ خون سے کفن لہزار بنا ہی ہے اسلئے اس میں کروڑوں بناؤ ہیں اور ایک شرعی مسئلہ بھی
 ہے کہ جنت و حوریں شہداء کا انتظار کرتی ہیں۔

شعر (۳) جنت میں جو شراب ملے گی اسے شراب ظہور کہتے ہیں۔ ظہور معنی پاک۔
 شعر (۴) اندر۔ وہ قرنا جو فرشتہ ارض میں قیامت کے دن بجائے گا اور زمین و آسمان فنا ہو جائے گا۔
 مطلب ہے کہ قاتل لڑتا ہے مجھ سے لڑتا ہے کہ قیامت کا دن ہو گیا ہے اور یہ کٹ تہ تیغ جنہاں اور محشر کے ساتھ قاتل
 کو مجرم گردانے گا۔

شعر (۵) مطلب صاف ہے۔ شعر (۶) یعنی پہلے کعبہ میں بت ہی تو ہوتے تھے۔

شعر (۷) جبرأت و جہت کا مضمون ہے۔

شعر (۸) یعنی کسی سہمی سے تو نرجی سے گفتگو کرنی چاہیے۔

شعر (۹) اس شعر سے مرزا کی کمال سخن طبع ظاہر ہوتی ہے یہ غزل میں انہ میں لکھی تھی جبکہ بہادر شاہ مرحوم کا ارادہ
 حج کو جانے کا تھا مرزا اس سفر میں بادہ کے ساتھ جانے کا کمال اشتیاق ظاہر کرتے ہیں یہاں تک کہ اس کیلئے منت مانتے ہیں کہ حج کا
 تراب حضور کی نذر کر دے گا۔ ادھر سفر حج کا وہ اشتیاق اور ادھر حج کے ثواب کی یہ بے قدری (یادگار غالب)

(۲۲۹) غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے ۱ یہ رنج کہ کم سے مئے گلفام بہت ہے
 کہتے مئے ساقی کو حیا آتی سے ورنہ ۲ سے یوں کہ بھٹے درد تہ جام بہت ہے
 نے تیر کہاں میں ہے نہ صیاد کیوں میں ۳ گوشے میں نفس کے مجھے بہت ہے
 کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ ریائی ۴ پاداش عمل کی طمع خام بہت ہے
 سین اہل خبر د کس خوش خاص پہ مازاں ۵ پابستگی رسم و رہ عام بہت ہے
 زمرم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طیف حرم سے ۶ آلودہ بہنے جائے احرام بہت ہے
 سے قہر گراب بھی نہ بنے بات کہ ان کو ۷ انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے
 خوں کے جگر آنکھ سے پیکا نہیں امرگ ۸ رہنے دے بھی یاں کہ مجھے کام بہت ہے
 ہو گا کوئی ایسا بھی کہ نثار لب کو نہ جانے

۹ شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

شعر (۱۰) یعنی رنج زیادہ ہے اور شراب کم ہے جس سے غم غلط ہوتا۔

شعر (۱۱) درد تہ جام تلچٹ، مطلب ہے کہ اگر ساقی مجھے تلچٹ بھی عنایت کئے تو میرا ہی پرہیز و قانع
 ہونا یکساں ہے یہ بات کہہ کر شرم آتی ہے کہ کہیں مجھے کم حرف نہ سمجھ لے۔ یہی مضمون ایک شاعر اس طرح ادا کرتا ہے
 ہے رہے ہیں اور تو ساغر پہ ساغر بار بار اور میں کافی ہے ساقی کی نگاہ چشم مرت

شعر (۱۲) یعنی سچ آفت نہ رسد گوشہ تنہائی را۔

شعر (۱۶) کہنے میں تیر دل میں ہر اور پار سائی کی اگر چہ اس میں یا کاری نہ کوئی وقت نہیں ہو سکتی کیونکہ
 ۱۔ یہ ایک بے طلب ہے کہ تکی و پار سائی بلا خیال جزا ہونی چاہیے۔
 شعر (۱۷) ان غرہ علفین یعنی جو لوگ اپنے آپ کو مست بٹے فلفی کتے اور عقل و دانش کے پتلے ہونے
 ۲۔ پر یہ خامیہ نہ رسوم کے تو پابند ہیں اور اپنی روشن خیالی پر نازاں ہیں۔
 شعر (۱۸) یعنی تجھے جاہ نہ مزم پر ہی بیٹھا رہنے دے نہ کہ جائزہ حرام جو شراب پی کر آلودہ ہو چکا ہے۔
 اُس کے دھتھے صاف کر لوں۔

شعر (۱۹) ابرام۔ ضد گزنا، مطلب ہے کہ جب میں بھی اپنی ہٹ اور منہ کا پورا ہوں اور انہیں بھی کوئی انکار
 نہیں تو پھر وصل سے شاد کام نہ ہونا تعجب اور غضب کا مقام ہے۔
 شعر (۲۰) یعنی اے جل زلادم لے اور مجھے اپنی مصیبتوں پر دنیا میں کھٹوٹے اور خون آنسو رو لینے دے۔
 شعر (۲۱) یعنی شراب خواری کی وجہ سے بدنام ہے۔

۱۔ ۲۳) مدت ہوئی ہی یار کو کہاں کئے ہوئے ۱۔ جوش قلع سے بزم چراغاں کئے ہوئے
 کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو ۲۔ عرصہ موابے عوت مژگاں کئے ہوئے
 پھر ضلع احتیاط سے رکنے لگا سے دم ۳۔ برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے
 پھر گرم نالہائے شرر بار ہے نفس ۴۔ مدت ہوئی ہے سر چراغاں کئے ہوئے
 پھر پریش جراتِ دل کو چلا ہے عشق ۵۔ سامان صد ہزار مسکداں کئے ہوئے
 پھر پھر رہا ہے خامہ مژگاں بخون ل ۶۔ سارچمین طراز ہی داماں کئے ہوئے
 باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب ۷۔ نظارہ خیال کا ساماں کئے ہوئے
 دل پھر طواف کئے ملا کو جائے ہے ۸۔ پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے
 پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب ۹۔ عرض متلع عقل دل و جاں کئے ہوئے

- دوئے ہے پھر ہر ایک گل ولالہ پر خیال ۱۰ صد گلستان نگاہ کا سماں کئے ہوئے
 پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کھولنا ۱۱ جاں نذر دلفریب عنوان کئے ہوئے
 مانگے ہے پھر کسی کو لبّ م پر ہوس ۱۲ زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے
 چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو ۱۳ سرِ مرہ سے تیز دشنہ مڑگاں کئے ہوئے
 اک نو بہارِ ناز کوتاہ کے ہے پھر نگاہ ۱۴ چہرہ فروغِ مے سے گلستان کئے ہوئے
 پھر جی میں کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں ۱۵ سرِ زریہ بار منت دریاں کئے ہوئے
 جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصتِ رات دن ۱۶ بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیر کہ پھر خوش اشک سے

۱۷۔ بیٹھے ہیں ہم تہیت طوفاں کئے ہوئے

شعر (۱) فوجِ خیر کی پیالہ مطلب ہے کہ اہل محفل شراب پیتے اور ان کے چہرے سُرخ ہو جاتے ہیں جس

سے نرم میں جیراغاں کا سماں نظر آتا ہے۔

شعر (۲) مطلب صاف ہے۔

شعر (۳) وضع احتیاط یعنی گریبان چاک کرنے میں احتیاط کرنا۔

شعر (۴) مطلب صاف ہے۔ شرر چنگاری۔ نفس۔ سانس۔

شعر (۵) یعنی عشق پھر زخموں پر نمک افشانی کرنے لگا ہے۔

شعر (۶) یعنی دامن پر نگہ کا دی کرنے کے لئے قلم مڑگاں خون سے تر ہو گیا۔

شعر (۷) یعنی دل میں بھر خیال معشوق اور آنکھ میں پھر خواہش دید پیدا ہوتی ہے۔

شعر (۸) طواف، کعبۃ اللہ کے گرد پھرنا مطلب ہے کہ غرور اور وفوداری کے بتجانہ کو توڑ کر کوچہ عشق

کے طواف کو چلا ہوں۔

شعر (۹) یعنی دل کا شوق پھر جاپتا ہے کہ اگر کوئی حسین خریدار ہو تو میں دل و جان، عقل و خرد کا مال و اسباب فروخت کر ڈالوں۔

شعر (۱۰) گل و لالہ سے حسین مراد ہیں۔ مطلب صاف ہے۔

شعر (۱۱) یعنی یہ چاہتا ہوں کہ پھر کوئی معشوق میرے نام خط لکھے اور جس کی سرخی محبت نامہ ہو اور میں اس فریب محبت پر جان قربان کر دوں۔

شعر (۱۲) ۱۳-۱۴-۱۵-۱۶۔ سب سے زیادہ یک ہی صاف مضمون ہے۔

شعر (۱۷) حوش اشک رونا۔ تہیہ۔ ارادہ۔

- | | |
|---|--|
| ۱۔ تو یار میں ہی بیدار رہے سنت جاں کے لئے | ۱۔ سچے نہ طرز ستم کوئی آسماں کے لئے |
| ۲۔ بلا سے گھر شرعہ یا رشتہ خون ہے | ۲۔ رھو پچھتی بھی شرکاں خونستاں کیلئے |
| ۳۔ وہ نہ ہم میں ہیں تو سناس خلق اسے خضر | ۳۔ نہ تم کہ چور رہے عمر جاوداں کے لئے |
| ۴۔ رہا بائیں بھی میں مبتلائے آفت شک | ۴۔ بلائے جاں پر ادا تیری اک جہاں کے لئے |
| ۵۔ فلک دور رکھ اس مجھے کہ میں ہی نہیں | ۵۔ دراز دستی قاتل کے امتحان کیلئے |
| ۶۔ مثال مری پوشش کی ہے کہ مرغ اسیر | ۶۔ کرے قفس میں فراہم خن ثیں کیلئے |
| ۷۔ گدا سمجھ گئے وہ، تنہا مری حوشاستائے | ۷۔ اٹھا اور اٹھ کے قدم لینے یا سہارے کیلئے |
| ۸۔ بقدر شوق نہیں طرب تنگنائے بغزل | ۸۔ کچھ اور چلیے وسعت کے بیاں کیلئے |
| ۹۔ دیا ہے خلیق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے | ۹۔ بنایے عیش تجل حین خاں کے لئے |
| ۱۰۔ ریاں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا | ۱۰۔ کہ میرے لطف نے لپسے مری زباں کیلئے |
| ۱۱۔ نصیر و لت دیں اور معین ملت ملک | ۱۱۔ بنایے چرخ بریں جس کے آفتاں کیلئے |
| ۱۲۔ زمانہ عہد میں اس کے بے حق آرائش | ۱۲۔ بنائے اور ستائے اب آسماں کے لئے |

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے ۱۳ سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا

۱۴ صلائے عام سے یار ان نکتہ داں کیلئے

شعر (۱) مصیبت ہے کہ میری جان زار کیلئے مشوق کا تہم امن کی خوشخبری ہے کیونکہ اس کے انداز تہم
دیکھ کر آسمان بھی اپنے تہم بھول گیا ہے

ترے انداز سے ظالم جینوں کے نزلے ہیں تہم کے اے تہم آرا عجب پہلو نکالے ہیں

شعر (۲) اگر شرع یار خو خوار ہے تو میری مژدہ بھی خونبار ہے۔

شعر (۳) یعنی میں ہمیشہ کی زندگی کس کام کی کہ اے حق خضر جو پربوی طرح چھتے پھرتے کسی کو نظر بند آتے ہو۔

شعر (۴) میں اگر تیری ادا بابتی تو کاش میری لئے ہوتی لیکن دوسری بلا مجھ سے برداشت نہیں مانی کہ
دوسرے لوگ بھی میں بد میں شریک ہوں۔ یہ بلا رنگ ہے۔

شعر (۵) مطلب صاف ہے۔

شعر (۶) یعنی میری کوشش اور تدبیر ایسی ہی بیکار ہوتی ہے کہ جیسے کوئی مرغ اسیر قفس میں تھینے کے
لئے غصہ و خاشاک جمع کرے۔

شعر (۷) غائب نے غائبے مہمون کو کہ میں جو مشوق کے مکان پر پہنچا تو اول خاموش کھڑا ہوا یا بسا سائل
سمجھ کر کچھ نہ کہہ سکا جب مشوق کے دیکھنے کا وہ زیادہ شوق ہوا تو یا سائل نے قدموں پر گر گیا۔ اس سے جاننا کہ اس کا
ملاک کچھ اور ہے اس لئے میرے ساتھ وہ سدوک کیا جو ناگفتہ بہ ہے اس شعر میں ادا کیا ہے دھانی۔

شعر (۸) مصیبت ہے کلمہ و منقبت کیلئے غزل ایک تنگ کوچہ ہے اسلئے اس غزل میں تھیندہ کا انداز
بیجا رہا ہے۔

شعر (۹) یعنی عین عشرت تو دراصل صبر میرے حمد و تعجب حبس خاں کیلئے قدر نے وضع کیا تھا۔ لیکن

اس خیال سے بعض لاگوں کو اس میں کچھ حصہ دے دیا گیا ہے تاکہ میر محمد دوح کو نظر بد نہ لگ جائے۔
شعر (۱۰) مطلب صاف ہے۔

شعر (۱۱) نصیر و عین۔ معاون و مددگار۔

شعر (۱۲) مرزا نے اپنے مدد دوح کو ایک ایسے کمال کیسٹ موشو کیل ہے جو تمام کمالات کی جڑ ہے یعنی وہ ہر چیز کو کمال تر اور افضل تر حالت میں دیکھنا چاہتا ہے اسلئے ہر شے اپنے تئیں کمال تر حالت میں سکھانے لگا چاہتی ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر یہی حالت ہی تو شاید آسمان کی زمین و زیت کیلے اور تارے پیدا کئے جائیں اس پر سوائے اس کے کہ کوئی منطقی اعتراض کیا جائے اور کسی طرح کی گرفت نہیں ہو سکتی۔ (مقدمہ شعر و شاعری)

شعر (۱۳) سفینہ کشتی بحر بکراں جس دریا کا کنارہ نظر نہ آتا ہو یعنی جس طرح دریا کو کشتی کے سوا عبور کرنا محال ہے اسی طرح اس غزل میں مدح مدد دوح پوری نہیں ہو سکتی۔

شعر (۱۴) یعنی غالب نے ایک جدید انداز میں باریک مضامین لکھے ہیں۔ دیگر شعر کو بھی یہی روش اختیار کرنی چاہیئے۔

کاکیم موس خاں مرحوم نے بھی سن میں ایک معرکہ آرا غزل لکھی ہے جس کے بعض اشعار ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

دعا بلا تھی شب ہجر میری جوں کے لئے	سخن بہانہ ہوا مرگ ناگماں کے لئے
نہ دل ہا نہ جگر دونوں جل کے خاک ہوئے	رہا ہے سینہ میں کیا چشم خونفشاں کیلے
اگر امیر نہ ہمایہ ہو تو خانہ یاس	بہشت ہے ہمیں آرام جاوداں کے لئے
وہ مول لیتے ہیں جس دم کوئی نئی تلوار	لگاتے پہلے مجھی پر ہیں امتحان کے لئے
ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا	وگر نہ خواب کہاں چشم پاسبان کے لئے

قصائد

قصیدہ اول در منقبت !

- ساز یک ذرہ نہیں فیض چمن سے بیکار ۱ سایہ لالہ بے داغ سویدائے بہار
 ہستی باد صبا سے ہے نعر من سبزہ ۲ ریزہ شیشہ مے جو ہر تیغ کسار
 بنبر سے جام زمرہ کی طرح داغ پلنگ ۳ تازہ ہے شیشہ نارسخ صفت تڑپے شرار
 مٹی ابر سے گلچین طرب ہے حسرت ۴ کہ اس آغوش میں ممکن ہے وعالم کاشا
 کوہ و صحرا ہمہ معمور ہے شوق بلبل ۵ راہ خوابیدہ ہوئے خندہ گل سے بیدار
 سینے ہی فیض ہوا صورت ہر گاہ ۶ سر نوشت دو جہاں ابر یک سطر عیار
 کاٹ کر پھینک ناخن تو باندازہ ہلال ۷ قوت نامیہ اسکو بھی نہ چھوڑے بیکار
 کتب ہر خاک بگردوں شدہ قمری پرواز ۸ دام ہر کاغذ تش زدہ طاؤس سکار
 میکدے میں ہوا اگر آرزوئے گل چینی ۹ بھول جایاقت بارہ بطق گلزار
 مین گل دھندلجھوت کہہ غنچہ باغ ۱۰ گم کرے گوشہ مین نہ میں گر تو دستار
 کھینچے گرانی اندیشہ چمن کی تصویر ۱۱ سبز مثل خط نو چہرہ ہو خط پرکار
 نسل سے کی ہے بے زمزمہ دلت شا ۱۲ طوطی سبزہ کسار نے پیدا منتار
 وہ شمشاد کہ جس کے پے تعمیر سرا ۱۳ چشم جبریل ہوئی غالب خشت دیوار
 فکات لعلش ہجوم خم دوش مزدور ۱۴ رشتہ فیض ازل ساز طناب مسمار
 سبزہ نہ چمن و یک خط پشت لب بام ۱۵ رفعت ہمت صد عارف یک امج حصار
 واں کہ خاشاک سے چل ہو جسے یک گاہ ۱۶ وہ رے مروجہ بال پری سے بیزار
 خول صحرائے بخت جو ہر سیر عرفا ۱۷ چشم نقش قدم آئینہ بخت بیدار

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینہ ناز ۱۸ گرد اس شت کی امید کو احرام بہار
آفریش کو ہے واں سے طلب ہستی ناز عرض خمیازہ ایجاد ہے ہر موج بہار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے اے شمع ثبوتاں بہار ۱ دل پروانہ چراغاں پر بلس گلزار
شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پروانہ ۲ ذوق میں جلوے کے تیرے ہوائے دیدار
تیری اولاد غم سے ہے بڑے گردوں ۳ سدا اختر میں مہ نو مترہ گوہر بار
ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر نثار ۴ ہم ریاضت کو ترے حوصلے استحقاق
مدح میں تیری نہاں زمر مہ نعت نبی ۵ جام سے تیرے عیاں بادہ خوش اسرار
جو ہر ست دعا آئینہ یعنی تاثیر ۶ یک طرف نازش شرکاں دگر سو غم خا
مردک سے ہو عزرا خانہ اقبال نگاہ ۷ خاک در کی ترے جو چشم نہ ہو آئینہ دار
دشمن آل بنی کو یہ طرب خانہ دہر ۸ عرض خمیازہ سدا ہو طاق دیوار
دیدہ تادل اسد آئینہ اک پر تو شوق
۹- فیض معنی سے خط ساغر راقم سرشار

شعر (۱) مطلب ہے کہ فیض چمن سے باغ کا کوئی ذرہ بھی بیکار نہیں ہے چنانچہ لالہ بیدار کا ساہیل
بہار کا سیاہ نقطہ بنا ہوا ہے اسی سے بیدار کا ہے۔

شعر (۲) تیغ کسار۔ پہاڑ کی چوٹی، جو ہر تیغ کسار سے مراد ہنرہ کوہ ہے مطلب ہے کہ یاد حبیب کی ہستی
سے ہنرہ کوہ بھی شیشہ کے ریزے بنا ہوا ہے، شیشہ جس کی کڑیوں کو بوجہ ہنری ہنرے سے تشبیہ دی ہے
شعر (۳) پتنگ جتنا مطلب ہے کہ ہمارا اثر ہے چلتے کے سیاہ دغ ہنر ہو گئے ہیں اور ریشہ نارس

کی طرح شرابے سُرخ ہو گئے ہیں۔

شعر (۸) ہمارے پتھر بھینچنا مطلب ہے کہ مٹی ابر سے حیرت تک مسرور ہو رہی ہے کیونکہ ایسی حالت میں جبکہ ہر بار دونوں جہان کی خوش میں لے ہے اور ان کا احاطہ لے ہوئے ہیں دنیا کا غم بھول جانا ممکن ہے۔

شعر (۹) مطلب ہے کہ آمد ہمارے پہاڑ اور جنگل بیل کے ترانوں سے آباد اور ویران اور انسان راستے بچوں کی شگفتگی سے بارونق معلوم ہوتے ہیں۔

شعر (۱۰) مطلب ہے کہ جس طرح ایک مہم کی خاک آلودہ پتھروں سے بدلتا نسوؤں کی جھڑی لگی رہتی ہے اسی طرح فیض ہوا کے اثر سے غبار میں بھی بادل کی قوت پیدا ہو گئی ہے۔

شعر (۱۱) قوت نامیہ۔ جو جسم انسانی کے طول و عرض اور عمق کو بڑھاتی ہے مطلب ہے کہ قوت نامیہ وہ ذرہ ہے کہ اگر ایک جان تراش کر پھینک دیا جائے تو وہ اسکو ہل سے بدر بنا دیتی ہے۔

شعر (۱۲) اگر خاک کی ایک مٹی اڑتی ہے تو وہ تمہری معلوم ہوتی ہے اور اگر کاغذ کو جلا یا جائے تو اس میں جو نقطے پڑ جاتے ہیں وہ تصویرِ آدم بن جاتے ہیں اور اس میں سینکڑوں طوؤں نظر آتے ہیں۔

شعر (۱۳) یعنی اگر مینا نہ میں پھول توڑنے کی خواہش ہے تو ایک غریب طاق گلشن میں رکھ کر بھول جا پھر ہمارے تو دیکھے گا کہ قوت نامیہ اس ایک پیالہ کے ہزاروں پیالے بنا دے گی گویا گلشن میں ایک مسکند بن جائیگا۔

شعر (۱۴) یعنی فیض ہوا گوشہ مینا نہ کو غنچہ اور پگڑی کو مہر گل بنا دے گا۔

شعر (۱۵) مطلب ہے کہ اگر مافیٰ المصطفیٰ اندیشہ چین کی تصویر اتارے تو تاثیر ہمارے خطیر کارِ سبزہ زرخیز کی طرح سبز ہو جائے۔

شعر (۱۶) مطلب ہے کہ بادِ ستارہ کی صحرائی کیسے نعل کو طوطی سبزہ کسا کی چوچ بس گیا ہے۔

شعر (۱۷) وہ منہ ہ کہ جسے قصہ کی تعمیر کیلئے اینٹیں چٹم جبریل سے سانچے میں بنائی گئی ہیں۔

شعر (۱۸) ساز۔ سامان، طناپ، ڈوری کہ جس سے معمار دیوار کی کچی اور راستی بناتے ہیں۔ مطلب ہے کہ اس قصہ شای کی تعمیر میں نالک لعرش پانی بھر لائے کیلئے دوش مزدور کا ایک ٹمکا ہے اور رشتہ فیض ازل گویا معمار کی ڈوری ہے۔

شعر (۱۵) یعنی قمر ممدوح پشت لب نام کا ایک خط ہنری میں سبزہ نہ چمن کے برابر ہے اور اس کا قلم بلند
میں سوغار فوں کی ہمت کے برابر ہے۔

شعر (۱۶) مروحہ ہنکھا مطلب ہے کہ جس کسی کو وہاں کی خوش خاشاک سے ایک تنکا بھی مل جائے پھر
اسے پری کے پروں کے چنگھ کی حاجت نہیں رہتی۔

شعر (۱۷) یعنی عارفوں کی سیر کا باعث صرف خاک صحرائے نجف ہے اور اس خاک پر جو ان کے نقش قدم
بڑتے ہیں وہ گویا آئینہ میں جس میں بخت بیدار کی تصویر نظر آتی ہے۔

شعر (۱۸) یعنی گرد نجف کا ہر ذرہ خورشید کیلئے آئینہ نانہ ہے اور دشت نجف کی گرد امید کے لئے فصل
بہار کا جامہ احاطہ ہے۔

شعر (۱۹) یعنی ایجاد کو اسکی خاک پاک کی آفرینش پر ناز ہے پس نجف کی ہر موج غبار گویا آفرینش و ایجاد
کا انگڑائی ہے جس کے ذریعہ وہ بنے ہاں حال یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم کو اس شراب فخر و ناز (یعنی ناز ایجاد نجف) کی
ہر جھلپ ہے، خلاصہ کلام یہ کہ اس سرزمین کو پیدا کر کے آفرینش کو ہر بار ناز ہوتا ہے (حسرت)

مطلع ثانی

شعر (۲۰) چونکہ پروانہ کی معشوقہ شمع ہے اور بلبل کا معشوق پھول۔ اس لئے تیرے اثر سے دل پر حاز
ہزار طل اور پر بلبل گلزار بنا ہوا۔

شعر (۲۱) یعنی تیرے جدوہ کے ذوق اور تیرے دیدار کے شوق میں تمام آئینہ خانہ اٹنے لگ جائے۔

شعر (۲۲) مطلب ہے کہ شہیدان کربلا کے غم میں جو آنسو نکلتے ہیں وہ موتی کے ہم رتبہ ہیں۔

شعر (۲۳) ہر ناز۔ سجدہ گاہ، استغفار۔ مددگار ہونا۔ یعنی تیرا نقش پا عبادت کے لئے سجدہ گاہ اور

تیرا وصل یا خدمت کے لئے پشت پناہ ہے۔

شعر (۲۴) مطلب صاف ہے۔

شعر (۲۵) مطلب ہے کہ میرے ممدوح کی تاثیر دعا ایک طرف شرکان اشک آلود کے لئے مائے ناز اور
دوسری طرف غم کے لئے باعث حال ہے۔

مشعر (۷) مطلب ہے کہ اگر آئینہ دار نہ ہو تو آئینہ کی تپنی نگاہ محمدی کا ماتم خانہ بن جائے۔

مشعر (۸) مطلب ہے کہ یا الہی دشمن آل بنی کے حق میں عشرت خانہ دنیا کا ہر طاق و دیوار خمیا زہ سیلا بلا ہو جائے یعنی ان کو کبھی مسرت حاصل نہ ہو۔

مشعر (۹) یعنی تاکہ سے دل تک اسد الوار شوق کا آئینہ بنا ہوا ہے اور اسی وجہ اور اسی فیض سے اس کا خط ساغ شوق بادۂ معانی سے بیزیر ہے۔

فہرست دوم

در منقبت

- ۱ دہر جہر جلوہ یکتا الی معشوق نہیں
 - ۲ بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہو نہ ذوق
 - ۳ ہرزہ سے نغمہ زیر و بم ہستی و عدم
 - ۴ نقش معنی ہمہ خمیا زہ عرض صورت
 - ۵ لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم
 - ۶ مثل مضمون و فاباد بدست تسلیم
 - ۷ عشق بے ربطی شیرازہ اجزائے حواس
 - ۸ کوہ کن گرسنہ مزہ و طرب گاہ رقیب
 - ۹ کس نے دیکھا نفس اہل فناء آتش خیز
 - ۱۰ ملاح زہر مہ اہل جہاں ہوں لیکن
 - ۱۱ کس قدر ہرزہ مسر اہوں کہ عیاذ باللہ
 - ۱۲ نقش لا حول لکھنے کے خامۂ نہیاں تخریب
- ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود ہیں
 بیکیں ہائے تماشا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں
 لغو ہے آئینہ فرق جنون تمکین
 سخن حق ہمہ پیمائے ذوق تحسین
 درد کیا ساغر غفلت ہے چہ نیا و چہ دیں
 صورت نقش قدم خاک بہ فرق تمکین
 وصل زنگار رخ آئینہ حسن نہیں
 بے ستوں آئینہ خواب گراں شیریں
 کس نے پایا اثر نالہ و لعلے حزن
 نہ سرو و برگ تلاش نہ دماغ نفیر
 یک قلم خارج آداب و قاف و تمکین
 یا علی علی کس کے نظرت و سواں نقین

- منظر فیض خدا جان و دل ختم رسل ۱۳ قبلہ آل نبی کعبہ اربعہ و لقیس
 ہے وہ سر بائہ ایجاد جہاں گرم خرام ۱۴ ہر کف خاک ہے واں گردہ تصور نرس
 جلوہ پر از ہون نقش قدم اس کا جس جا ۱۵ وہ کف خاک ہے ناموس و عالم کی آئیں
 نسبت نام سے اس کے یہ رتبہ کہ رہے ۱۶ ابد ایش فلک خم شدہ ناز زمیں
 فیض خلق اس کی ہی مل ہے کہ ہوتا ہے سدا ۱۷ بے گل سے نفس باد صبا عطر آگین
 برش تیغ کا اسکی ہے جہاں میں چریا ۱۸ قطع ہو جائے نہ سر رشتہ ایجاد کہیں
 کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے ۱۹ رنگ عاشق کی طرح رونق بخانہ چیں
 جاں نیا بادل و جاں فیض سانا شاہا ۲۰ وصی ختم رسل تو ہے بفتوئے لقیس
 جسم اظہر کہ ترے دوش ہمیر میر ۲۱ نام نامی کو ترے نا صیہ عرش ملیں
 کس سے ممکن ہے تری ملح بغیر از واجب ۲۲ شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
 آستان پہ ہے ترے جو ہر آئینہ سنگ ۲۳ رقم بندگی حضرت جبریل امیں
 تیرے دے لئے اسباب نثار آماں ۲۴ خالکوں کو جو خدا نے دیئے جان دل ویں
 تیری مدد کیلئے میں دل و جاں کام و زباں ۲۵ تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و ہیں
 کس سے ہو سکتی ہے مداحی ممدوح خدا ۲۶ کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردوس بریں
 جنس با دار معاصی اسد اللہ اسد ۲۷ کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
 شوخی عرض مطالب میں ہو گت تلخ طلب ۲۸ ہے تم سے حوصلہ فضل پہ از بکہ لقیس
 دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول ۲۹ کہ اجابت کے ہر لفظ پہ سوا بار امیں
 غم شبیر سے ہو سینہ بیاں تک لبریز ۳۰ کہ رہیں خون جگر سے مری آنکھیں رنگیں
 طبع کو الفت دل میں یہ سرگرمی شوق ۳۱ کہ جہاں تک چلے اس قدم اور مجھ سے چیں
 دل الفت نسبت سینہ توحید فضا ۳۲ نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزریں
 صرف اعلا اثر شعلہ دود و وزخ ۳۳ وقف احباب گل و سنبل فردوس بریں

شعر (۱) مطلب ہے کہ دنیا میں ہر ایک چیز مظہرات باری ہے اور تمام عالم اسکی خود بینی کا آئینہ ہے۔
 شعر (۲) تماشا گاہ عالم کو بہت بیدل سے دیکھا گیا نہ تو اس کوئی عبرت حاصل ہوئی اور نہ ہی کوئی لذت
 یعنی نہ تو دینی فائدہ حاصل ہوا نہ دنیوی۔

شعر (۳) ہرزہ، ہیودگی، زیر پست آواز، ہم، بلند آواز، مجازاً زیر پستی، اور ہم عدم مطلب ہے کہ نعمت کے
 نفاذ بقا ہیودہ میں اور تمکین و جنون میں تمیز بھی غو ہے ورنہ سب بیکار چیزیں بلکہ ان کا کوئی وجود ہی نہیں۔
 شعر (۴) فی زمانہ نقش معنی سے یعنی اس کے دعویٰ سے اپنے ظاہر کی آرائشی اور ذکر و عبادت سے ذوق
 تحسین کا کام لیا جاتا ہے۔

شعر (۵) لاف شنی مطلب ہے کہ دنیاوی مودلات میں عویٰ فرزانگی غلط ہے اور عبادت میں امید نفع
 فصول، کیونکہ دونوں جہان ایک سا غرغفلت کی تلچھٹ ہیں۔

شعر (۶) باد بدست، لاجل، فرق، سر کی مانگ یعنی وز کی طرح تسلیم و رضا سے کوئی فائدہ نہیں اور
 نقش پائی طرح تمکین و خود داری سے ذلت ہی نہیں ہوگی۔

شعر (۷) یعنی فی زمانہ دیو، نہ پین کا نام عشق ہے اور اہل یقین کی نگاہ میں مینہ نقیب کا رنگ روضہ ہے۔
 شعر (۸) یعنی فریاد اپنے رقیب (خسر) کی عشرت گاہ کا ایک بیو کا سرور و رکھا اور کوہ بے ستون شیریں
 کے خوب گراں یعنی فدا کا نمونہ۔

شعر (۹) مطلب صاف ہے۔

شعر (۱۰) یعنی اہل جہاں کے نفوس کو اس تو لیتا ہوں لیکن اتنی طاقت اور اتنا دماغ نہیں کہ ان کی تعریف
 یا مذمت کر سکوں۔

شعر (۱۱) معاذ اللہ! میں بھی کیا انگوگو ہوں کہ مجھ کو آداب و تزوین کا ذرا بھی لمیظ نہیں ہے یا
 یہ اب نصیحت کی غلیص یا گریز شروع ہوتی ہے۔

شعر (۱۲) حوالہ میں ہے طاعت، محاراکہ، بیزاری و نفرت مطلب ہے کہ اسے دل باقی لکھنے والے
 تمام اہل نفس و حیل لکھنے و باطلی کا دور کرتے کہ سچے اس نذران کوئی اور مساوی شیطانی و مہیت کجی حاصل ہو۔

اس شعر میں ایک عجیب نکتہ ہے جس کی طرف کسی شاعر کا ذہن منتقل نہیں ہوا یعنی لا حول والعمیہ اس کا نام علی بھی آتا ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کا اسم ہے اور سرزاد صاحب کے ممدوح حضرت علی کا بھی اسم ہے اب خود فرمائیے کہ شعر کی شان کس قدر بلند ہو گئی ہے۔

شعر (۱۳) یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فیض علی کے منظر میں اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ آل نبی کے قبلہ اور اہل یقین کے کعبہ ہیں۔

شعر (۱۴) آگروہ مصدلوں کا خاکہ۔ گردہ تصویب زمین یعنی کرہ زمین مطہر ہے کہ جہاں وہ سرور یہ ایجاد عالم سرگرم خرام ہو وہاں کی ہر کف خاک ایک کرہ زمین بن سکتی ہے۔

شعر (۱۵) جس جگہ ان کا نقش قدم پڑے وہ زمین دین و دنیا کے ناموس کا باعث ہے۔

شعر (۱۶) ایسی کے نام کی نسبت سے زمین کو رتبہ حاصل ہے کہ ہمیشہ زمین کے ناز اٹھانے کیلئے پشت فلک خم رہتی ہے حضرت علی کی کیفیت ابد تراب ہے اور تراب مٹی کو کہتے ہیں۔

شعر (۱۷) مطلب صاف ہے۔

شعر (۱۸) برش تیغ تلوار کی کاٹ مطلب ہے کہ چونکہ اس کی برش تیغ کا تذکرہ ہے خوف ہے کہ کہیں سررشتہ ایجاد ہی نہ کٹ جائے۔

شعر (۱۹) مطلب صاف ہے۔

شعر (۲۰) وہی جس شخص کو وصیت کی گئی ہو یعنی تو حضرت خاتم النبیین کا یقیناً وہی ہے۔

شعر (۲۱) ناصیبہ۔ پیشانی حضرت بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھے پر سوار ہو کر رخ مکہ کے حضرت علی نے کعبۃ اللہ کے بت توڑے تھے مطلب صاف ہے۔

شعر (۲۲) واجب، خداوند تعالیٰ۔ یعنی تیری مدح خدا کے سوا کوئی نہیں کر سکتا جس طرح کہ شعلہ شمع ہی شمع کی زینت کا اظہار کر سکتا ہے۔

شعر (۲۳) یعنی تیرا سنگ آستان ایسا ہے جس میں حضرت جبریل کے سجدوں کے نشان ہیں اور وہ نشان گویا اس آئینہ کے جوہر ہیں۔

شعر (۲۴۴) مطلب صاف ہے۔

شعر (۲۴۵) یعنی تیری منقبت کیلئے دل و جان کام و زباں بن گئے ہیں اور تجھے تسلیم کرنے کیلئے روح و قلم دست و جبین ہو گئے ہیں۔

شعر (۲۴۶) مطلب صاف ہے۔

شعر (۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰) اسد اللہ نقب حضرت علی شیر خدا۔ اجابت، قبولیت، شبیر، نقب

حضرت امام حسین علیہ السلام۔ مطلب صاف ہے۔

شعر (۲۵۱) دل و دل حضرت علی کا گھوڑا، یعنی ایسا شوق ہو کہ وہ جہاں قدم رکھے میں اپنی پیشانی کو اُس کیلئے فرشِ راہ بنا دوں۔

شعر (۲۵۲) میرے دل کو الفتِ ممدوح سے نسبت ہو اور میرے سینک فضا تو حید ہو یعنی دل

میں ہو جوش و لا اور سیتہ میں فود عرفاں۔

شعر (۲۵۳) دشمنوں کیلئے روزِ کا دھواں اور شعلے ہوں دردِ دوستوں کیلئے فردوس کے گل و سنبل ہوں

قصیدہ مسووم

بادشاہ ظفر کی مدح میں عید الفطر کے موقع پر لکھا گیا

- ۱ ہاں مہ نوین ہم اس کا نام ا جسکو تو جھک کر رہا ہے سلام
- ۲ دو دن آیا ہے تو نظر دم صبح ہی انداز اور سی اندام
- ۳ بائے دو دن کہاں رہا غائب بندہ عاجز ہے گردشِ ایام
- ۴ اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا آسمان نے بچھا رکھا ہے دام
- ۵ مرحبا اے سرور خاص خواص خدا اے نشاط عام عوام
- ۶ عذر میں تین دن نہ آنے کے لیکے آیا ہے عید کا پیغام
- ۷ اس کو کھولا نہ چاہئے کہنا صبح جو جائے اور آئے شام

ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا ۸ تیرا آغاز اور تیرا انجام
 رازوں مجھ سے کیوں چھپاتا ہے ۹ مجھ کو سمجھا ہے تو کہیں تمام
 جانتا ہوں کہ آج دنیا میں ۱۰ ایک ہی ہے امید گاہ انام
 میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش ۱۱ غالب اس کا مگر نہیں ہے غلام
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو ۱۲ نیت کہا ہے بطرزا استفہام
 ہر تاباں کو ہو تو ہو اسے ماہ ۱۳ قرب ہر روزہ پر سبیل دوام
 تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا ۱۴ جز بہت قریب عید ماہ صیام
 جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو ۱۵ پھر بنا جانتا ہے ماہ تمام
 ماہ بن ہانتا بن میں کون ۱۶ مجھ کو کیا بانٹ دیگا تو الغم
 میرا اپنا جدا معاملہ ہے ۱۷ اور کے لین دین سے کیا کام
 سے تجھے آرزوئے بخشش خاص ۱۸ گریختے سے امید رحمت عام
 جو کہ بخشے گا تجھ کو فر فروغ ۱۹ کیا نہ دیگا تجھے سٹے کلف م
 جب کہ چودہ منازل فلکی ۲۰ کر چکے قطع تیری تیزی گام
 تیرے پر تو سے ہوں فروغ پذیر ۲۱ کوئے مشکوئے و سخن منظر و بام
 دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز ۲۲ اپنی صورت کا اک بلوریں جام
 پھر غزل کی روش پہ چل نکلا ۲۳

طوس طبع چاہتا تھا نگام

غ زہر غم کر چکا تھا میرا کام ۲۴ تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام
 مہر ہی پھر میں نہ کیوں پئے جاؤں ۲۵ غم سے جب ہو گئی ہو زیت حرام
 بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے ۲۶ کہ نہ سمجھیں وہ لذت دشنام
 کعبہ میں جا بجائیں گے ناؤں ۲۷ اب تو باندھا ہے دیر میں احرام

اس قدرح کا ہے دور مجھ کو نقد ۲۸ چرخ نعلی ہو جس سے گردش دام

بوسہ دینے میں ان کو ہے انکار ۲۹ دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام

چھیڑتا ہوں کہ ان کو غصہ آئے

۳۰۔ کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ ۳۱ اے پرچہ پیک تیز خرام

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا ۳۲ ہیں مہ و تہ روز ہرہ و بہرام

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن ۳۳ نام شہنشاہ بدست مقام

قبلہ چشم و دل بہادر شاہ ۳۴ مظہر ذوالجلال واکرام

شہسوار طریقہ انصاف ۳۵ نو بہار حدیقہ اسلام

جس کا ہر فعل صورت اعجاز ۳۶ جس کا ہر قول معنی السام

بزم میں میسر زبان قیصر و جم ۳۷ رزم میں اوستا درستم و سام

اے ترا لطف زندگی افزا ۳۸ اے ترا عہد فرخی فرجام

چشم بد دور خسروانہ شکوہ ۳۹ لوحش اللہ عارفانہ کلام

جاں نثاروں میں تیر قیصر روم ۴۰ جہرہ خواروں میں تیر مرشد جام

وارث ملک جانتے ہیں تجھے ۴۱ ایمنج و تور و خسرو و بہرام

زور بازو میں مانتے ہیں تجھے ۴۲ گیو و گودرز و بینر و رہام

مہربا موٹگانی ناوک ۴۳ آفریں آبداری صمصام

تیر کو تیرے تیر غیر ہدف ۴۴ تیغ کو تیری تیغ خصم نیام

رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند ۴۵ برق کو ہے رہا ہے کیا الزام

تیرے فیصل گراں جسد کی صدا ۴۶ تیرے رخس سبک عنان کا خرام

فن صورت گری میں تیرا گز ۴۷ گرنہ رکھتا ہو دستر گاہ تمام

ق

ق

اس کے مفروضے پر وقت سے ۴۸ کیوں نمایاں ہو صورت ادغام
 جب ازل میں رقم پذیر ہوئے ۴۹ صفحہ ہائے لیلیٰ و ایام
 اور ان اوراق میں بہ کلک قضا ۵۰ مجملہ مندرج ہوئے احکام
 لکھ دیا شایدوں کو عاشق کش ۵۱ لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
 آسماں کو لکھا گیا کہ کیس ۵۲ گنبد تیز گرد نیلی قام
 حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھیں ۵۳ خال کو دانہ اور زلف کو دام
 آتش و آب بار و خاک نے لی ۵۴ وضع سوز و غم ورم و آرام
 ہر رختیاں کا نام خسرو روز ۵۵ ماہ تاباں کا اسم شمسہ شام
 تیری توفیق سلطنت کو بھی ۵۶ دی بدستور صورت ارتقام
 کاتب حکم نے بموجب حکم ۵۷ اس رقم کو دیا طراز دوام
 ہے ازل سے روانی آغاز ۵۸ ہوا بد تک رسائی انجام

شعر (۲) ماہ نور، ہلال، نیا چاند، طلوع ہونے سے دو روز قبل چاند نظر نہیں آتا، دم صبح، صبح کی وقت مطلب ہے
 شعر (۳) چونکہ تو گردش ایام کا بندہ ہے اس لئے مجبور ہے، آسمان نے تاروں کا جال بچھا رکھا تھا اس لئے
 کہیں اڑ کے جانے سکا۔

شعر (۴) ۵، ۱۵، مطلب صاف ہے۔

شعر (۵) یہ ایک ضرب المثل ہے کہ اگر صبح کا بھولا شام کو گھروا پس آجائے تو اسے بھولا نہ جائیے

شعر (۶) ۱۰، ۱۵، ۸، ۱۰، مطلب صاف ہے۔ تمام، چنل خور۔ انام۔ مخلوقات۔

شعر (۷) اگر تو میرے محدود کا حلقہ بگوش ہے تو کیا غائب اس کا غلام نہیں؟

شعر (۸) مطلب صاف ہے۔ شعر (۹) برسبیل دوام۔ ہمیشہ۔

شعر (۱۰) ماہ صیام۔ ماہ رمضان شعر (۱۱) ماہ تمام۔ بدر۔ ماہ کامل۔

شعر (۱۲) فر۔ یعنی بھاگنے، لیکن اس جگہ یہ معنی مراد نہیں۔ بلکہ شان و شوکت، کرم و نور اور

پزلو کے معنی مراد میں لیکن یہ معنی بفتح اور بہ تخفیف رائے آئے ہیں اور یہ تشدید و یہ لفظ گزیرندہ کے معنوں میں آتا ہے۔

شعر ۳۳ تا ۳۴، گام، قدم، مشکوئے، محلات۔ بام۔ کوٹھا، چوڑا نل فلکی، یعنی جب تو بدر بن جائے۔

شعر ۳۴، یعنی میر تو زہرِ غم ہی نے کام تمام کر دیا تھا۔ تو نے ناحق مجھے قتل کر کے رموائی حاصل کی۔

شعر ۳۵ تا ۳۶، زلیست، زندگی، دشنام، گالی، ناتوس، سکھ۔ جو تیخانوں میں بچاتے ہیں۔ گھنٹہ۔ دام

رض۔ ابرام۔ انکاد۔ دق کرنا۔ ضد کرنا۔

شعر ۳۷، بلو، صحن و خوبی چاند کو پری چہرہ اور بوجہ گردش قاصد تیز رفتار کہتا ہے۔

شعر ۳۸ تا ۳۹، بزم۔ تارہ مرتخ۔ حدیقہ۔ باغ۔

شعر ۴۰، رستم و سام، ایران کے مشہور سلوان۔ شعر ۳۸، ۳۹، فرخی فرجام، مبارک انجام۔

شعر ۴۱، مرشد جام، مولانا جامی۔ جرہ۔ گھونٹ۔ شعر ۴۱، شاہان فارس کے نام۔

شعر ۴۲، ایران کے مشہور سلوانوں کے نام۔ شعر ۴۲، موٹگانی، بال کو چیرنا۔ صمصام۔ تلوار۔

شعر ۴۳، یعنی تیرا تیرے کے تیر کو نشانہ بناتا ہے اور تیری تلوار دشمن کی تلوار میں اس طرح سے گھس جاتی

ہے کہ جیسے تلوار نیام میں داخل ہو جاتی ہے۔

شعر ۴۴، ۴۵، رعد۔ فرشتہ۔ بادل کی گرج، گراں جسد۔ بھاری تن و توش، رخس۔ گھوڑا۔

شعر ۴۶، ۴۷، فن ستوری، مصتوری، مقروب، ضرب پایا، بوا زخمی۔ ادا قام۔ کسی چیز کو کسی چیز میں

ملا دینا۔ دھسا دینا۔ یعنی سروتن کا ایک ہو جانا۔

شعر ۴۸، ۴۹، ازل، پیدائش، دنیا کے وقت۔ رقم پذیر۔ لیالی صبح میل۔ ایام صبح یوم۔

شعر ۵۰، شاید محشوق، دشمن کام، بد قسمت، نلوار۔ عاشق کش، عاشقوں کو قتل کرنے والے۔

شعر ۵۱ تا ۵۲، نیلی دام سے رنگ لا، نم، تری، ہم، بھاگنا، شہنشاہ کو تلال، رنشا، اوشن، توقع، فرمان شاہی۔

شعر ۵۳، یعنی کاتب قدرت نے تیرے فرمان سلطنت پر نقش دوام لکھ دیا۔

شعر ۵۴، ابد۔ وہ زمانہ جس کی انتہا نہ ہو یعنی تیری بادشاہی ازل سے شروع ہوئی ہے۔ دہا ہے

کہ خداوند تبارک و تعالیٰ ابد تک پہنچا ہے۔

قصیدہ چہارم

- صبح دم دروازہ خاور کھلا ۱ ہر عالم تاب کا منظر کھلا
خسرو انجم کے آیا صرف میں ۲ شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا
وہ بھی تھا اک سیمیا کی سی نمود ۳ صبح کو راز مہ و اختر کھلا
ہیں کو اک کچھ نظر آتے ہیں کچھ ۴ دیتے ہیں دھوکا یہ باز گر کھلا
سطح گردوں پر پڑا تھا رات کو ۵ موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانب مشرق نظر ۶ اک نگار آتشیں رخ سر کھلا
کتنی نظر بندی کیا جب رد سحر ۷ بادہ گل رنگ کا ساغر کھلا
لاکے ساغر نے صبحی کے لئے ۸ رکھ دیا ہے ایک جام زر کھلا
بزم سلطانی ہوئی آراستہ ۹ کعبہ امن و اماں کا در کھلا
تاج زریں مہر تاباں سے ہوا ۱۰ خسرو آفاق کے منہ پر کھلا
شاہ و شہدل بہادر شہ کہ ہے ۱۱ راز ہستی اس پہ ستر تاسر کھلا
وہ کہ جس کی صورت تکوین میں ۱۲ مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا
وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے ۱۳ عقدہ احکام پیغمبر کھلا
پیلے دار کا نکل آیا ہے نام ۱۴ اسکے سر منگوں کا جب دفتر کھلا
روشناسوں کی جہاں فہرست ہے ۱۵ وں لکھا ہے چہرہ قبصر کھلا
توسن شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب ۱۶ بھان سے وہ غیرت صرصر کھلا
نقش پاکی صورتیں وہ دلفریب ۱۷ تو کے بت خانہ آذر کھلا
مجھ یہ فیض تربت سے شاہ کے ۱۸ منصب ہر و مہ و محور کھلا
لاکھ عشقے دل میں تھے لیکن ہر ایک ۱۹ میری حد و سحر سے باہر کھلا

- تھا دل والے تہ قفل بے کلید ۲۰ کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا
 باغ معنی کی دکھاؤں گا ہزار ۲۱ مجھ سے گر شاہ سخن گستر کھلا
 ہو جہاں گرم غزل خوانی نفس ۲۲ لوگ جانیں طبیبہ عنبر کھلا
 کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا ۲۳ کاشکہ ہوتا قفس کا در کھلا
 ہم پکاریں ور کھلے یوں کون جائے ۲۴ یار کا دروازہ پائیں گر کھلا
 ہم کو ہے اس رازداری پر گھنڈ ۲۵ دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا
 واقعی دل پر کھلا لگتا ہے داغ ۲۶ زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا
 ہاتھ سے رکھ دی کب بروکھاں ۲۷ کب کمر سے غمزہ کی خنجر کھلا
 مفت کا کس کو برا ہے بدرقہ ۲۸ رہروی میں پردہ رہبر کھلا
 سوزِ دل کیا کرے بارانِ شک ۲۹ آگ بھڑکی منہ اگر دم بھر کھلا
 نامے کے ساتھ آگیا مغلہ مرگ ۳۰ رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا
 دیکھو غالب سے گرا تھا کوئی ۳۱ ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا
 پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال ۳۲ پھر مرہ و خورشید کا دفتر کھلا
 خامہ نے پانی طبیعت سے طرد ۳۳ بادباں کے اٹھتے ہی لشکر کھلا
 مدح سے ممدوح کی دیکھو شکوہ ۳۴ عرض سے یاں رتبہ جو ہر کھلا
 مہر کا نیا چرخ چکر کھا گیا ۳۵ بادشہ کا رایت لشکر کھلا
 بادشہ کا نام لیتا ہے خلیف ۳۶ اب علویے پایہ منبر کھلا
 سکہ شہ کا ہوا ہے روشناس ۳۷ اب عیار آبرو کے زر کھلا
 شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ ۳۸ اب مال سخی اسکن در کھلا
 ملک کے وارث کو دیکھا خلی نے ۳۹ اب فریب طفل و سحر کھلا
 ہو سکے کیا طح، ہاں ک نام ہے ۴۰ دفتر مدح جہاں داور کھلا

فلک اچھی پرستاش نامتام ۴۱ عجز اعجاز تنائش گر کھلا
جانتا ہوں ہے خط لوح ازل ۴۲ تم پہ اے خاقان نام آور کھلا
تم کرو صاحبقرانی جب تلک
۴۳ - ہے طلسم روز و شب کا در کھلا

شعر ۱۲، خاور - مشرق، گنجینہ - خزانہ -

شعر ۱۳، سیمیا وہ علم طلسم کہ جس سے روح کو دوسرے کے بدن میں منتقل کر کے جو شکل چاہیں بنجاتے ہیں اور
موجود بنیں کہ درحقیقت بے وجود ہوتی ہیں دکھائی دیتی ہیں -

شعر ۱۴، کوکب جمع کوکب، ستارے -

شعر ۱۵، سطح حجاز میدان - یعنی تاروں کے روشن ہونے سے موتیوں کا زیور مراد لیا ہے -

شعر ۱۶، سر کھٹا - ننگے سر - آتش رخ - سرخ رنگ - یعنی آفتاب پر چہرہ معشوق کا دھوکا ہوا -

شعر ۱۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، صوبہ، وہ شراب جو صبح کے وقت پی جاتی ہے - پھر بادہ گل رنگ کا

ساغر معلوم ہوا - ساغر زر پھر ساغر زر معلوم ہوا - خسرو آفاق - بادشاہ عالم -

شعر ۱۸، تکوین، پیدا کرنا - یعنی وہ بادشاہ کہ جس کی پیدائش کے سبب نو سمانوں اور ستاروں

کے ظہور کا مقصد ظاہر ہوا یعنی یہی کسی کے لئے پیدا ہوئے تھے -

شعر ۱۹، عقدہ، گرہ، تاویل - جملہ شریعی - پھیرنا کلام کا ظاہر سے اس جہت کی طرف کہ احتمال رکھتا

ہو تاویل مشتق ہے اول سے یعنی پھر کلام کا طرف اول کے وغیرہ -

شعر ۲۰، سر ننگ، سردار لشکر و نقیب و چو بدار و پیلوان و افسر حاضر باش -

شعر ۲۱، ۱۵، ۱۶، تھان، گھوڑا باندھنے کی جگہ - غیرت مصر، ہوا سے بھی زیادہ تیز -

شعر ۲۲، آزر - نام حضرت ابراہیم کے چچا کا جو کہ بت تراش تھے -

شعر ۲۳، چرخ دو ناک تیر چرخ کے گرد وہ پھر تابے یعنی اصطلاح ریاضی میں وہ خط مہوم کہ جو طلب

شمالی سے طلب جنوبی تک کیلئے لگایا ہے اور جس کے چاروں طرف زمین گردش کرتی ہے -

شعر ۱۹، یعنی میردلیں لکھوں گر میں تھیں جو کھلنا میری طاقت باہر تھا لیکن آپ کی توجہ سے ہر ایک گرہ کھل گئی۔

شعر ۲۰، تفل، تالا، کلید، کنجی۔ شعر ۲۱، شاہن گستر کھلا یعنی اگر مجھ پر نظر اتفاقات فرمائی۔

شعر ۲۲، طبلہ، صندوقچہ۔ شعر ۲۳، مطلب صاف ہے کنج۔ گوشہ۔

شعر ۲۴، یعنی ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ یار کے دروازے پر جا کر دستاکیں تب دروازہ کھلے ہم تو یہ

چاہتے ہیں کہ ہر وقت دروازہ کھلا رہے اور ہم بے دھڑک اندر چلے جائیں۔

شعر ۲۵، ۲۶، ۲۷، مطلب صاف ہے۔

شعر ۲۸، بدرقہ، ریسبر یعنی رہنما کی تار اقیقت کا حال ہم پر ظاہر ہو گیا کہ وہ ہمیں منزل مقصود پر نہیں لے سکتا

شعر ۲۹، یہ تو صبح ہے کہ اشکوں کی جھڑی دل میں ضرور کچھ ٹھنڈک پیدا کر دیتی ہے لیکن اس کا کیا علاج

کیا جائے کہ اگر دروازہ فنا تھا تو سوز دل سے بھڑک اٹھتی ہے۔

شعر ۳۰، یعنی مجھ کو بکا خط آیا اور میں شادی مرگ ہو گئی اور خط ہماری چھاتی پر کھلا رہ گیا۔

شعر ۳۱، یعنی غالب ظاہر میں تو کافر ہے اور باطن میں ولی، اس سے کہیں لڑائی جھگڑا نہ کرنا۔

شعر ۳۲، بدعت طراری، مفاد میں ح کا لکھنا شعر ۳۳، خامہ یعنی قلم کو بار بار سے اور لشکر کو طبیعت کہا ہے۔

شعر ۳۴، مدح کو عرض اور مدح کو جو ہر تصور کیا ہے شعر ۳۵، رایت۔ علم۔ لشکر،

شعر ۳۶، مطلب صاف ہے شعر ۳۷، عیار۔ کسوٹی۔ سونے تو لے کے ترازو۔

شعر ۳۸، آل۔ انجام۔ اسکندر کے موجد آئینہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

شعر ۳۹، غنفل و سحر بادشاہوں کے نام شعر ۴۰، الہم، جبار اور۔ بادشاہ ام، نساہش، طرح و تعریف،

شعر ۴۱، خاتون، بادشاہ، یعنی اے بادشاہ نامور مجھے معلوم ہے کہ تو لاج ازل کی تحریک سے واقف

ہے اس لئے میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔

شعر ۴۲، صاحبقران و بادشاہ ہوتا ہے جس کی ولادت کے وقت زہرہ مشتری کا قرآن یعنی اھل ہوا اور

۱۰ لاج اہل نجوم میں صاحبقران اسے کہتے ہیں کہ جس سال ولادت میں زحل و مشتری کا قرآن غنفل ہوا ہو

اور صاحبقران نہایت جمیل انداز اور خارج بادشاہ ہوتا ہے۔

فثنوی در صفت انہ

- ۱ ہاں دل در و مند زمزمہ ساز ۱ کیوں نہ کھولے درخزنیہ راز
 ۲ خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا ۲ شاخ گل کا ہے گلشن ہونا
 ۳ مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھے ۳ نکتہ ہائے خسرو فرا لکھے
 ۴ بایں آموں کا کچھ بیاں ہو جائے ۴ خامہ نخل رطب فشاں ہو جائے
 ۵ آم کا کون مرد میدان ہے ۵ ثمر و شلخ گوئے و چوگیاں ہے
 ۶ تاک کے جی میں کیوں ہے رماں ۶ آئے یہ گوئے اور یہ میدان
 ۷ آم کے آگے پیش جاوے خاک ۷ پھوڑتا ہے جلے پھوڑے تاک
 ۸ نہ چلا جب کسی طرح مقدور ۸ بادۂ ناب بن گیا انگور
 ۹ یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے ۹ شرم سے پانی پانی ہونا ہے
 ۱۰ مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے ۱۰ آم کے آگے نشکر کیا ہے
 ۱۱ نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار ۱۱ جب خزاں ہونب آئے اسکی بہار
 ۱۲ اور دوڑائیے قیاس کساں ۱۲ جاں شیریں میں یہ مٹھاس کہاں
 ۱۳ جان میں ہوتی گر یہ شیرینی ۱۳ کوہن باوجود غم کیسنی
 ۱۴ جان دینے میں اسکو نیکت جان ۱۴ پروہ یوں سہل دے نہ سکتا جان
 ۱۵ نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر ۱۵ کہ دواخانہ ازل میں مگر
 ۱۶ آتش گل پہ قند کا ہے قوام ۱۶ شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام
 ۱۷ ق بایہ ہوگا کہ فرط رافت سے ۱۷ باغیانوں نے باغ جنت سے
 ۱۸ انجلیں کے حکم رب الناس ۱۸ بھر کے بھیجے ہیں سرمہ برکلاس
 ۱۹ یا لگا کر خضر نے شاخ نبات ۱۹ مدتوں تک دیا ہے آب حیات

تب ہوا ہے مرفشاں یہ نخل ۲۰ ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
 تھا ترنج زر ایک خسرو پاس ۲۱ رنگ کا زرد پر کہاں بوباس
 آم کو دیکھتا اگر اک بار ۲۲ پھینک دیتا طلحے دست افشار
 رونق کار گاہ برگ و نوا ۲۳ نازش دودمان آب و ہوا
 رہرور راہ خلد کا توشہ ۲۴ طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ
 صاحب شاخ و برگ بار ہے آم ۲۵ ناز پروردہ ہمار ہے آم
 خاص ہ آم جو نہ ارزاں ہو ۲۶ نذر نخل باغ سلطان ہو
 وہ کہ ہے والی ولایت عمد ۲۷ عدل سے اسکے ہے حایت عمد
 فخر دیں عز و شان و جاہ و جلال ۲۸ زینت طینت و جمال و کمال
 کار فرمائے دین دولت و نجات ۲۹ چہرہ آرائے تاج و مندر تخت
 سایہ اس کا ہما کا سایہ ہے ۳۰ خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
 اے مفیض وجود و سایہ و نور ۳۱ جب تک ہے نمود و سایہ و نور
 اس خداوند بندہ پرور کو ۳۲ وارث گنج و تخت و افسر کو

شاد دل شاد، شاد ماں رکھو

۳۳

اور غالب پہ مسرہاں رکھو!

شعرا، زمزمہ، مرثیہ، یعنی آہستہ گانا، مطلب ہے کہ اے مرثیہ زد دل، مومنہ تو خزانہ راز کا دوزخہ کیوں بھونکتی۔
 شعر ۱، ۲، ۳، نکتہ آخر دفر، عقل بڑھتا ولی باریکیاں، شعر ۴، نخل، رطب، گجور کا درخت۔
 شعر ۵، شہر بیل گئے، گیتند۔ چوگاں۔ وہ لکڑی جس سے سرخسیدہ ہوا اور جس سے گیتند کیلا جائے۔
 شعر ۶، ۷، تاک، انگور کی بیل، اس شعر میں لفظ تاک بمعنی تکیہ استعمال کیا ہے کیونکہ لغت میں
 لفظ تاک سے معنی انگور کا درخت لکھے ہیں پس لفظ درخت کے لحاظ سے ذکر لکھا ہے نگوروں کو تاک کہہ پیو لو
 سے تشبیہ و تمثیل ایک بدیع تشبیہ ہے۔

تیرا اقبال ترحم مرے جینے کی نوید ۹ تیرا انداز تغافل مرے مرنے کی دلیل
 بخت ناما ساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں ۱۰ چرخ کج باز نے چاہا کہ کہے مجھ کو دلیل
 پیچھے ڈالی ہے سرِ رشتہ اوقات میں گمانٹھ ۱۱ پہلے کھٹوئی ہے بن ناخن تدبیر میں کیل
 پیش دل نہیں بے رابطہ خوفِ عظیم ۱۲ کشش دم نہیں بے ضابطہ جترِ ثقیل
 دُریغی سے ہر صنفِ لقا کی داڑھی ۱۳ غم گیتی سے ہر اسینہ عمر کی زنجیل
 فکر میری گہرا تندرہ اشارات کثیر ۱۴ کلک میری رقم آموز عبارات قلیل
 میرے بہام پہ ہوتی ہے تصدیقِ موقع ۱۵ میرے اجمال سے کرتی ہے تراوشِ تفصیل
 نیکہ ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف ۱۶ جمع ہوتی مری خاطر آ نہ کرتا تفحیل

قلہ کون و مکان خستہ فواری میں یہ دیر
 کعبہ امنِ امان عقدہ کشائی میں یہ دھیل

شعرا، عدیل وہ دو شخص جو ایک کجاوہ میں دو نفل طرف بیٹھیں، بے مثل، بنیظیر، بے شبہ، بے عدیل یہ
 تمام لفظ ہم معنی ہیں شعر ۲، اورنگ، تخت، اکیل، تلج، فرق، سر کی مانگ، سرِ مطلب ہے تیرے پاؤں پر
 تخت اپنا سر ارادت ملتا ہے اور تلج تیرے سر سے سعادت حاصل کرتا ہے۔ شعر ۳، شانہ، گنگھی۔
 شعر ۴، کلیم، حضرت مولیٰ۔ ماندہ، خواں طعام، خواں نمبت، بذل بخشش، خلیل۔ حضرت ابراہیم۔
 شعر ۵، یعنی تیری نھدانی سے الفاظ و معانی کا رتبہ بلند ہو گیا بہت اور تیرے بجز کرم کے مطلب میں قلم
 نہیں ترسندہ ہیں۔ شعر ۶، توفیر، زیادتی، تفصیل، کمی۔

شعرا، اندرہ برج آسمانی جو ہل کی مشابہت ہے، حوت، وہ برج آسمانی جو مچھلی کی صورت پر ہے۔ چاند کا برج
 قد میں ہونا اور زہرہ کا حوت میں ہونا مبارک سمجھا جاتا ہے شعر ۸، انجلیج۔ حاجت روائی مطلب براری۔
 شعر ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، نوید۔ خوشخبری، جرتھیل، نام ایک علم کا جس میں وزنی اور بھاری چیزوں کے کٹھننے کے
 قواعد بیان ہوتے ہیں، شعر ۱۳، لقا کی داڑھی اور عمر کی زنجیل، قاضی صفا فرماتے ہیں کہ یہ دونوں تلخیص و استبان
 امیر مزہ سے ملی گئی ہیں، مشہور ہے کہ لقا کی داڑھی کے ہر ایک بال میں موتی پروئے گئے تھے عمر عبادی نسبت کیا

صومعہ میں اسے ٹھہرائیے گر ہر ساز ۹ میکدے میں اسے خشت خم صہبا کیے
 کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھیے ۱۰ کیوں اسے نقطہ پر کار متنا کیے
 کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیے ۱۱ کیوں اسے مرد مک دیدہ عتقا کیے
 کیوں اسے تکمہ پیرا من لیلے کیے ۱۲ کیوں اسے نقش پے ناقہ تسللی کیے
 اپنے حضرت کے کف دست کو دل کیے فرض
 ۱۳۔ اور اس چکنی سپاری کو سویدا کیے

شعر ۱، ۲، ۳، انگشت بدنداں - حیرت زدہ - سر بگریاں - متفکر - حزد - تعویذ -
 شعر ۴، ۵، خاتم - انگوٹھی - مانا - مانند - مشابہ -

شعر ۶، ۷، ۸، ۹، جہراں سود - وہ سیاہ پتھر جو کعبہ میں ہے - صومعہ - عبادت خانہ -
 شعر ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، گنج - خزانہ - مرد مک - پتلی - تکمہ - گھنڈی - پے - قدم - ناقہ - اوشنی
 سلما - نام عرب کی ایک معشوقہ - سویدا - سیاہی -
 (۵) نہ بوجھ اس کی حقیقت حضور والے
 نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر
 مجھے جو بھی ہے بسین کی روغنی روٹی
 جو کھاتے حضرت آدم یہ بسینی روٹی
 بادشاہ نے مرزا صاحب کو بسینی روٹی بھی تھی جس کے شکر یہ میں یہ قطعہ لکھا گیا تھا - مطلب یہ ہے -
 کہ بہشت میں بھی ایسی بسینی روٹی نہیں ہے - اگر حضرت آدم یہ بسینی روٹی کھا لیتے تو پھر گیہوں کی روٹی
 کبھی نہ کھاتے -

سہرا

خوش ہواے بخت کہ ہے آج تم سے سرسرا
 بانہ شہزادہ جواں بخت سر پر سہرا
 کیا ہی اس چاند سی مکھڑے پہ بھال لگتا ہے
 سے ترے حسن دل افروز کا زور سہرا
 سر پہ چڑھنا تجھے بھتا ہے پر طرف کا
 مجھ کو ڈر ہے کہ نہ جھینے تر المیر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پھوٹے گئے ہونگے موتی
 سات دریا کے فراہم کئے ہونگے موتی
 لٹخ یہ دلو لھا کے جو گرجی سے پسینہ ٹپکا
 یہ بھی اکتے ادنی تھی کہ قبیلے بڑھ جائے
 جی میں تراشیں موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
 جبکہ اپنے میں سلاویں نہ خوشی کے مارے
 رخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک
 تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار
 ور نہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا
 تب بنا ہو گا اس انداز کا گز بھر سہرا
 پے رگ ابر گربار سہرا سہرا
 رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا
 چاہیے پھولوں کا بھی ایک مکر سہرا
 گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا
 کیوں دکھائے فریغ مہ و اختر سہرا
 لائے کیا تاب گرا نیاری گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
 دیکھیں کمدے کوئی اس سہرے بہتر سہرا

اس سہرے میں کوئی شعر ایسا نہیں جو قابلِ شرح ہو، عام فہم ہے، لہذا لفظ مرزا جھٹانے لفظ نمبر کو
 بگاڑ کر لکھا ہے، مرزا غالب کے مقطع کی بنیاد پر ذوقِ مرحوم کو بھی سہرا لکھنا پڑا۔ مرزا جھٹکا کو فکر ہوئی کہ کیسے لکھنا
 ندامت نہ ہو گئے ہوں فوراً ایک قطعہ محدث لکھا جو درج ذیل ہے۔

۱۔ منظور ہے گذارش احوال واقعی ۱ اپنا بیان حسنِ طبیعت نہیں مجھے
 سوچت سے ہی پیشہ آبا سپہ گری ۲ کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے
 ۳۔ زار و زہوں اور مر اسدکٹ بھلج کل ۳ ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
 کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں ۴ مانا کہ جاہ و منصب ثروت نہیں مجھے
 استادش سے ہو مجھے پر خاش کا خیال ۵ یہ تاب، یہ حیاں یہ طاقت نہیں مجھے
 جامِ جہاں ماہی شہنشاہ کا ضمیر ۶ سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
 میں کون؟ اور رنجتہ ہاں اس سے مدعا ۷ جزا انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے
 سہرا لکھا گیا زرہ اتشال امر ۸ دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے

قطعہ آخری چہار شنبہ

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر جلو
جو آئے جام بھر کے پیئے اور سو کے مست
رکھیں چمن میں بھر کے مٹے مشکبو کی ماند
بہنے کو روند تا پھسے پھولوں کو جائے بھاند
ہے جنکے آگے سیم وزیر ہر ماہ ماند
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور ہیشیا چاند

غالب یہ کیا بیاں ہے بجز مدح بادشاہ

بھاتی نہایت اب مجھے کوئی نوشت و خواند

آخری چہار شنبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم صحت ہے۔ بادشاہ کے یہاں اس روز خوشی میں سونے چاندی کے چھلے تقسیم کئے جاتے تھے۔

در مدح بادشاہ

۱ اے شاہ جہانگیر، جہاں بخش، جہاندار
۲ جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو
۳ ممکن ہے کہے خضر سکندر سے ترا ذکر
۴ آصف کو سیلیمان کی وزارت شرف تھا
۵ ہے نقش مریدی ترا فرمان الہی
۶ تو آب گریب کہے طاقت سیلاں
۷ دھونڈے نہ ملے موجہ دریا میں روانی
۸ ہے گرجہ مجھے نکتہ سرانی میں تو غل
۹ کیونکر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر

۱ ہے غیب ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
۲ تو واکرے اس عقدے کو وہ بھی بشارت
۳ گریب کو نہ دے چشمہ حیوان طہارت
۴ ہے فخر سیلیمان جو کہے تیری وزارت
۵ ہے داغ غلامی ترا تو قیام امارت
۶ تو آگ سے گردِ دفع کرے تاب شہادت
۷ باقی نہ ہے نقش سوزاں میں حرارت
۸ ہے گرجہ مجھے سحر طرازی میں مہارت
۹ قاصر ہے شکایت میں تری میری عبارت

فروز تیرا آج اور وہ ن بے کہہ چکے ہیں ۱۰ تظار کی صنعت حق اہل بصارت

تجھ کو شرف ہر جہاں تاب مبارک !

غائب کو ترے عتبہ عالی کی زیارت

شعر ۳، ممکن ہے کہ بے استفہام انگاری ہے۔

شعر ۶، ۷، سب کرے چپن لے۔ تاب شرارت۔ سوزش، چمک۔

شعر ۸، توغل۔ کمال مشق۔ سحر طرازی۔ جادو رنگاری۔

شعر ۱۰، ۱۱، قاصر۔ عاجز۔ نظارہ کرنے والے۔ بطور اسم فاعل لکھا ہے۔

شعر ۱۱، عتبہ۔ آستانہ۔

۱۱) افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو اس شخص کو ضرور ہر روزہ رکھا کرے
جن پاس روزہ کھول کر کھانے کو کچھ نہ ہو روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

افطار۔ روزہ کھولنا۔ صوم۔ روزہ۔ دستگاہ۔ سرمایہ۔ سامان،

گزارش مصنف بحضور پادشاہ

- (۱۱) اے شہنشاہ آسماں اور نگ ۱ اے جہاندار آفتاب آثار
نہا میں اک بنوائے گوشہ نشین ۲ تھاپیں اک درو مند سینہ فگار
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی ۳ ہوئی میری وہ گرمی بازار
کہ ہوا مجھ سا ذرہ ناچینہ ۴ روشناس ثوابت و ستار
گرچہ از روئے ننگ بے نرمی ۵ ہوں خود بینی نظر میں اتنا خوار
کہ گمراہ بنے کہ میں کموں خاکی ۶ جانتا ہوں کہ اے خاک کو عار
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں ہوں ۷ بادشہ کا غلام کار گزار
خانہ زاد اور مرید اور مداح ۸ نہا ہمیشہ سے یہ سر نشینہ نگار

- ۹ بائے نوکر بھی ہو گیا صد شکر ۹ نسبت ہو گئیں مستحق حیار
 نہ کہوں آپے تو کس سے کہوں ۱۰ مدعا ئے ضروری الا ظہار
 سپر و سر شد اگر چہ مجھ کو نہیں ۱۱ ذوق آرایش سر و دستار
 کچھ تو جاگے میں جا بیٹے آخر ۱۲ تانہ سے باد زہر اسرار
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوش ۱۳ جسم رکھتا ہوں ہے اگر چہ نزار
 کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال ۱۴ کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ ۱۵ بھاڑ میں جا میں ایسے میل و نہار
 آگ تپے کہاں تلک انسان ۱۶ دھوپ کھائے کہاں تلک جاندار
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی ۱۷ وقتا رہتا عذاب النار
 میری تنخواہ جو مقدر ہے ۱۸ اس کے طنے کا ہے عجب ہنچار
 رسم ہے مرنے کی چھ ماہی ایک ۱۹ خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات ۲۰ اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار
 بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض ۲۱ اور رہتی ہے سود کی تکرار
 میری تنخواہ میں تہائی کا ۲۲ ہو گیا ہے شریک ساہیکار
 آج مجھ سا نہیں زمانے میں ۲۳ شاعر نغز گوئے و خوش گفتار
 رزم کی داستاں اگر سنئے ۲۴ ہے زباں میری تیغ جو ہر دار
 بزم کا الترام گر کیجئے ۲۵ ہے قلم میرا ابر گو ہر بار
 ظلم ہے گرنہ دو سخن کی داد ۲۶ قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار
 آپ کا بندہ اور پھروں ننگا ۲۷ آپ کا نوکر اور کھاؤں دھار
 میری تنخواہ کیجئے ۵۵ مہما ۲۸ تانہ ہو مجھ کو زندگی و شوار
 ختم کرتا ہوں اب دعا یہ کلام ۲۹ شاعری سے نہیں مجھے سروکار

(۱۵) ہونی جب میرزا جعفر کی شادی ہو ا بزم طرب میں رقص ناہمید

کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے

رقص - ناچ - ناہمید - ستارہ زہرہ جو فلک سوئم پر ہے اور اسے مطربہ فلک بھی کہتے ہیں۔

(۱۶) گو ایک شاہ کے سب خانہ زاد میں دربار دار لوگ ہم آشنا نہیں

کانوں پہ تکتے دھرتے ہیں کرتے پٹے سلام اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

بادشاہ کے دربار کا یہ آداب تھا کہ آپس میں جو دہاں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے تو ملتے پہناتے لیکن

کی جگہ دیاں ہاتھ دل میں کان پر رکھتے تھے، چونکہ اردو محاورہ میں کانوں پر ہاتھ دھرنے کے یہی معنی ہیں کہ ہم

آشنا نہیں۔ اس لئے مرزا نے اس کو اس پیرا میں بیان کیا ہے۔ (یادگار غالب)

رباعی

(۱) بعد از اتمام بزم عید اطفال ایام جوانی رہے سیاغرش حال

آپہنچے ہیں تا سواد اقلیم عدم اے عمر گذشتہ یک قدم استقبال

اتمام - پورا کرنا۔ انجام کو پہنچانا۔ سواد - اطراف شہر۔ اقلیم عدم - ملک نفاذ یعنی جب بچپن کے کھیل کور

کی محفل برہم ہوئی تو شراب جوانی میں مست ہوئے پھر ضعیفی آئی تو گویا ملک عدم کے گناہے آپہنچے اور پھر عمر

گذشتہ سے خواہش کی کہ اب تو ایک قدم ہمارے استقبال کے لئے آ۔

شیخ الہی بخش رفیق مرحوم کی رباعی جوانوں نے حالت نزع میں لکھی تھی ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔

کشتی عمر سے اترے عدم آباد آیا بھر ہستی کا کف وہ دل ناشاد آیا

شکر صد شکر کہ آیا ملک الموت رفیق آج اس وعدہ فراموش کو میں یاد آیا

(۲) شب زلف رخ عرق فشان کا غم تھا کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا

رویا میں ہزار آنکھ سے صبح ملک ہر قطرہ اشک دیدہ پیر غم تھا

رنج عرق فشان - پسینہ آیا ہوا چہرہ - یعنی رات کو زلف و رخ کے خیال میں جو رویا تو زلف کی سیاہی اور رخ

کی سفیدی کے باعث ہر قطرہ اشک میں آنکھ کی سی سیاہی و سفیدی پیدا ہو گئی۔ تو گویا ہزار آنکھ سے میں رویا۔

(۳۷) دل تھا کہ جو جان درد تمہید سی بے تابی رشک و حسرت دید سی
ہم اور فسادن اے تجسلی افسوس تکرار روا نہیں تو تجسید سی

جان درد تمہید۔ یعنی وہ جان جس کا آغاز درد سے ہو۔ تجسید۔ از سر نو پیدا کرنا۔ سی۔ شعر و لی کے درد
مصرعوں میں برداشت کے معنوں میں آتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جب ہمارے پاس دل تھا تو ہم عشق و محبت کی تمام
مصیبتیں برداشت کرتے تھے، لیکن افسوس کہ اب ہمارے دل و جان افسردہ ہو چکے ہیں۔ اے تجلی طور اگر تو
دوبارہ اپنا کرشمہ نہیں کھا سکتی تو تجسید یہی سی۔ یعنی نئے انداز سے جلوہ افروزی ہو کیونکہ میرے دل
افسردہ میں پھر ہوس سوز پیدا ہوئی ہے۔

(۳۸) آتش بازی ہے جیسے شغل اطفال ہے سوز جگر کا بھی اسی طور سے حال
تھا موجد عشق بھی قیامت کوئی بچوں کے لئے کیا ہے کیا کھیل نکال

لڑکوں سے عشق مراد میں جو عاشقوں کے جگر جلا کر آتش بازی کا تماشہ دیکھتے ہیں۔

(۳۹) ہے خلق حسد فحاش لڑنے کے لئے وحشت کدہ تلاش لڑنے کے لئے

یعنی ہر یار صورت کا غنہ باد ملتے ہیں یہ ید معاش لڑنے کے لئے

فحاش۔ دل و متاع۔ جامہ ریشیں۔ جوہر۔ صفت، تلاش۔ روزی۔ کاغذ بلو۔ تنگ۔ حسد۔ فحاش۔
یعنی جس نے جامہ حسد پہن لیا ہو یعنی دو شخصوں کا آپس میں ملنا ایسا ہے جیسے دو کنگوے آپس میں
لڑتے ہیں۔ وحشت کدہ تلاش سے دنیا مراد ہے۔

(۴۰) دل سخت نثرند ہو گیا ہے گویا اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا

پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں غالب منہ مند ہو گیا ہے گویا

نثرند۔ غمناک و خوار۔ مطلب صاف ہے۔

(۴۱) دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب دل رک رک کے مند ہو گیا ہے غالب

واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں سونا سو گند ہو گیا ہے غالب

دکھ جی کے پسند۔ یعنی دکھ دل کو پسند آ گیا ہے۔ سو گند۔ قسم۔

(۸) مشکل ہے زبں کلام میرا ہے دل سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گوئم مشکل و گرنہ گوئم مشکل

آخر کے مصرعہ میں دو معنی پیدا ہو گئے ہیں ایک یہ کہ اگر ان کی فرمائش پوری کروں اور آسان شعر کہوں تو یہ مشکل ہے کہ اپنی طبیعت کے اقتضاد کے خلاف ہے اور آسان نہ کہوں تو یہ مشکل ہے کہ وہ بُرا ملتے ہیں۔ اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اس باب میں صاف صاف بات کہتا ہوں تو سخنورانِ کامل کی مانگی اور کنندہ ہی ظاہر ہوتی ہے اور اگر صاف صاف نہ کہوں تو آپ ملزم بھڑتا ہوں پس ہر طرح مشکل ہے۔ (یادگار غالب)

(۹) بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ حجاج نے دال ہے لطف و عنایات شہنشاہ بہ دال
یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال ہے دولت و دین دانش و داد کی دال

شاہِ حجاج معنی ہم مرتبہ جمشید۔ مصرعہ ثانی میں لفظ دال بمعنی دلالت کرنا استعمال ہوا ہے بادشاہ کے یہاں مرنگ کی دال نہایت نفیس و لذیذ پکا کرتی تھی جو شاہ پسند کھاتی تھی۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے یہ دال مرزا غالب کو بھیجی۔ یہ رباعی اسی کا شکر تہ ہے۔

(۱۰) ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم آثارِ جمالی و جلالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سانلِ عالی باہم ہے ایکے شب قدر و دوالی باہم

سانل۔ پت، مطلب ہے کہ ہمارے بادشاہ میں دو طرح کی شوکتیں اور صفات موجود ہیں اور اس میں جلال و جلال کے آثار ہیں، چونکہ دیوالی اور شب قدر ایکے اکٹھے آتی ہیں۔ اس لئے اونے و اعلیٰ کیوں نہ خوشیاں منائیں؟

(۱۱) حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کیے تا شاہ شیوع دانش و داد کرے
یہی جو گئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ ہے صفر کہ افزائش اعداد کرے

شیوع۔ ظاہر ہونا۔ رواج پانا۔ اشاعت کرنا۔ یہ رباعی مرزا صاحب نے بادشاہ کی سالگرہ کے موقع پر لکھی تھی۔ صفر وہ نقطہ ہے جو حساب میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رشتہ عمر کی جو گرہ ہے یہ گرہ نہیں بلکہ وہ صفر ہے۔ ۱۰۰ اکو اور ۱۰۰ اکو ۱۰۰ اکو دیتا ہے۔

(۱۲) اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا ہر سینکڑے کو ایک گرہ فرض کریں ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ سوا یہ رباعی بھی رباعی بالا سے منسلک سمجھنی چاہیے۔

(۱۳) کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں عشاق کی پریش سے اُسے عار نہیں جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا کیونکر مانوں کہ اس میں تلوار نہیں ظلم سے ہاتھ اٹھانا۔ دست بردار ہونا۔ اس میں ایہام ہے۔ سبحان اللہ کیا شعر کہا ہے۔ مطلب ہے کہ جو ہاتھ ظلم سے اٹھایا جائے گا۔ اس میں ضرورت تلوار ہوگی۔

(۱۴) ہم گریہ بنے سلام کرنے والے کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے کہتے ہیں تمہیں خدا سے اللہ اللہ وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے درنگ۔ توقف۔ یعنی ہم ہر چند اراکین و دربار کی منیتوں خوشامدی کرتے ہیں انہیں جھک جھک کر سلام کرتے ہیں لیکن وہ نہایت لاپرواہی سے ہمارے کام میں یکر کرتے ہیں، تنگ آکر ہم اپنے دل میں کہتے ہیں کہ آؤ خلا ہی کی جناب میں عرض معروض ادد دعا کرو۔ دل کہتا ہے اللہ اللہ کرو وہ آپ ہی صبح و شام کرنے والے ہیں۔ صبح و شام کرنا لیت و عل کے معنوں پر آتا ہے اور یہ معنی بھی صحیح ہیں کہ خدا صبح و شام کا پیدا کرنے والا ہے لیکن اصل مطلب یہی ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ خدا بھی ہماری ہر ایک دعا قبول کرے۔

(۱۵) سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں روزہ مرا ایمان ہے غالب۔ لیکن خس خانہ و برف آب کہاں سے لاؤں

یہ رباعی بھی اسی قطعہ کے ساتھ دربار میں پیش کی گئی تھی۔ جس میں روزے کا مضمون موج تھا اس رباعی کا مطلب یہی ہے کہ میرے پاس کھانے اور سونے کا تو سامان نہیں روزہ رکھنے کوں یعنی امر اوگ تو موسم گرا

میں روزہ رکھ کر اور خس کی ٹٹیاں لگا کر ٹھنڈے مکانوں میں آرام کرتے ہیں اور روزہ کھولنے کے

وقت شربت و برف سے کلیجہ ٹھنڈا کرتے ہیں۔ میں خالی روزہ رکھ کر کیا کروں؟

(۱۶) ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے بھیجے ہیں جو ارغواں شہ والا نے

سُن کر دیویں گئے، ہم دعائیں سو بار فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

ارغواں تحفہ۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے مرزا صاحب کو ڈالی میں سیم کے بیج بھی بھیجے تھے جس کے

شکرانہ میں یہ رباعی لکھی گئی ہے۔ سیم کے بیجوں کو ان کی بسری کی وجہ سے فیروزہ سے تشبیہ

دینا ندرت خیال میں داخل ہے بلکہ عموماً فیروزے جو بھینوی شکل کے ہوتے ہیں وہ سیم کے بیجوں

سے مشابہہ ہوتے ہیں۔

پروفیسر ملک محمد عنایت اللہ ایم اے

تمام شد



PDF By :
Ghulam Mustafa Daa'im Awan